يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

احادیث وسیلہ پر اعتراضات کا علمی محاکمہ

تصنیف

محدث عصر شیخ محمود سعید ممدوح

ترجمہ

[illegible]

نظر ثانی

[illegible]

حجاز پبلی کیشنز لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب ـــــــــ رفع المنارة لتخريج احاديث التوسل والزيارة

ترجمہ کا نام ـــــــــ احادیث وسیلہ پر اعتراضات کا علمی محاکمہ

تصنیف ـــــــــ محدث کبیر شیخ محمود سعید ممدوح

اردو ترجمہ ـــــــــ مولانا اکرام اللہ زاہد

نظر ثانی ـــــــــ مفتی محمد خان قادری

زیر اہتمام ـــــــــ علامہ محمد اسلم شہزاد

ناشر ـــــــــ حجاز پبلی کیشنز لاہور

بار اول ـــــــــ جون [illegible]ء

تعداد ـــــــــ گیارہ سو (۱۱۰۰)

قیمت ـــــــــ ۱۵۰ روپے

محقق العصر مفتی محمد خان قادری کی تمام تصانیف کے علاوہ دیگر علماء کی تحقیقی و علمی کتب بارعایت حاصل کرنے کے لئے حجاز پبلی کیشنز مرکز الاویس ستارہ ہوٹل دربار مارکیٹ لاہور سے رجوع فرمائیں۔ فون:-7324948

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

ہمیشہ سے اُمت مسلمہ کا معمول رہا ہے کہ وہ اپنی دعاؤں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وسیلہ بناتے ہیں، کتاب وسنت سے اس پر متعدد شواہد و دلائل موجود ہیں، لیکن اب کچھ لوگ اس معمول کو شرک و بدعت قرار دینے لگ گئے ہیں جب ان کے سامنے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات عالیہ بیان کر کے ثابت کیا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی خود تعلیم دی ہے، تو ان احادیث و روایات کو ضعیف اور موضوع ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔

استاذ المحدثین امام عبداللہ صدیق غماری نے مذکورہ لوگوں کے بارے میں کیا خوب کہا:

لهم مسلك عجيب! تراهم يستدلون لما يوافق مرادهم بالأحاديث ويغضون عما في بعضها من ضعف، ويدعمون ما استطاعوا ان يدعموه منها. فإذا صدموا بحديث يرد أهواءهم انحرفوا عنه واحاولوا تضعيفه جهد طاقتهم، ولم يقبلوا دعمه ولا تقويته، واصروا في عناد على

ان کا مسلک عجیب ہے۔ ان کے مطلب و مراد کے مطابق اگر حدیث ہو تو اس سے استدلال کریں گے اگرچہ اس میں ضعف ہی کیوں نہ ہو اور قوی بنانے کی سر توڑ کوشش کریں گے، لیکن جب کوئی حدیث ان کی رائے سے متصادم ہو تو اس کا انکار کر دیتے ہیں اور اسے ضعیف ثابت کرتے

القلص منہ

کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے
ہیں اور اس کی تقویت کے دلائل
کو مسترد کرتے ہوئے عناداً اس سے
علانیہ انکار کرتے ہیں۔

ضرورت تھی اس بات کی کہ اس موضوع پر تحقیقی انداز میں کام کیا
جائے اور احادیث پر مخالفین کے تمام اعتراضات کا مسکت جواب دیا
جائے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے عظیم محدث شیخ عبداللہ غماریؒ نے حدیث توسل
ضریر پر کام کیا جس کا نام "غایۃ التحریر فی بیان صحۃ حدیث توسل الضریر" رکھا
انہی کے عظیم شاگرد محدث کبیر شیخ محمود سعید ممدوح حفظہ اللہ تعالیٰ
نے اس مسئلہ پر کتاب "رفع المنارہ لتخریج احادیث التوسل والزیارۃ" تحریر کی
جس میں انہوں نے امت مسلمہ کی طرف سے پیش کردہ احادیث کی صحت
کو دلائل کے ساتھ واضح کرکے ثابت کر دیا کہ اس امت کا یہ معمول بحمد اللہ
سنت کے مطابق ہے۔ اسے بدعت و شرک قرار دینا کم ظرفی، کم علمی اور
کج فہمی کے سوا کچھ نہیں۔

بندہ کے کہنے پر پہلی کتاب کا ترجمہ مولانا رسول بخش سعیدی جب کہ
دوسری کتاب کا مولانا محمد اکرام اللہ زاہد نے کیا ہے۔ اگرچہ یہ ان کی اولین
کاوش ہے مگر بہت ہی بہتر ہے۔ بندہ نے حسب استطاعت نظرثانی کی صورت میں
اس میں حصہ ڈالا ہے۔

ہم مذکورہ دونوں کتب کے ترجمہ کی اشاعت کا شرف بھی پا رہے ہیں۔
یاد رہے رفع المنارہ کا احادیث زیارت والا حصہ کا ترجمہ از علامہ محمد عباس
رضوی بنام "زیارت روضہ رسول" اسی طرح شیخ غماری کی کتاب "نہایۃ الامال

فی شرح وصحۃ حدیث عرض الاعمال" کا ترجمہ از مولانا رسول بخش سعیدی
پہلے ہی شائع ہو چکا ہے۔

اہل علم سے میری گزارش ہے کہ ان دلائل کو اچھی طرح پڑھیں
سمجھیں اور امت مسلمہ کے ہر فرد تک پہنچائیں تاکہ پیدا کردہ غلط فہمیوں
کا ازالہ کیا جا سکے۔

اللہ تعالیٰ مصنفین، مترجمین اور تمام معاونین کی اس خدمت کو
قبول و منظور فرمائے اور ان کتب کو امت مسلمہ میں پیدا شدہ غلط فہمیوں
کے ازالہ کا سبب بنا دے۔

اسلام کا ادنیٰ خادم
محمد ریحان قادری
جامع رحمانیہ شادمان۔ لاہور
۲۷ مارچ ۱۹۹۹ء۔ بروز ہفتہ بوقت ۱۰:۳۰ دن

فہرست

الحمد للہ رب العٰلمین منزل الکتاب واھب العطاء

یختص من شاء بما شاء فھو السمیع العلیم الحکیم الکریم

المبدئ المعید الوھاب۔

والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمدن المخصوص بالکمالات،

السراج المنیر والبشیر النذیر الفارق بین الحق والباطل

والھدیٰ والضلال والرشاد والغیِّ، من تبعہ نجا ومن خالفہ

ھلک والایمان بہ وسیلۃ کل مسلم۔ اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم. بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو (المائدہ ٣٥)

صدق اللہ العلی العظیم وبلغنا رسولہ النبی الکریم

وصلی اللہ وسلم وبارک علیہ وزادہ فضلاً وشرفا

لدیہ وعلی آلہ الاطہار وصحابتہ الابرار ومن تبعہ باحسان

وصلی اللہ وسلم .... باحسان۔

مسئلہ توسل ایک ایسا موضوع ہے جس پر کثیر لوگوں نے لکھا اور متعدد

کتب تصنیف ہو چکیں۔ تائید اور تردید کا معرکہ گرم رہا یہاں تک کہ ہے

کے درمیان اختلاف حد سے تجاوز کر گیا اور بعض متشدد ہو گئے علیٰ آلہ واصحابہ

حفظہ اللہ

انتہا پسندی یہاں تک پہنچی کہ انہوں نے اس کو اعتقادیات کا مسئلہ شمار کر
لیا یہی سبب تھا کہ اسلاف کے موقف میں غور و خوض ہونے لگا تاکہ جمہور
مسلمانوں کا موقف بے غبار ہو جائے۔

اہل علم جانتے ہیں، بعض لوگوں نے اس کی ممانعت و مخالفت پر
ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور اس مسئلہ میں تحریر کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ
ایک رسالہ بنام "الاخطاء الاساسية فی توحید الالوهية الواقعة
فی فتح الباری" لکھا گیا جس میں صاحب رسالہ نے حافظ ابن حجرؒ کو طعن
تشنیع کا نشانہ بنایا محض اس جرم میں کہ انہوں نے توسل کو جائز
اور زیارت کو مستحب ٹھہرایا جو کہ انتہائی جہالت، سرکشی اور تعصب کا
شاہکار ہے۔

کتنے شرم کی بات ہے کہ قاضی قضاۃ المسلمین شیخ المحدثین مفخرۃ المسلمین
حافظ احمد بن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف اتنا بیباک ہو کر بے حیائی کا مظاہرہ
محض عقیدت کے انحراف پر واضح دلیل ہے اور اس متشدد کے انحراف کی
کئی مثالیں موجود ہیں جن میں مبالغہ آرائی اور طعن و تشنیع کو شعار بنایا گیا لیکن
اہل علم و فضل نے ایسی تالیفات کو قابل اعتناء نہ سمجھا کیونکہ ان کی حیثیت محض
ایک دروازے کے بچے چرانے یا مکھی کے بھنبھنانے کی سی ہے جو ایک بحر
عظیم کو مضر نہیں ہو سکتیں۔ ؎

ما یضر البحر أمسی زاخراً

أن رمی فیه غلام بحجر

موجیں مارتے ہوئے دریا میں کوئی آدمی پتھر دے مارے تو اس
سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

اگر علم و عنایت کے انتشار کے دور میں اس طرز کے رسائل زیر تحریر آئے
تو قضاء اور علماء کا موقف ایسی بدزبانیوں کے خلاف ہی ہو گا اور حق پرست
لوگ متشددین کی گفتگو کے فساد سے واقف ہیں جو ان کا مقتدر ہے اور حق
ہمیشہ صاحب فضل لوگوں کے ساتھ رہتا ہے۔

اے غیور مسلمانو! یقیناً یہ اختلاف فروع دین سے ہے نہ کہ اصول سے
لہٰذا خدارا کسی سرکش شیطان یا ذلیل خوار قسم کے جاہل شخص کے اشارے
پر اپنے اسلام کو فاسد نہ کرو۔

اس فتنہ کو سرنگوں کرنے کے لیے ہم احادیث توسل کے بارے میں حق بات
کی تحقیق پر اللہ تعالیٰ مدد چاہتے ہیں اور اس مسئلے میں انصاف کی شاہراہ پر گامزن
ہونے کا ارادہ کرتے ہیں جو بے انصافی، ہٹ دھرمی اور سینہ زوری سے کوسوں
دور ہو اور تمام تر گفتگو حدیث شریف کے قواعد کی پابند ہو گی۔ ان شاء اللہ

سلسلۂ احادیث میں حق بیانی کے ساتھ ساتھ اس کتاب کی غرض و
غایت بھی واضح ہے کہ مسئلہ توسل میں اختلاف فروعی اختلاف ہے، لہٰذا اس
میں کسی کے لیے بھی روا نہیں کہ وہ دوسرے کو سب و شتم کا نشانہ بنائے اور
جو انبیاء اور اولیاء کے ساتھ توسل کے قائل ہیں ان کا اعتقاد ایسے ثبت شدہ اصل
پہ ہے جو پہاڑوں کی طرح مضبوط ہیں جن کی تردید کسی یاوہ گو یا سینہ زور کے
علاوہ کوئی نہیں کر سکتا اگر صبر نہ کر سکے تو پھر بھی خاموشی سے تسلیم کرے اور
کسی کو برا بھلانے کیونکہ فروع میں اس قدر افراط کی صلاحیت نہیں ہوتی۔

ہم اللہ تعالیٰ سے رحمت کی التجا کرتے ہیں کہ سوء بیان سے درگزر
اور حسن بیان کو قبول فرمائے اور مسلمان علماء کے ساتھ حسن ظن واجب ہے۔
اللہ تعالیٰ ہم کو سیدھے راستے پر چلائے۔ وصلی اللہ علی سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ
والحمد للہ رب العالمین۔ محمود سعید ممدوح غفر اللہ لہ

مقدمہ

توسّل کی لغوی تحقیق

علامہ جوہری (الصحاح : ٥/١٨٤١) میں مادہ "وسل" کے تحت لکھتے ہیں۔

الوسيلة: ما يتقرب به الى الغير.	وسیلہ وہ ہے جس کے ساتھ غیر کی طرف قرب حاصل کیا جائے۔
والجمع: الوسيلة والوسائل والتوسيل والتوسل واحد	وسیلہ اور وسائل جمع ہے جس کی واحد توسیل اور توسل آتی ہے۔
يقال: وسل فلان الى ربه وسيلة وتوسل اليه الوسيلة أى تقرب اليه بعمل.	کہا جاتا ہے کہ فلاں نے اپنے رب کی طرف وسیلہ پکڑا یعنی کسی عمل سے قرب حاصل کیا۔

اور امام قرطبی نے اپنی تفسیر ص٢١٥٦، طبعۃ الشعب) میں کہا۔

فرمانِ خداوندی ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ	"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو"

یہاں وسیلہ بمعنی قربت ہے۔ ابو وائل، حسن، مجاہد، قتادہ، عطاء، سدی، ابن زید اور عبداللہ بن کثیر سے یہی منقول ہے اور یہ فعیلۃ کے وزن پر ہے اور قربت

کے معنی میں ہے جیسے توسلت إلیه کا معنی تقربت إلیه۔ عنترہ نے کہا۔

إن الرجال لهم إليك وسيلة — أن يأخذوك تكحلي وتخضبي

"تیرا سرمگیں اور سندر روپ ہونا اس امر کا سبب ہے کہ لوگ تیرے قرب کے لیے بے تاب ہیں"

إذا غفل الواشون عدنا لوصلنا — وعاد التصافي بيننا والوسائل

"جونہی چغل خوروں نے غفلت کی تو ہم باہمی ملاپ کے لیے تیار ہو گئے اور خالص محبت اور قربتیں ہمارا مقصد ٹھہریں"

کہا گیا ہے کہ سألتُ أسأل بھی اس سے مشتق ہے یعنی طلبتُ اور یہ معنی جانبین سے برابر پایا جاتا ہے، یعنی ہر ایک اپنے دوسرے ساتھی سے طلب کرتا ہے۔ لہذا اصل طلب ہے اور وسیلہ ایک ایسی قربت کا نام ہے جس کے ساتھ کچھ طلب کرنا مناسب ہو۔ اور وسیلہ بمعنی قربت ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں مفسرین کا کوئی اختلاف نہیں، جیسا کہ علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۲/۹۷) میں اس کی یوں وضاحت کی۔

الوسيلة هي ما يتوصل بها إلى تحصيل المطلوب. — وسیلہ وہ ہے جس کے ساتھ حصول مطلوب تک رسائی ہو۔

لیکن بعض نے وسیلہ کی جو تعریف کی ہے کہ "وسیلہ بندے اور رب کے درمیان واسطہ پکڑنے کا نام ہے" یہ محض غلط ہے۔ کیونکہ توسل کو اس سے کوئی علاقہ نہیں اور متوسل کسی سے دعا نہیں کرتا، سوائے اللہ وحدہ لا شریک کے اور اللہ تعالیٰ ہی معطی، مانع، نافع اور ضار ہے۔ بلکہ وسیلہ ایک قربت کا نام ہے جس کے سبب اپنی دعا کی قبولیت کی امید ہو اور دعا میں قربت بالاتفاق جائز ہے۔

اور وسیلہ مرتبہ اور درجہ کے معنی میں بھی آتا ہے جیسا کہ مشہور صحیح حدیث میں ہے۔

سلوا الله لي الوسيلة — اللہ سے میرے لیے وسیلہ طلب کرو

یہاں وسیلہ بمعنی مرتبہ اور درجہ ہے لیکن یہاں بحث صرف پہلے معنی سے متعلق ہے یعنی "الوسيلة بمعنى القربة"

توسل کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ جس پر سب کا اتفاق ہے جس کے درپے نہ ہونا ہی درست ہے کیونکہ اس سے تکرار اور تحصیل حاصل لازم آئے گا۔

۲۔ جس میں اختلاف ہے اور وہ نبی، ولی، حق، مرتبہ، حرمت یا کسی ذات وغیرہ کے ساتھ سوال کرنا ہے۔

حالانکہ اسلاف کے اقوال پر نظر رکھنے والا نہیں جانتا کہ کسی نے اس نوع کی حرمت کا فتویٰ دیا ہو یا اسے بدعت و ضلالت کہا ہو یا اس میں تشدد کیا ہو اور اس کو عقائد کا موضوع بنایا ہو۔

یہ فتنہ ساتویں صدی ہجری سے شروع ہوا اور شدت اختیار کر گیا جبکہ اسلاف سے اسی قسم کا توسل منقول و معروف ہے۔

ابن تیمیہ اور توسل

ابن تیمیہ نے التوسل والوسیلة ص ۹۸ میں کہا

هذا الدعاء الذي فيه التوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم ونحوه قد روي أنه دعا به السلف ونقل عن أحمد بن — "یہ دعا جس میں توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی مثل مروی ہے کہ اس کے ساتھ اسلاف دعا کیا کرتے اور امام احمد بن حنبل سے

حنبل فی منسك المروزی التوسل بالنبی صلی اللہ علیه وسلم فی الدعا۔

بھی منسک المروزی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دعا میں وسیلہ پکڑنا منقول ہے۔

اسی طرح مذکورہ کتاب کے صفحہ ۱۵۵ پر بھی ہے اور صہ ۶ پر اس نے یوں نقل کیا ہے۔

والتوسل به (ای بالمخلوق) فهذا یجوزه طائفة من الناس ونقل فی ذالك آثار عن بعض السلف وهو موجود فی دعا کثیر من الناس

مخلوق کے واسطے سے سوال کرنا لوگوں کے ایک گروہ نے جائز ٹھہرایا ہے اور اس مسئلہ میں بعض اسلاف کے آثار بھی منقول ہیں جو کہ بے شمار لوگوں کی دعا میں موجود ہے۔

اور ایک حدیث بھی ذکر کی جس میں توسل بالنبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ثبوت ہے الفاظ یوں ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ صلی اللہ علیه وسلم تسلیمًا یا محمد انی اتوجه بك الی ربك وربی یرحمنی مما بی

اے اللہ! میں تیری طرف تیرے رحمت والے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے متوجہ ہوتا ہوں یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک میں تمہارے وسیلے سے آپ کے اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں تاکہ وہ میرے حال پر رحم فرمائے۔

ابن تیمیہ نے کہا کہ :-
ایسی دعائیں اسلاف سے مروی ہیں اور امام احمد بن حنبل نے "منسک المروزی" میں بھی منقول ہے یعنی دعائیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑنا۔

اور یہی امام احمد بن حنبل کی عبارت ہے جو انھوں نے منسک المروزی میں بیان کی یعنی :-

سل اللہ حاجتك متوسلاً بنبیه صلی اللہ علیه وسلم تقض من اللہ عزوجل

اللہ کی بارگاہ میں اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کرتے ہوئے اپنی حاجت طلب کر تو بارگاہ صمدیت سے تیری حاجت پوری ہو جائے گی۔

اسی طرح اس کو ابن تیمیہ نے الرد علی الاخنائی صہ ۱۶۸ میں ذکر کیا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وسیلہ پکڑنا تمام مذاہب میں اتفاقی قابل اعتماد مسئلہ ہے جس پر اکابر علماء کے شواہد کے علاوہ تفسیر و حدیث کی کتب خصائص، دلائل النبوۃ اور فقہ بے شمار ایسے دلائل سے بھری پڑی ہیں جو اس کی حرمت کے لیے مانع اور قاطع کی حیثیت سے ہیں۔

ابن تیمیہ کا ذکر کیوں؟

ابن تیمیہ نے اپنی تصنیفات میں توسل کی دوسری قسم کے بارے اکثر بحث کرتے ہوئے اس کے حق میں رد کیا ہے اور پیروکاروں نے اس کی تقلید کی اور متضاد کلام کی تردید کا اہتمام انجام دیا ہے۔

ابن تیمیہ کا کلام مع تردید ذکر کرنا بھی نہایت مفید ہے اور فقط ابن تیمیہ کے کلام پر ہی میرا اقتصار کرنا بھی بہت بہتر ہے اس لیے کہ جو اس کے کلام میں موجود ہو وہ اس سلسلے میں مواد تلاش کرنے میں اس سے زیادہ میسر نہیں ہو سکتا۔

ابن تیمیہ نے انبیاء و ملائکہ اور صالحین کے ساتھ توسل کے منع پر ہمیشہ اصرار کیا اور کہا کہ توسل حقیقت میں توسل بالدعا ہی ہے اور دعا بھی صرف

تنقید کی۔ اس مسئلہ کو اس نے اپنی کتاب "التوسل والوسیلة" کے کئی مقامات پر ذکر کیا ہے۔ (ص ۱۶۹)

ابن تیمیہ کا استدلال

ابن تیمیہ نے "التوسل والوسیلة" کے (ص ۱۶۵) پر پہلا اعتراض یوں وارد کیا:

"السؤال به (أي بالمخلوق) فهذا يجوزه طائفة من الناس لكن ما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم في ذلك كله ضعيف بل موضوع وليس عنه حديث ثابت قد يظن أن لهم فيه حجة إلا حديث الأعمى لا حجة لهم فانه صريح في أنه انما توسل بدعاء النبي صلى الله عليه وسلم وشفاعته وهو طلب من النبي صلى الله عليه وسلم الدعاء وقد أمره النبي صلى الله عليه وسلم ان يقول "اللهم شفعه فيّ" ولهذا رد الله عليه بصره لما دعا له النبي صلى الله عليه وسلم وكان ذلك مما يعد من آيات النبي صلى الله عليه وسلم ولو

مخلوق کے ساتھ سوال کرنے کو علماء کی ایک جماعت نے جائز ٹھہرایا ہے لیکن جو بھی اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے وہ سب ضعیف بلکہ موضوع ہے اور اس بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں خیال کیا جاتا ہے کہ ان کے پاس کوئی حجت ہوگی لیکن نابینا والی حدیث کے علاوہ کوئی حجت نہیں ہے بلکہ اس کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ وہ تو اس مسئلے میں صریح ہے کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور شفاعت کے ساتھ وسیلہ پکڑا جس کا مفہوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی گزارش ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یوں کہنے کا حکم صادر فرمایا: اے اللہ! آپ کی سفارش میرے حق میں قبول فرما۔ اسی لیے اللہ نے اس کی بینائی لوٹا دی۔

[illegible] من العميان الذين [illegible] اللهم النبي صلى الله عليه [illegible] بالسؤال به لم تكن [illegible] كما له۔"

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا کی اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت میں سے ایک ہے اگر اس کے علاوہ دوسرے نابینے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑیں جن کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا نہ فرمائیں تو ان کا حال ایسا نہیں ہوگا (یعنی ان کی بینائی نہیں لوٹائی جائے گی)۔

استدلال کا جائزہ

گزارش ہے کہ ابن تیمیہ کا یہ کہنا "كله ضعيف بل موضوع وليس عنه حديث ثابت قد [illegible] لهم فيه حجة إلا ......" ان شاء اللہ العزیز اس [illegible] بالتفصیل آگے چل کر تخریج احادیث میں ہدیۂ قارئین کی جائے گی [illegible] کہنا ہے کہ اس مسئلہ میں صحیح، حسن اور ضعیف احادیث [illegible] ائمہ حدیث کی توثیق ہے اور قواعد فن (اصول حدیث) [illegible] ہیں۔

[illegible] کا یہ کہنا: "إلا حديث الأعمى لا حجة لهم فيه"۔ [illegible] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا اور شفاعت کے ساتھ وسیلہ پکڑنے [illegible] جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعا کرانا ہے اور نبی صلی اللہ [illegible] یہ کہنے کا حکم دیا: "اللّٰھم شفعه فيّ" اسی لیے تو [illegible] بینائی واپس کر دی اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی [illegible] میں سے ایک ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ ابن تیمیہ کی تحقیق یہ ہے کہ نابینا کا توسل نبی صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی دعا کے ساتھ ہے۔ حالانکہ یہ کلام محل نظر ہے کیونکہ
نابینا کے توسل والی حدیث کی تحقیق کرنے والا مندرجہ ذیل امور پا سکتا [illegible]

۱۔ نابینا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی
"اُدع اللّٰہ لی أن یعافینی" میرے لیے دعا کریں، اللہ مجھے عافیت
بخشے" تو نابینا نے دعا کے لیے التماس کی۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے یوں کہا:

إن شئت أخرت دهو خیر	اگر تو چاہے تو میں اسے مؤخر کر دوں
و إن شئت دعوت۔	اور یہی بہتر ہے، اگر تو چاہے تو میں
	دعا کرتا ہوں۔

گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اختیار دیا اور ساتھ
بیان بھی کر دیا کہ صبر افضل ہے۔

۳۔ نابینا نے شدید حاجت کی بناء پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعا
ہی گزارش کی۔

۴۔ اس کے اصرار پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے وضو کرنے کا [illegible]
فرمایا تو اس نے اچھی طرح وضو کیا اور دو رکعتیں ادا کیں۔

۵۔ نابینا نے اس پر مزید یہ دعا کی۔

"اَللّٰھُمَّ إنّی أسْئَلُكَ وَ أتَوَجَّهُ	اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں
إلیكَ بِنَبِیِّكَ محمد نبی الرحمة	اور تیرے رحمت والے نبی محمد صلی [illegible]
یا محمّد إنّی توجهت بك	علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تیری طرف
إلی ربی فی حاجتی لتقضی لی"	متوجہ ہوتا ہوں یا محمد صلی اللہ [illegible]
	وآلہ وسلم! بیشک میں تمہارے ساتھ

اپنی حاجت میں اپنے رب کی طرف
متوجہ ہوا ہوں پس میری حاجت پوری
کی جائے۔

[illegible] نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا مانگی جس طرح نابینا نے حدیث کے
[illegible] میں عرض کی اور نابینے نے یہ دعا مانگی جس طرح اس کو نبی کریم صلی اللہ
[illegible] وآلہ وسلم نے تعلیم دی۔

[illegible] نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ نے اس کو جو دعا تعلیم دی وہ توسل بالنبی صلی اللہ
[illegible] وسلم ہے اور یہ توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی نص ہے جو کسی قسم کی
[illegible] کا احتمال نہیں رکھتی اور نہ کسی طرح یہ توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف
[illegible] کی جا سکتی ہے جبکہ اس میں "أتوجه إلیك بنبیك" اور "إنی
توجهت بك" کی واضح عبارات موجود ہیں۔

اور اب بھی اس کے علاوہ کوئی رائے رکھتا ہے تو حدیث پاک کا سمجھنا
[illegible] ہے۔

شیخ البانی نے بھی ابن تیمیہ کے کلام پر فخر کرتے ہوئے ان التوسل
[illegible] میں اس مسئلہ کی یوں تردید کی۔

[illegible] هذه الحادثة كلها تدور	اس سارے واقعہ کا محل و محور توسل
[illegible] الدعاء، كما هو ظاهر	بالدعا ہی ہے جو کہ ظاہر ہے اس میں
[illegible] فیها ذكر لشئ مما یزعمون	ایسی کوئی چیز مذکور نہیں جو ان کے خیال
	کی حامی ہو۔

ہماری گزارش ہے کہ یہ حدیث کے پہلے حصے کا مفہوم ہے اور بقیہ حصہ
[illegible] کو دعا ثابت بناتا ہے ایسا کیوں نہ ہو جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے خود اس شخص کو جو دعا تعلیم فرمائی اس میں توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ہاں یہ بات قابل تسلیم ہے کہ اس واقعہ کا دارومدار دعا پر ہے۔ لیکن اس
مقام پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسے الفاظ ہیں جن سے نبی کریم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے دعا مانگی اور وہ دعا کونسی ہے جو آپ نے اس نابینا آدمی کو
تعلیم فرمائی۔

کوئی بھی انصاف پسند اس کے علاوہ جواب گھڑنے کی جرأت نہیں کر
سکتا کہ یقیناً یہ وہی دعا ہے جس میں توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نص
موجود ہے۔ نابینا آدمی نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر مطلق دعا طلب
کی کہ اس کی بصارت لوٹ آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس
کو دعا کی تعلیم فرمائی اور حکم صادر فرمایا کہ یہ دعا مانگ۔ جس میں توسل بالنبی ہے
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لہٰذا مطلوب ثابت ہے۔

٧۔ پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں عرض کرنے کو کہا:

اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِیَّ وَشَفِّعْنِی فِیْ نَفْسِی۔	اے اللہ! آپ کی دعا میرے حق میں اور میری دعا بھی میرے حق میں قبول فرما۔"

سوال یہ ہے کہ وہ کونسی دعا ہے جس کی قبولیت کا مطالبہ کیا جا رہا ہے
اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر شخص کے ذہن میں بدیہی طور پر یہی جواب
وارد ہوتا ہے کہ یہ وہی مذکورہ دعا ہے۔ جس میں توسل بالنبی صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم ہے اور یقیناً یہ جواب اب تحقیق نظر کا محتاج ہے اور نہ ہی غور
سوچ و بچار کا، اور یہ مسئلہ دن کے سورج کی طرح روشن ہے اور یوں کہنا
بھی صحیح ہوگا کہ شفاعت کی قبولیت کا سوال کرنا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

[illegible] کے ساتھ توسل پر بھی دلیل ہے اور آپ کی دعا کے ساتھ توسل پر بھی
اور یہی حدیث پاک کے مفہوم کا مدعا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

٨۔ نابینا کی بینائی واپس آنے کا سبب فقط توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم
[illegible] ان ائمہ حفاظ نے مفہوم لیا جنہوں نے اس حدیث کو اپنی تصنیفات
میں نقل کیا اور ذکر حدیث کے ساتھ واضح کیا کہ یہ بھی ان دعاؤں میں سے
[illegible] حاجات کے وقت مانگی جاتی ہیں۔ امام بیہقی نے "دلائل النبوۃ"
[illegible] باب "ماجاء فی تعلیمه الضریر ما کان فیه شفاؤه حین
[illegible] وما ظهر فی ذالك من آثار النبوة" میں نقل کیا۔

[illegible] یہ مخفی نہیں کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اندھے کو
[illegible] سکھائی جس میں توسل بالذات ہے جس پر بیہقی کی عبارت نہایت واضح
[illegible] بیہقی ایک مجتہد اور حافظ ہیں۔

اسی طرح اس کو امام نسائی نے ذکر کیا اور ابن السنی نے عمل الیوم واللیلہ
میں امام ترمذی نے الدعوات میں امام طبرانی نے الدعا میں امام حاکم نے
[illegible] میں، منذری نے الترغیب والترہیب میں اور حافظ ہیثمی نے
[illegible] میں "صلوٰۃ الحاجة ودعائها" کے تحت ذکر کیا اور امام
[illegible] نے الاذکار میں اس طرح ذکر کیا کہ یہ بھی ان اذکار میں سے ایک ہے
[illegible] کے پیش آنے پر کہے جاتے ہیں اور محدث ابن جزری نے
[illegible] میں ص ١٦٢ پر باب صلوة الضر والحاجة کے تحت
[illegible] ذکر کیا۔

[illegible] شوکانی "تحفة الذاکرین" میں ص ١٦٢ پر کہتے ہیں:

وفی هذا الحدیث دلیل علی	اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ

جواز التوسل برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی اللہ عز و جل مع اعتقاد أن الفاعل ھو اللہ سبحانہ وتعالیٰ وانہ المعطی المانع ما شاء اللہ کان وما لم یشأ لم یکن۔

علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ عزوجل کی بارگاہ میں بطور وسیلہ پیش کرنے کے جواز پر دلیل ہے جبکہ اعتقاد یہ ہو کہ فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی معطی اور مانع ہے جو وہ چاہے ہوتا ہے اور جو نہ چاہے نہیں ہوتا۔

جن حفاظ کبار نے یہ کہا کہ حدیث شریف اپنے عموم پر ہے اور اس دعا کا استعمال عام ہے جس میں توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ان سب کو بیان کو خاصی طوالت کا سبب ہے۔

۹۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ، جو کہ اس حدیث کے راوی بھی ہیں انہوں نے اس سے عموم اخذ کیا تبھی تو آپ نے اس شخص کو جو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تک رسائی چاہتا تھا۔ اس دعا کی طرف متوجہ کیا جو حدیث پاک میں مذکور ہوئی جس میں توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اس کی سند بالکل صحیح ہے جس کا مفصل بیان ان شاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام پر آئے گا اور جلیل القدر صحابی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے حدیث پاک کو سمجھنے کا حق ادا کر دیا۔

۱۰۔ ابن ابی خیثمہ نے ثقہ حافظ حماد بن سلمہ کے طریق سے اس حدیث کی روایت کی اور اس میں "فان کانت حاجۃ فافعل مثل ذلک" کا جو اضافہ ہے وہ صحیح اور مقبول ہے اس لیے کہ یہ اضافہ ایک ثقہ حافظ کا ہے۔ اصول حدیث میں یہی قاعدہ مسلمہ ہے۔ لہٰذا یہ روایت عموم پر

دلالت کرتی ہے نیز ظاہری حیات میں اور وصال شریف کے بعد قیامت تک حدیث پر عمل کرنے کی متقاضی ہے۔ پھر ابن تیمیہ نے کہا:

"اگر کوئی اور نابینا شخص اسی طرح وسیلہ پکڑے جس کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا نہ کی ہو تو اس کا حال ایسا نہیں ہوگا۔"

ابن تیمیہ نے جو دوسرے مقام پر کہا:

وکذلک لو کان أعمی توسل بہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یدع لہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلۃ ذلک الأعمی لکان عمیان الصحابۃ أو بعضھم یفعلون مثل ما فعل الأعمی فعدولھم عن ھذا الی ھذا دلیل علی ان المشروع ما سلکوہ دون ما ترکوہ۔

"اس نابینا کی بجائے اگر کسی اور نابینا کے لیے یوں وسیلہ جائز ہوتا جس کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا نہ کی ہو تو نابینے صحابہ ضرور ایسا کرتے یا بعض صحابہ نے ایسا کیا بھی ہوگا تو ان کا اس طرف رجوع کرنا فقط ان کے سوال کے جواز پر دلیل ہے نہ کہ اس سے زیادہ کسی امر پر جسے انہوں نے ترک کیا۔

ہم کہتے ہیں کہ اس کا جواب نہایت آسان ہے اور ہم اس کا حق ادا کریں گے تاکہ اس اعتراض کا قلع قمع ہو جائے لیکن میں نے ایک گروہ کو ویسا کرتے دیکھا ہے کہ انہوں نے اسی اعتراض کو لیا اور اپنی اپنی طرف منسوب کیا۔ حق بات تو یہ ہے کہ اس اعتراض کو ذکر ہی نہ کیا جائے کیونکہ اس کا فساد یوں ظاہر ہے یا اس کو معترض کی نسبت سے بیان کیا جائے تو اس نسبت سے ہم بیان کئے ہی دیتے ہیں تاکہ معترض بھی بے نقاب ہو جائے جنہوں نے اس اعتراض کو اپنی طرف منسوب کیا۔ ان میں سے ایک شیخ البانی

ہے جس نے "التوسل" (صفحہ ۱۰۶) میں کہا

"اگر نابینا کی شفا کا راز اسی میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت اور صداقت کے ساتھ وسیلہ پکڑا جیسا کہ عام متاخرین نے سمجھا ہے تو ضروری بات ہے کہ اس کے علاوہ دوسرے نابینے جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبہ کے ساتھ وسیلہ پکڑا ہو انکو بھی شفا حاصل ہو اور ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اس کے ساتھ کبھی جمیع انبیاء و مرسلین، تمام اولیاء، شہداء اور صالحین کے مرتبے کا بھی وسیلہ پکڑا ہو بلکہ ہر وہ مخلوق جس کو بارگاہ ایزدی سے کوئی مقام ملا ہو مثلاً ملائکہ، انسان اور جن ان کے مقام کا بھی وسیلہ پکڑا ہو، لیکن ہمیں گمان کی حد تک بھی معلوم نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے لے کر آج تک اس عرصہ دراز میں کوئی اس طرح مراد حاصل ہوئی ہو۔"

اسی اعتراض کو "التوصل الی حقیقۃ التوسل" کے ص ۲۴۳ اور "ھذہ مفاھیمنا" (ص ۳۰) پر بھی ذکر کیا گیا۔

اس اعتراض کا جواب درج ذیل ہے۔

۱۔ دعا کے صحیح ہونے کے لیے دعا کی قبولیت شرط نہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:۔

اُدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ — تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

اور ہم نے کئی مسلمانوں کو دیکھا ہے کہ وہ دعا کرتے ہیں لیکن قبول نہیں ہوتی، لہٰذا یہ اعتراض تو ہر قسم کی دعا پر وارد ہوتا ہے۔ پس اس اعتراض پر غور کرو اور دیکھو کہ معترض کو کہاں فرار ہے؟

اس اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ نابینے صحابہ وغیرہ جنہوں نے وسیلہ نہیں پکڑا، اور یہ فقط احتمال ہے جس کی تائید میں کوئی دلیل نہیں، حالانکہ اس کے قوی اور مضبوط ترین احتمالات درج ذیل ہیں۔

۱۔ انھوں نے وسیلہ پکڑا اور ان کی دعا قبول ہوئی۔

۲۔ انھوں نے اس کو ترک کیا تاکہ اجر و ثواب میں اضافہ ہو۔

۳۔ انھوں نے وسیلہ پکڑا اور ان کی دعا کا اجر آخرت کے لیے ذخیرہ کیا گیا۔

۴۔ انھوں نے جلدی کی اور ان کی دعا قبول نہ ہوئی۔

کیا خوب فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:۔

يستجاب لأحدكم ما لم يعجل، يقول قد دعوت فلم يستجب لي. — جو بھی جلدی کرتا ہے اس کی دعا قبول نہیں ہوتی، پھر کہتا ہے کہ میں نے دعا کی تھی لیکن قبول نہیں ہوئی۔

(رواہ البخاری ومسلم وغیرہما)

اور کتنے دعا کرنے والے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کے توسل سے دعا کرتے ہیں، لیکن ان کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی اور یہ اشکال تو ہر مقام پر وارد ہوگا، یعنی ہم نے اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات یا نیک عمل یا نیک آدمی کی دعا کے ساتھ وسیلہ پکڑ کر دعا کرتے بھی دیکھا اور ان کی دعا کو قبول ہوتے نہیں دیکھا، یہ گفتگو تو معترضین پر اتمام حجت کی اور ان کے اعتراض کو رد کرنا تھا اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی کہ دعا اور اجابت (قبولیت) میں تلازم نہیں، یعنی یہ ضروری نہیں کہ دعا وہ ہوتی ہے جو قبول ہو اور جو قبول ہوتی ہے وہ دعا ہے۔ (واللہ اعلم)

علاوہ ازیں شیخ البانی کا یہ کہنا: "لا نعلم ولا نظن أحداً..." انتہائی شدت پسندی ہے اور حقیقت کی نفی پر شہادت ہے جس سے کوئی بھی صاحب عقل آدمی دھوکا نہیں کھا سکتا.

مفید خلاصۂ کلام

توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حدیث کی واضح دلالت کے بعد یہ بات آپ پر روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ مخالف محض مکڑی کے گھر کی طرح بے بنیاد دیواریں کھڑی کرنے کے درپے ہے جن کا دلائل کی دنیا سے کوئی واسطہ نہیں اور یہ یقینی بات ہے کہ مخالفین کے پاس اپنے موقف کے ثبوت میں کوئی وزنی دلیل نہیں جس کے سہارے وہ سرخروئی کا دعویٰ کر سکیں علاوہ ازیں جو مخالف بھی دلیل سے راہنمائی حاصل کرتا ہے وہ اس جوازِ توسل کے اعتراف پر مجبور ہو جاتا ہے. یہ الگ بات ہے کہ وہ مافی الضمیر کی وجہ سے طرح طرح کے شبہات پیدا کرتا ہے. دیکھیں شیخ البانی نے "التوسل" (صفحہ ۷۷) میں کہا:

"حدیث پاک کی روشنی میں میرا موقف یہ ہے کہ اگر یہ صحیح ہو کہ نابینا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کا وسیلہ پکڑا تو یہ حکم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہی خاص ہوگا. آپ کے علاوہ کوئی نبی و ولی اس حکم میں شریک نہیں ہوگا اور آپ کے ساتھ دوسرے انبیاء و اولیاء کے الحاق کو نظرِ صحیح قبول نہیں کر سکتی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سب کے سردار اور افضل ہیں اور ممکن ہے کہ یہ بھی ان خصوصیات میں سے ایک ہو جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے خاص فرمائی ہیں اور اس کے ساتھ سب پر آپ کی فضیلت کو واضح کیا ہو

[illegible] کتاب وسنت میں کتنی ایسی مثالیں ہیں جن کی آپ کے ساتھ تخصیص ہے [illegible] آپ کی دیگر امتیازات بڑی ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ خصوصیات میں [illegible] نہیں ہوتی. لہٰذا جو شخص اعتقاد رکھتا ہے کہ نابینا کا توسل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے ساتھ تھا تو اس پر لازم ہے کہ اس [illegible] تک ہی محدود رکھے اور اس پر کسی طرح کا کوئی اضافہ نہ کرے جیسا کہ [illegible] شیخ العز بن عبد السلام رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے اور یہی حق [illegible] کا تقاضا ہے وہ علمی بحث کرتی ہے جو انصاف کے ساتھ ہو."

[illegible] یہ ہے کہ [illegible] وضاحت کر [illegible] ہے تمام تر خیالات کی بنیاد کیا [illegible] واضح دلیل کو چھوڑ کر محض تقلید کو ترجیح کیوں دی جائے؟ بیشک [illegible] کی عبارت تو یہاں واضح ہے لیکن فقط حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] کے ساتھ توسل کا حصر کرنا کیونکر صحیح ہے جبکہ اس پر کوئی دلیل نہیں [illegible] تخصیص بلا مخصص ہے اور خصوصیت بھی دلیل کے بغیر ثابت نہیں [illegible] اور حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [illegible] قرار دیا ہے. حالانکہ ان سے توسل بالغیر کی بھی ممانعت منقول نہیں اور [illegible] ممانعت کو آپ کی طرف منسوب کیا گویا اس نے آپ پر بڑی [illegible] طور طلب یہ امر ہے کہ حنابلہ جو حضرت امام احمد [illegible] علیہ کے پیروکار ہیں وہ یقیناً اپنے امام کے بارے میں زیادہ جانتے [illegible] لیکن ان میں سے کسی نے بھی ایسے حصر کا دعویٰ نہیں کیا جو البانی نے [illegible] حوالہ کیلئے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں.

[illegible] ابن مفلح الحنبلی نے "الفروع" جلد ۱ (ص ۵۹۵) میں بیان فرمایا:

[illegible] توسل ابن مفلح و تبیل — کسی برگزیدہ آدمی کا وسیلہ پکڑنا جائز

يستحب قال أحمد في منسكه الذي كتبه للمروزي إنه يتوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم في دعائه، وجزم به في المستوعب وغيره۔

ہے اور بعض حنابلہ نے مستحب کہا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ "منسک المروزی" میں فرماتے ہیں کہ اس نے اپنی دعا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ کی ذات کا وسیلہ پکڑا اور "المستوعب" وغیرہ میں اس کی توثیق کی گئی۔

۲۔ پھر ابن تیمیہ نے کہا کہ "امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی استسقاء میں دعا جو مہاجرین و انصار میں مشہور ہے وہ یہ ہے۔

اللهم إنا كنا إذا أجدبنا نتوسل إليك بنبينا، وإنا نتوسل إليك بعم نبينا

اے اللہ جب ہم قحط سالی کا شکار ہوتے تو تیری بارگاہ میں اپنے نبی کا وسیلہ پیش کرتے تو تو ہمیں سیراب کر دیتا تھا اب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ پیش کرتے ہیں۔

امیر المومنین کا یہ عمل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے نزدیک جو توسل جائز ہے وہ دعا اور شفاعت کے ساتھ سوال ہے نہ کہ ذات کے ساتھ سوال کرنا، کیونکہ اگر یہ جائز ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سوال کرنے کو ترک کر کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ توسل نہ کرتے۔" (التوسل والوسیلہ صفحہ ۶۶)

اور ابن تیمیہ دوسرے مقام پر کہتا ہے کہ "صحیح میں ابن عمر اور انس وغیرہما رضی اللہ عنہم سے یہ تو ثابت ہے کہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ

کی دعا اور استسقاء کے ساتھ وسیلہ پکڑتے لیکن یہ کسی سے بھی منقول نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ میں کسی نے مخلوق کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا ہو نہ آپ سے نہ آپ کے علاوہ کسی سے، نہ ہی استسقاء میں اور نہ ہی کسی اور موقع پر اور نابینا والی حدیث کے بارے میں ہم وضاحت کر دیتے ہیں کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سوال کرنا صحابہ کے نزدیک معروف ہوتا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ضرور کہتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سوال اور توسل حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ سوال اور توسل سے کہیں افضل ہے۔ لہٰذا ہم اس مشروع امر کو ترک کیوں کریں گے جو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں کرتے تھے اور وہ مشروع امر مخلوق میں سب سے افضل کے ساتھ توسل ہے جبکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی قریبی رشتہ کا وسیلہ پکڑتے ہیں یہ تو مشروع امر کو ترک کرنے اور ایک افضل امر سے عدول کرنے کے مترادف ہے اور دو وسیلوں میں سے کمتر کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا باوجود اس کے کہ اعلیٰ پر قدرت بھی ہو کیونکر صحیح ہے؟ حالانکہ ہم عام الرمادہ (ہلاکت کا سال) میں انتہائی مجبور بھی تھے۔ یہ وہ سال ہے قحط سالی میں جس کی مثال بیان کی جاتی ہے اور جنہوں نے یہ سوال کیا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے جن کی طرح حضرت معاویہ نے بھی صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں یوں کیا کہ انہوں نے حضرت یزید بن اسود الجرشی کے ساتھ وسیلہ پکڑا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ وسیلہ پکڑا تھا۔ (صفحہ ۶۷)

ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتے ہیں کہ

ابن تیمیہ کے کلام کو بغور پڑھنے والا بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ وہ توسل بالذوات
کی مطلقاً نفی کرتا ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے وصال کے بعد آپ کے ساتھ توسل کو ترک کر دیا اس لیے کہ توسل فقط دعا
پر مقصود ہے اور وصال کے بعد آپ کی دعا ناممکن ہے۔ اگر بعد از وصال بھی
آپ کی ذات کے ساتھ توسل ممکن ہوتا تو صحابہ کبھی اس کو ترک نہ کرتے۔

اس اشکال کا جواب مندرجہ ذیل نقاط سے قارئین کی نذر کیا جاتا ہے۔

۱۔ معترض کی غرض و غایت یہ ہے کہ شدتِ حاجت کے باوجود حضور صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ توسل کو چھوڑ دیا گیا یعنی ترک کیا گیا۔ گزارش یہ ہے کہ کسی امر
کا محض ترک، تحریم یا کراہت پر دلالت نہیں کرتا بلکہ ترک سے تو متروک
کے جواز کا اشارہ حاصل ہوتا ہے چہ جائیکہ تحریم یا کراہیت اخذ کی جائے۔ تحریم یا
کراہت کسی دوسری دلیل کی محتاج ہوتی ہے جو ممانعت کا فائدہ دے اور
مناسب یہ ہے کہ خاموشی اختیار کرنے والے کی طرف قول منسوب نہ کیا جائے
اور ہمارے شیخ محقق دوراں علامہ عبداللہ بن الصدیق الغماری رحمہ اللہ
تعالیٰ و نور مرقدہ نے اپنے رسالہ "حسن التفہم والدرک لمسألۃ الترک"
میں مسئلہ ترک کے تمام پہلوؤں کا ہر زاویے سے جائزہ لیا ہے۔[1]

۲۔ اگر ترک تحریم پر ہی دلالت کرتا ہے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اس
توسل کو بھی ترک کیا جس کی جلالت اور فضیلت پر سب کا اتفاق ہے اور وہ
اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنہ اور صفات مبارکہ کے ساتھ توسل ہے حالانکہ وہ شدت

---

[1] اس رسالہ کا ترجمہ "مسئلہ ترک" کے نام سے بندہ نے کیا جو شائع ہو چکا ہے۔
مفتی محمد خان قادری

قحط کی وجہ سے انتہائی مجبور بھی تھے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کلمات
سے معلوم ہے۔

۳۔ حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ عرض کرنا "و انا نتوسل
الیک بعم نبینا" توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت سے خالی
نہیں ہو سکتا اور سیدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنی دعا میں یوں عرض گزار تھے

وقد توجہ القوم بی
الیک لمکانی من نبیک

(اے اللہ) یہ قوم تیری بارگاہ عالی
میں میرے واسطے سے اس لیے متوجہ
ہوئی ہے کہ مجھے تیرے پیارے نبی کے
ساتھ نسبت کی وجہ سے عزو شرف
حاصل ہے۔

اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے "بعم نبینا" کہا اور "بالعباس"
کہا اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے زیادہ مناسب یہ تھا کہ اس سخت
ضرورت کے وقت اس کا وسیلہ پکڑتے جو صحابہ میں سے حضرت عباس سے
بھی افضل ہو اور ایسے کئی حضرات موجود تھے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے
فرمایا "و اتخذوہ وسیلۃ الی اللہ" یعنی اللہ کی بارگاہ میں انہی کو وسیلہ
بناؤ اور آپ نے توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عدول نہیں کیا بلکہ
آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ پکڑنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی رضامندی اور اقتدا کو پیش نظر رکھا ہے اس لیے کہ اس میں آپ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے چچا کی عزت و تکریم ہے اور ان کا وسیلہ پکڑنا محض نبی صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی قرابت کی بنا پر ہے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ ان کی دعا کی
قبولیت کی امید بھی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (الفتح ۲/۴۹۷) میں فرماتے ہیں

ویستفاد من قصة العباس استحباب الاستشفاع باهل الخیر والصلاح واهل بیت النبوة، وفیه فضل العباس وفضل عمر لتواضعه للعباس ومعرفته بحقه۔

سیدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قصے سے اس مسئلے کا فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ نیکوکار، برگزیدہ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل بیت کے ساتھ شفاعت طلب کرنا مستحب ہے اور اس میں حضرت عباس اور عمر رضی اللہ عنہما دونوں کی فضیلت ہے اس لیے کہ حضرت عمر نے حضرت عباس کے لیے انکساری کی اور ان کے حق اور مقام کو جانا۔

ایک وہم اور اس کا ازالہ

التوسل (ص ۶۸) میں شیخ البانی کا روح فرسا قول ہے کہ

"اگر یہ روایت صحیح ہے تو یہ اس سبب پر دلالت کرے گی جس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ہی وسیلہ پکڑا اور حاضرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی اور کا انتخاب نہیں کیا اور یہ توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترک اور توسل بالعباس کے جواز پر دلیل ہے اگر ان کے نزدیک توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم جائز ہوتا تو ایسا ہرگز نہ کرتے اور کبھی ایسا ہو بھی نہیں سکتا، کیونکہ ضروری اور بدیہی طور پر ہم جان سکتے ہیں (جیسا کہ بعض کا موقف ہے) کہ اگر ایک قوم کو شدید قحط نے آلیا

اور وہ کسی کے ساتھ توسل کا ارادہ کریں تو یہ ممکن نہیں کہ وہ ایسے شخص سے عدول کریں جس کی دعا اجابت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے زیادہ قریب ہو۔ غرض اگر کسی انسان پر کوئی گراں بار مصیبت آپہنچے اور اس کے سامنے ایک نبی اور ایک غیر نبی ہو اور وہ ان میں سے کسی ایک سے دعا طلب کرنے کا ارادہ کرے تو یقیناً وہ نبی سے ہی طلب کرے گا اگر اس نے نبی کو چھوڑ کر غیر نبی سے دعا کا مطالبہ کیا تو وہ ایک جاہل اور گنہگار شمار ہوگا تو پھر یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مع کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم کے توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراض کر کے توسل بالغیر کا سہارا لیا؟"

ہماری گزارش یہ ہے کہ یہ روایت "ما تخذن وادسیلة الی اللہ" مقبولة الاسناد (اس کی سند مقبول ہے، انشاء اللہ اس پر مفصل کلام اپنے مقام پر آئے گا۔

اس کے درج ذیل قول کے بارے میں

(وهی انما تدل علی السبب الذی من أجله توسل بالعباس دون غیره من الصحابة) یہ اس سبب پر دلالت کرتی ہے جس کی بناء پر عمر نے عباس کا ہی وسیلہ پکڑا (رضی اللہ عنہما) اور حاضرین میں سے کسی اور صحابی کا وسیلہ نہیں پکڑا۔

عرض ہے کہ یہ ہمارا مطلوب تو ان کو بھی تسلیم ہے۔ لہٰذا یہاں کلام کو موقوف کرنا ہی صحیح رہے گا ورنہ ۔۔۔۔۔

اعلیٰ کے ہوتے ہوئے ادنیٰ کے ساتھ اور مفضول کے ہوتے ہوئے فاضل کے ساتھ توسل کی بے شمار مثالیں صحابہ سے ملتی ہیں جو اپنے اپنے مقام پر معلوم ہیں۔ اب ربان کا یہ دلسوز کلام:

ولو طلبه من غير النبي صلى الله عليه وسلم وترك النبي لعد من الآثمين الجاهلين.	اگر اس نے غیر نبی سے دعا کا مطالبہ کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ترک کیا تو اس کا شمار جاہلوں اور گنہگاروں میں ہوگا۔

تو ہم اس کے بارے میں صحیح جائزہ لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ :

یہ سب کچھ محض پریشان کرنے، گڑبڑ کرنے اور اوہام باطلہ میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ آج تک کسی نے اس طرح کی کوئی بات نہیں کی اور نہ ہی اس پر کوئی دلیل ہے۔ بس اس کی غرض یہ ہے کہ انھوں نے توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ترک کیا، حالانکہ ترک فقط جواز پر دلالت کرتا ہے اور ان کے ترک کو اگر تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس کے کئی احتمالات ہوسکتے ہیں اور خاموشی اختیار کرنے والے کی طرف کوئی بات منسوب کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ اگر صدق دل سے غور و فکر کیا جائے تو یہی کافی ہے ورنہ بھینس کے آگے بین بجانا بے کار ہے۔

۴۔ ابن تیمیہ کا ایک استدلال یہ بھی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عرض کرنا "اللّٰهم انا كنا اذا أجدبنا نتوسل اليك بنبينا فتسقينا وانا نتوسل اليك بعم نبينا" اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کے نزدیک آپ کی دعا اور شفاعت کے ساتھ ہی توسل جائز ہے نہ کہ آپ کی ذات کے ساتھ سوال کرنا۔

ہم کہتے ہیں کہ اس کا یہ قول صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی سمجھ کے خلاف ہے، اور یقیناً یہی لوگ سب سے زیادہ سمجھدار اور معرفت والے ہیں تو اس طرح ان کے فہم کی تردید ہوسکتی ہے بلکہ انہوں نے توسل بالعباس کو

سہارا لیا حالانکہ وہ سب خالص عربی ہیں کوئی عجمی ان میں شامل نہیں تو پھر یقیناً ان کی اور مخالف (ابن تیمیہ) کی فہم میں اتنا بین فرق ہے جتنا سیاہ اور سفید میں۔ لہٰذا صحابہ کا قول ہی معتبر ہے اور حق ہمیشہ ان کے ساتھ ہے اور جو عقلمند بھی انصاف کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ صحابہ کا موقف ہی اختیار کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے توسل بالعباس سے توسل بذات العباس سمجھا نہ کہ آپ کی دعا کے ساتھ توسل، ان میں سے شاعر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مبارک کلام ذیل میں ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔

سأل الإمام وقد تتابع جدبنا	فسقى الغمام بغرة العباس
عم النبي وصنو والده الذي	ورث النبي بذاك دون الناس
أحيا الإله به البلاد فأصبحت	مخضرة الأجناب بعد اليأس

ہماری قحط سالی طول پکڑتی گئی یہاں تک کہ لوگوں نے عباس (رضی اللہ عنہ) کی عظمت کے ساتھ سوال کیا تو بادل برسنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محترم چچا اور آپ کے والد گرامی کے وہ بھائی ہیں جو سارے لوگوں سے ممتاز ہیں، اس لیے کہ انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس امر میں وارث بننے کا شرف حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ بستیوں کو وہ حیات نو بخشی کہ مایوسی کے بعد پھر تمام اطراف سرسبز و شاداب نظر آنے لگے۔"

ایک اور صحابی حضرت عباس بن عتبہ رضی اللہ عنہ کا کلام بھی ملاحظہ ہو۔

بعمي سقى الله الحجاز وأهله	عشية يستسقي بشيبته عمر
توجه بالعباس في الجدب راغباً	إليه فما رام حتى أتى المطر

وعندنا رسول اللہ فینا تُراثُہ — فھل فوق ھذا للمفاخر مُفتخر

"میرے چچا (عباس) کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے حجاز مقدس اور اہلِ حجاز کو اس رات ہی سیراب کر دیا جب عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی بزرگی کے ساتھ بارش مانگی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ قحط سالی میں عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں متوجہ ہوئے جس کو شرف یہ ملا کہ بارش نازل ہوئی۔

اللہ جل جلالہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے ہیں اور ہم میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ہے۔ کیا کسی فخر کرنے والے کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی قابل فخر چیز ہو سکتی ہے؟"

مذکورہ اشعار سے نہایت صراحت کے ساتھ یہ مسئلہ پایۂ ثبوت کو پہنچا کہ یہاں توسل حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہی ساتھ ہے۔ اب جس نے بھی یہاں الفاظ کو اس ظاہری مفہوم سے پھیرنے کا قصد کیا یقیناً اس نے ان دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما پر جھوٹ باندھا اور اپنے نفس کی پیروی کا ارتکاب کیا۔

۵۔ بعض لوگوں نے یہ دلسوز دلیل بھی پیش کی کہ

یہ کلام اپنے ظاہر پر نہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول میں مضاف محذوف کا مقدر ہونا ضروری ہے۔ یعنی "وإنا نتوسل إليك بعم نبينا" سے مراد "بدعاء عم نبينا" ہے۔

ان لوگوں کا یہ معاندانہ قول کوئی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ اس میں نص کو اپنے ظاہر سے پھیرنا لازم آتا ہے اور ان کے پاس محض ایک خیالی شبہ کے اور کوئی دلیل بھی نہیں کہ جس پر کوئی غور کیا جا سکے۔

لہٰذا نص کو اپنے ظاہر پر ہی قائم رکھنا واجب ہو گا کیونکہ حذف خلاف اصل ہے اور اصل پر عمل کرنا واجب ہے۔ مخالف کا یہ کہنا کہ "المراد ھو بدعاء عم نبیك" واضح غلطی ہے کیونکہ ارادے کا محل دل ہے۔ اور ظاہر کے خلاف ہر ارادے کی تعیین باطل ہے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرح لوگوں پر دین کو مشتبہ کیا ہو کہ ان کا ظاہر کلام ان کے ارادے کے خلاف ہو۔

۶۔ یہ مختصر مذکورہ کلام تو فقط ایک شبہ کے رد میں تھا ورنہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وسیلہ پکڑا جو حضرت ابن عمر، بلال بن حارث المزنی[1] اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے جس کا مفصل بیان ان شاء اللہ اپنے مقام پر آئے گا اور توسل

۱؎ حضرت بلال بن حارث مزنی کا واقعہ جو فتح الباری (۲/۴۹۵) میں بطور تعلیق مذکور ہے یعنی روایت معلق[2] ہے مخالف نے اس پر نہایت تکلف

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

۲؎ المعلق: "ما حذف من مبدأ إسنادہ واحد فأكثر على التوالي" معلق وہ روایت ہے جس کی ابتدائے سند سے ایک یا ایک سے زیادہ مسلسل راوی حذف کر دیئے جائیں۔ مثلاً امام بخاری نے صحیح میں باب ما یذکر فی الفخذ کے مقدمہ میں یہ حدیث نقل کی: "وقال ابو موسیٰ غطی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رکبتیہ حین دخل عثمان" ابو موسیٰ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک زانوؤں کو ڈھانپ لیا جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ داخل ہوئے۔ یہ حدیث معلق ہے کیونکہ امام بخاری نے ایک صحابی کے علاوہ اس کی تمام سند کو حذف کر دیا اور وہ ایک صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں (تیسیر مصطلح الحدیث: ۶۹)

بالعباس رضی اللہ عنہ کی تصریح میں اشعار گزر چکے ہیں۔
کسی بھی صاحب نقل سے یہ بات مخفی نہیں کہ ایک متوسل اور وسیلہ

کے ساتھ طرح طرح کے اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی اور کہہ دیا کہ یہ ایک اثر ہے اگر بقول شارح اس کا صحیح ہونا فرض بھی کر لیا جائے تو یہ بعد از وصال استسقاء بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواز پر حجت ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا، جس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ یہاں سائل مجہول ہے یعنی معلوم نہیں کہ سوال کرنے والا کون ہے؟

۲۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل اس کے خلاف ہے، حالانکہ وہ شریعت کے تقاضوں کو سب سے زیادہ جانتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور پر بارش وغیرہ مانگنے کے لیے نہیں آیا، بلکہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ نے بھی اس سے عدول کیا اور قحط کی شدت میں حضرت عباس کے توسل سے بارش مانگی جس پر کسی صحابی نے انکار نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ حق یہی ہے۔

۳۔ بے شک اس شخص کا جو فعل ہے وہ منکر اور شرک کی طرف وسیلہ ہے بلکہ بعض اہل علم نے اس کو شرک کی اقسام میں ذکر کیا ہے۔ پھر سیف کی مذکورہ روایت میں سائل کا نام "بلال بن حارث" بتایا گیا ہے، جس کی صحت میں نظر ہے، حالانکہ شارح نے بھی یہاں سیف کی سند کو ذکر نہیں کیا۔

۴۔ فرض کریں یہ روایت اس سے صحیح ہے لیکن پھر بھی اس مسئلے میں حجت

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

پکارنے والا کسی مردہ یا زندہ سے قطعی طور پر کچھ نہیں مانگتا اور یقیناً اللہ تعالیٰ سے ہی مانگتا ہے۔ لیکن اس میت یا زندہ کی بزرگی یا اس کے نیک عمل وغیرہ کے

نہیں بن سکتی، کیونکہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل اس کے خلاف ہے، حالانکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی شریعت کو دوسروں سے زیادہ جانتے ہیں۔

یہ ہے ان اعتراضات کی تفصیل جو حضرت بلال بن حارث کے اثر (حدیث) پر وارد ہوئے۔ اب ہم ان معاندانہ اعتراضات کی لغویت کا احساس دلانے کی کماحقہ کوشش کرتے ہیں اور عرض گذاشت مذکورہ ترتیب کے عین مطابق ہوگی۔

۱۔ پہلا اعتراض کہ سائل مجہول ہے، یہ دراصل شیخ البانی کے کلام سے مفہوم ہے جو التوسل کے صفحہ (۱۳۲) پر درج ہے۔

هب أن القصة صحيحة فلا حجة فيها لأن مدارها على رجل لم يسم وتسميته بلالاً في رواية سيف لا يساوي شيئاً لأن سيفاً متفق على ضعفه

فرض کریں کہ یہ قصہ صحیح ہے تو پھر بھی اس میں حجت (دلیل) نہیں کیونکہ اس کا دارومدار ایک غیر معین شخص پر ہے۔ روایت سیف میں بلال کا نام آنا بھی ناکافی ہے کیونکہ سیف کے ضعف پر اتفاق ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے عرض گذار ہیں کہ قبر انور شریف پر آنے والا چاہے صحابی ہو یا تابعی، اس سے کلام نہیں، حجت ہے تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اقرار میں ہے، جس کا بیّن ثبوت آپ کا مبارک عمل ہے کہ آپ نے اس فعل سے منع نہیں کیا بلکہ خود رو رو کر عرض کرنے لگے۔

يا رب ما آلوا إلا ما عجزت عنه.

اے اللہ! میں اپنی کوشش میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کروں گا مگر وہ امر

بقیہ اگلے صفحہ پر

ساتھ بارگاہِ ایزدی میں تقرب حاصل کرتا ہے تو کیا ایسے امور میں میت۔۔۔

جس سے میں عاجز ہوں۔

ii ۔ رہی دوسری بات کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اس کے خلاف ہے۔"

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس کا حکم صرف ترک کا ہے اور ترک جواز کا فائدہ دیتا ہے۔ علاوہ ازیں اس آنے والے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اقرار ایک ایسی دلیل ہے جس کے بعد ہر کریم النفس محقق کی تحقیق اس نکتے پر مرکوز ہو جاتی ہے کہ قطعی طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل مبارک اس کے خلاف نہیں۔ جس کی مثال "فتح الکوی" میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اثر (حدیث) سے بھی ملتی ہے اور یہ دونوں حدیثیں اس مسئلے میں نص کی حیثیت رکھتی ہیں۔

iii ۔ تیسرے اعتراض کے بارے میں جو کہ "اس آدمی کا فعل منکر اور شرک کی طرف وسیلہ ہے۔ بلکہ بعض اہل علم نے شرک کی اقسام سے شمار کیا۔"

ہم کہتے ہیں کہ یہ ایک دانستہ خطا ہے اس لیے کہ حدیث کی صحت کو تسلیم کر لینے کے بعد کیا یہ گمان ہو سکتا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص کو شرک پر پختہ کیا؟ مخالف کی یہاں کیا رائے ہو گی؟ العیاذ باللہ اللہ تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائے۔ آمین۔

پھر ایک محقق آدمی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بصد تعجب ان سے دریافت کرے کہ کیا ہم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے دین کی تعلیم حاصل کرتے ہیں؟ یا ان کے اعمال میں محض اس لیے غور و فکر کرتے ہیں کہ غیر مسلّم قواعد کے سہارے اپنی طبیعت کے مطابق ان پر حکم لگاتے رہیں؟ (تعلیقات

بقیہ اگلے صفحہ پر

کی عبادت وغیرہ کا تصور ہو سکتا ہے؟ العیاذ باللہ نقل کفر کفر نباشد۔

میں مشغول ہونے کا یہی تقاضا ہے؟

حدیث اہل علم کا یہی وطیرہ رہا ہے اور ہے کہ جو امر آثار صحیحہ اور عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہو اس کو چھوڑ دیتے ہیں اور یہ قطعی التسلیم ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مرقد انور شریف پر حاضری دینا اور مطالب ہونا شرک نہیں جیسا کہ بعض تشدد پسند لوگوں کا شیوہ ہے اور ابن تیمیہ نے بھی ایسے واقعات کا اعتراف کیا ہے۔ جن کو آپ "اقتضاء الصراط المستقیم" کے صفحہ (۳۷۳) پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

تو گویا ابن تیمیہ نے نہایت سنجیدگی سے شرک کی داغ بیل ڈالی ہے یا علق کی بات کا حق ادا نہیں کیا یا معاملہ کیا ہے؟

ہم بدحواسی، تناقض اور بدعت و شرک کی مرض سے اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

iv ۔ رہی یہ آخری بات کہ حدیث کو اگر صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس میں حجت نہیں کیونکہ کبار صحابہ کا عمل اس کے خلاف ہے حالانکہ وہ دوسرے لوگوں سے آپ کی شریعت کو زیادہ جاننے والے ہیں"

اس کے بارے میں پہلے بھی ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں اور مخالف کے ذہن کو بجانب حق گامزن کرنے کی مکمل کوشش کی ہے لیکن پھر بھی ہم تاکیداً ذکر کئے دیتے ہیں کہ حجت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول اور اقرار میں ہے اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ صغار (چھوٹے) صحابہ کی مخالفت ہوتے ہوئے کبار صحابہ کا عمل حجت نہیں ہوتا جیسا کہ علم "اصول حدیث" میں مقرر

بقیہ اگلے صفحہ پر

۳. تیسرے اور آخری اعتراض کی تفصیل درج ذیل ہے۔

امام المحدثین محمد بن اسماعیل بخاری نے صحیح بخاری میں نقل کیا۔ (الفتح ۲/۴۹۴) ہم سے عمرو بن علی نے بیان کیا، ہم سے ابو قتیبہ نے بیان کیا، ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار نے اپنے والد گرامی سے یوں بیان کیا کہ میں نے ابن عمر کو ابو طالب کے شعر کی مثال دیتے ہوئے سنا۔

وابیض یستسقی الغمام بوجهه   ثمال الیتامی عصمة للارامل

"دلکش سفید رنگ والے جن کے نورانی چہرہ مبارک کی طفیل بارش سے سیراب کیا جاتا ہے۔ وہ مقدس ہستی یتیموں کی ملجا و ماویٰ اور بیوگان کی عصمت کی محافظ ہے۔"

اور عمر بن حمزہ نے کہا: کہ ہم سے سالم نے اپنے باپ سے بیان فرمایا کہ بسا اوقات میں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ والضحیٰ پر اپنی ترستی نگاہوں کی ٹکٹکی لگا کر شاعر کا قول ذکر کیا تو اس قدر موسلا دھار بارش برستی یہاں تک کہ ہر پرنالہ خوب جوش میں بہنا شروع ہو جاتا۔ (وہ شعر یہ ہے)

وابیض یستسقی الغمام بوجهه   ثمال الیتامی عصمة للارامل

اور یہ حضرت ابو طالب کا قول ہے۔ جس میں محل استدلال ان کا قول "یستسقی الغمام بوجهه" ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ابو طالب کے قول کی مثال دی اور

(بقیہ حاشیہ ص۵۱)

ہے۔ یہاں کلام تو مزید بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر طوالت کا خوف لاحق نہ ہو تو ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا حق ادا کر دیں۔

اس کا تذکرہ اس حال میں کیا کہ نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تھی اور یہ استسقاء بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دلالت ہے "یہ نص غیر کا احتمال نہیں رکھتی۔"

شیخ بشیر السہسوانی

"یہ نص غیر کا احتمال نہیں رکھتی" اور شیخ بشیر السہسوانی نے اس صریح نص سے کیے گئے استدلال کا جواب دیتے ہوئے کہا (ص ۲۷۴)

"اگر تم یہ کہو کہ "یستسقی الغمام بوجهه" کے الفاظ اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ فضیلت والی ذوات کے ساتھ توسل جائز ہے۔ تو میں کہتا ہوں یہ ایسا توسل مکروہ ہے جس میں یوں کہا جائے کہ "میں تجھ سے فلاں کے حق یا حرمت کے ساتھ سوال کرتا ہوں"۔ ہاں اگر نیک لوگ بارش مانگنے کے مقام پر موجود ہوں اور ان سے دعا طلب کی جائے تو یہ مکروہ نہیں اور نہ ہی مکروہ سے کوئی شائبہ؟ بلکہ یہ سنت صحیحہ سے ثابت ہے۔"

اور دوسرے مقام پر یہ کہا (ص ۲۷۴)

"جب صحابہ، تابعین، تبع التابعین اور ضعفا کی موجودگی نصرت و رزق کا سبب بن سکتی ہے تو پھر اولاد آدم کے سردار حضور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے۔؟"

پھر اس نے صفحہ ۲۷۵ پر کہا کہ "ابو طالب کے قول "یستسقی بوجهه" میں "بوجهه" سے مراد "ببرکة حضور ذاته أو بدعائه" ہے یعنی آپ کی بابرکت ذات کی موجودگی یا آپ کی دعا کے ساتھ سیراب کیا جاتا ہے۔"

ہم اللہ تعالیٰ کی کامل توفیق سے کہتے ہیں کہ شیخ السہسوانی کا اس توسل کو تبرک بالذات یا دعا کی طرف پھیرنا مقام غور ہے۔ جہاں تک دعا

کا تعلق ہے تو وہ مخفی نہیں لیکن "یستسقی بوجھہ" سے حضور ذات کی برکت مراد لینا خوب لطیف ہے۔ ہاں ممکن ہے کہ تبرک اور توسل ان کے نزدیک دونوں باہم معنی ہوں تو پھر صحیح ہے۔

علامہ بدرالدین عینی

علامہ بدرالدین عینی نے "عمدۃ القاری" ج۳ میں اس کی تصریح یوں کی:

حضرت ابوطالب کے قول کا معنی دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کی بارگاہ میں ان کے پیارے نبی حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وسیلہ پیش کرنا کیونکہ آپ عبدالمطلب کے استسقاء کے وقت حاضر تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ تھے تو لوگوں کا اس وقت بارش مانگنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس چہرۂ انور کی برکت کے طفیل تھا۔

اور کیوں نہ ایسا ہو جبکہ "یستسقی الغمام بوجھہ" کے الفاظ میں توسل ہیں اور ضروری ہے کہ نص کو اپنے ظاہر پر رہنے دیا جائے کیونکہ دلیل کے بغیر تاویل نہیں ہو سکتی اور یہاں کوئی دلیل موجود نہیں۔

علامہ محمد بن علی الشوکانی

علامہ محمد بن علی الشوکانی نے انبیاء اور صالحین کے ساتھ توسل کے جواز پر کلام کرتے ہوئے مخالفین کا رد ہی نہیں بلکہ ان کے اعتراضات کی خوب بیخ کنی کی اور علامہ موصوف علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب "الدر النضید فی اخلاص کلمۃ التوحید" میں کہا: کہ

"اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی مخلوق کے کسی فرد کے وسیلہ پیش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنے رب سے اُسے طلب کرتا ہے اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے کہا: کہ

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ کسی کا وسیلہ پیش کرنا جائز نہیں۔ اگر اس بارے میں حدیث صحیح ہو تو۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس نے اسی حدیث کی طرف اشارہ کیا ہو جس کو امام نسائی نے اپنی "سنن" میں نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس کو نقل کر کے اس کو "صحیح" بھی کہا اور ابن ماجہ وغیرہ نے بھی اس کی تخریج کی کہ ایک نابینا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا ......" اس نے کہا کہ اس میں دو قول ہیں۔

۱۔ ایک تو وہ توسل ہے جس کا ذکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ

"کنا اذا اجدبنا نتوسل بنبیک الیک فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا" جو صحیح بخاری وغیرہ میں ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ لوگ حیات طیبہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وسیلہ پیش کیا کرتے تھے اور بارش مانگتے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد آپ کے چچا حضرت عباس کا وسیلہ پکڑا گیا اور ان کا توسل بارش مانگنا ہی تھا یعنی وہ دعا فرماتے اور لوگ ان کے ساتھ دعا میں شریک ہوتے تو یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کا وسیلہ ہو گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں ان کے لیے شافع (سفارش کرنے والے) اور داعی (دعا کرنے والے) کی حیثیت سے ہوتے تھے۔

۲۔ توسل کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک حیات میں بعد از وصال پاک، موجودگی اور عدم موجودگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وسیلہ پیش کرنا اور یہ مخفی نہیں رہا کہ حیات مبارکہ میں توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور بعد از وصال توسل بالغیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سکوتی سے ثابت ہے۔ اس لیے کہ ان میں سے کسی فرد نے بھی امیر المومنین

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اعتراض یا انکار نہیں کیا جب آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ پیش کیا۔

یہ بھی شیخ عزالدین کی تقریر جس پر علامہ شوکانی کی تفریع درج ذیل ہے کہ میرے نزدیک ایسی کوئی وجہ نہیں

جس کی بنا پر جواز توسل کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص رکھا جائے۔ جیسا کہ عزالدین بن عبدالسلام کا گمان ہے اور وہ تخصیص نہ ہونے کی دو وجوہ ہیں۔

۱۔ ہم نے تمہارا یہ موقف اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے نہیں سمجھا یعنی یہ موقف اجماع صحابہ سے ثابت نہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صاحب فضل اور اہل علم کے ساتھ توسل کی تحقیق یہ ہے کہ ان کے اعمالِ صالحہ اور خصالِ حمیدہ کے ساتھ وسیلہ پکڑنا کیونکہ فضیلت اعمال سے ہی حاصل ہوتی ہے لہٰذا جب کوئی قائل یوں کہے:

اللھم انی أتوسل الیک بالعالم الفلانی فھو باعتبار ما قام بہ من العلم۔ "اے اللہ میں تیری بارگاہ میں فلاں عالم کا وسیلہ پیش کرتا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس علم کا وسیلہ جو اس فرد کے پاس ہے۔"

اور صحیحین وغیرہما میں ثابت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تین اشخاص کا ذکر فرمایا جن پر پتھر کی ایک بھاری چٹان نے راستہ بند کر دیا تھا کہ ان میں سے ہر ایک نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے

ل نتیجہ یہی ہے کہ توسل کا قول درست ہے اور مخالف جس امر سے منع کرنے کے درپے ہے۔ اس کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں۔

باقی اگلے صفحہ پر

اعمال میں سے سب سے زیادہ خلوص والے عمل کا وسیلہ پیش کیا تو چٹان ڈھلک گئی اور راستہ صاف ہو گیا۔

اگر اعمال صالحہ کے ساتھ توسل جائز نہ ہوتا یا شرک ہوتا جیسا کہ اس مسئلہ میں تشدد پسند لوگوں کا گمان ہے جیسے ابن عبدالسلام۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

ل الشیخ عزالدین بن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ متشدد نہیں تھے۔ لیکن علامہ شوکانی کا بھی عذر معقول ہے کہ انہوں نے یہ کلام بالواسطہ نقل کیا جیسا کہ فضیلۃ الشیخ علامہ السید عبداللہ بن الصدیق الغماری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے (الرد المحکم المتین صفحہ ۵۵) میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: کہ یہ ابن عبدالسلام سے نقل کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔ کیونکہ ان کا فتویٰ مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھانے کے بارے میں ہے نہ کہ کسی کے عزت و مرتبے کے ساتھ سوال کرنے کے بارے میں۔ اور ہم ان کا کلام بعینہ یہاں نقل کئے دیتے ہیں تاکہ مراد واضح ہو جائے اور ان کا یہ قول "فتاویٰ موصلیہ" سے ماخوذ ہے۔

جہاں تک مسئلہ دعا کا تعلق ہے تو وہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی آدمی کو دعا سکھائی جس کے شروع میں یہ کہا:

قل اللھم انی أقسم علیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ "تم یوں کہو کہ اے اللہ میں تجھ پر تیرے رحمت والے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قسم اٹھاتا ہوں۔"

اگر یہ حدیث صحیح ہے تو مناسب یہ ہے کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی خاص سمجھا جائے کیونکہ آپ اولاد آدم کے سردار ہیں۔ کسی اور نبی،

باقی اگلے صفحہ پر

ان کے واقعہ کو بیان کرنے کے بعد ان کے اس فعل کی تردید کرنے میں ذرا بھی تامل نہ فرماتے یا اس واقعہ کا انکار فرما دیتے، حالانکہ آپ کے غلاموں میں سے بھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ ان کی دعا قبول نہیں ہوئی تو اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء اور اولیاء کے ساتھ توسل سے منع کرنے والے جو اعتراضات پیش کرتے ہیں وہ دراصل وارد نہیں ہوتے بلکہ وہ محل نزاع پر ایک ایسا استدلال

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۵

فرشتے یا ولی کے ساتھ اللہ پر قسم نہ اٹھائی جائے کیونکہ ان کا یہ مقام نہیں ہے اور یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارفع و اعلیٰ درجے پر فائز ہونے کی وجہ سے آپ ہی کا خاصہ ہے"

پھر السید عبد اللہ بن الصدیق الغماری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کہ یہ عز الدین کا کلام حرف بحرف ہم نے فتاویٰ موصلیہ سے نقل کیا ہے اور علامہ السبکی، امام قسطلانی وغیرہما نے بھی اسی طرح نقل کیا اور اس کے ساتھ استدلال اسی مسئلے پر کیا کہ اس کی مراد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھانا آپ کی خصوصیات سے ہے اور یہ ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ ہمارا موضوع کسی کے جاہ و عزت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا ہے نہ کہ اس پر قسم اٹھانا ان دونوں مسئلوں میں بہت زیادہ فرق ہے جو مخفی نہیں۔ ابن تیمیہ پر بھی یہ حقیقت مشتبہ ہو گئی اور یہ دونوں مسئلے اس پر باہم متداخل ہو گئے۔ کمال اللہ ہی حاصل ہے۔

"بحوالہ الرد المحکم المتین صفحہ ۵۴، ۵۵ اور اسی کتاب کا حاشیہ ص ۲۲۲"

ہے جس کو اصل مسئلہ سے دور کا بھی علاقہ نہیں، مثلاً قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات طیبات۔

۱۔ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ (الزمر ۳) — ہم تو صرف انہیں اتنی بات کیلئے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے پاس نزدیک کر دیں۔

۲۔ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا (جن ۱۸) — تو اللہ کے ساتھ کسی کی بندگی نہ کرو۔

۳۔ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ (الرعد ۱۴) — اسی کا پکارنا سچا ہے اور اس کے سوا جن کو پکارتے ہیں وہ ان کی کچھ بھی نہیں سنتے۔

ان مشرکین کا یہ کہنا "مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔" اس امر کی وضاحت کر رہا ہے کہ وہ ان بتوں کی عبادت کرتے تھے اور کسی عالم کا وسیلہ پکڑنے والا لامحالہ اس کی عبادت نہیں کرتا بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس کے علم کی وجہ سے اس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مرتبہ و مقام حاصل ہے اور اسی کے سبب اس کا وسیلہ پکڑتا ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان "فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا" اس سے روکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی غیر کو نہ پکارو گویا کہ یوں نہ کہو "یا اللہ و یا فلاں" اور کسی عالم کا وسیلہ پکڑنے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں پکارتا اور محض اس کی بارگاہ میں اسی کے کسی بندے کے نیک عمل کو بطور وسیلہ پیش کرتا ہے۔ جیسا کہ ان تین آدمیوں نے اپنے اپنے نیک اعمال کا وسیلہ پیش کیا جن پر ایک بھاری چٹان نے غار کا منہ بند کر دیا تھا اور اسی طرح ہی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان "وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ" وضاحت کرتا ہے

کہ وہ لوگ ان بتوں کو پکارتے ہیں جو ان کی دعائیں ہی نہیں سکتے اور اس
رب کو نہیں پکارتے جو دعا سنتا اور قبول کرتا ہے۔

پس عالم کا وسیلہ پیش کرنے والا شخص اللہ تعالیٰ سے ہی دعا کرتا ہے۔ بس
کے علاوہ نہ کسی سے دعا کرتا ہے اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی اور سے دعا
کرتا ہے۔

جب یہ مفہوم آپ کے ذہن نشین ہو گیا تو اب توسل سے روکنے
والوں کے اعتراضات کی تردید آپ پہ مخفی نہیں رہی، کیونکہ وہ ایسے دلائل
ہیں جو محل نزاع سے بالکل خارج ہیں اور استدلال کرنے والوں کی قباحت و
جہالت پر واضح ترین دلیل ہیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر گزر چکا ہے اسی طرح کا ایک
اور استدلال جو وہ پیش کرتے ہیں، ملاحظہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ	اور تو کیا جانے کیا انصاف کا دن
ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ	پھر تو کیا جانے کیا انصاف کا دن۔
يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ۔	جس دن کوئی جان کسی جان کا کچھ اختیار نہ رکھے گی اور سارا حکم اس دن اللہ کا ہے

(الانفطار/۱۹،۱۸،۱۷)

اس آیہ شریفہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ روز قیامت منفرد
بالامر ہوگا یعنی صرف اسی کا ہی حکم ہوگا اور اس ذات پاک کے علاوہ کسی کا ذرا
بھی حکم نہیں ہوگا اور کسی نبی یا عالم وغیرہ کا وسیلہ پکڑنے والا یہ عقیدہ نہیں
رکھتا کہ یہ روز قیامت کے امر میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے ساتھ شریک ہے

(العیاذ باللہ)

خدانخواستہ اگر کسی کا کسی بھی بندے کے بارے میں یہ عقیدہ ہو جائے تو

نبی ہو یا غیر نبی۔ تو وہ کھلی گمراہی میں ہے۔ اسی طرح منع توسل پہ ایک اور استدلال
[illegible] خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

۱۔ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ	یہ بات تمہارے ہاتھ نہیں (آل عمران)
۲۔ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا۔	تم فرماؤ میں اپنی جان کے بھلے برے کا خود مختار نہیں۔ (الاعراف/۱۸۸)

یہ دونوں آیتیں تصریح کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے
اس امر سے کچھ نہیں اور وہ اپنی ذات کے لیے نفع کے مالک ہیں نہ ضرر کے
تو کسی اور کے لیے وہ کیسے مالک ہو سکتے ہیں حالانکہ ان دونوں آیتوں میں نہ آپ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ توسل منع ہے اور نہ ہی کسی اور نبی، ولی یا عالم
کے ساتھ۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقام محمود
عطا کیا ہے جو شفاعتِ عظمیٰ کا مقام ہے اور مخلوق کو تلقین کی کہ اس مقام
کو آپ کے لیے اللہ تعالیٰ سے مانگتے دعا کریں اور اسی کیلئے ارشاد ہے:۔

سَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ	مانگ تجھے عطا کیا جائے گا اور سفارش کر تیری سفارش قبول کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب حکیم میں یہ قید بیان فرمائی کہ شفاعت نہیں
ہوگی۔ مگر اسی کے حکم سے اور حکم نہیں ہوگا مگر اسے جس کو وہ پسند کرے۔

اسی طرح منع توسل پر ایک اور استدلال ہدیۂ قارئین ہے جب یہ فرمان
الٰہی تعالیٰ نازل ہوا۔

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ	اور اے محبوب اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ (الشعراء/۲۱۴)

تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یوں کہتے تھے ۔

یا فلان بن فلان لا املک لک من اللہ شیئاً۔ — اے فلاں کے بیٹے! میں تیرے لیے اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا بھی مالک نہیں ہوں

اور

یا فلانۃ بنت فلان لا املک لک من اللہ شیئاً۔ — اے فلاں کی بیٹی! میں تیرے لیے اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا بھی مالک نہیں ہوں

اس میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو نفع نہیں دے سکتے جس کو اللہ تعالیٰ نے ضرر دینے کا ارادہ کیا ہو اور اس کو ضرر نہیں دے سکتے جس کو اس نے نفع دینے کا ارادہ کر رکھا ہو اور وہ کسی کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا مالک نہیں چاہے وہ قریبی رشتہ دار ہو یا کوئی اور ...

یہ حقیقت تو ہر مسلمان کو معلوم ہے لیکن اس میں ایسی کوئی دلیل نہیں جس سے یہ کہا جا سکے کہ اللہ جل جلالہ کی بارگاہ میں بطور وسیلہ بھی پیش نہیں کیا جا سکتا اور یقیناً یہ اس سے کچھ طلب کرنا ہے جو امر و نہی کا مالک ہے اور مانگنے والے کا یہ ارادہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی طلب سے پہلے کوئی ایسا وسیلہ پیش کرے جو حقیقی طور پر عطا کرنے والے اور منع کرنے والے (اللہ تعالیٰ وحدہ) کی بارگاہ میں قبولیت کا باعث بنے اور وہی ذات جو عطا و منع میں منفرد ہے وہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ الکریم کی ذات پاک ہے اور وہی روزِ قیامت کا مالک ہے۔

یہاں تک علامہ شوکانی کا کلام من وعن نقل کیا گیا ہے اور اب علامہ آلوسی کا کلام پیشِ خدمت ہے۔

علامہ محمود آلوسی

اللہ تعالیٰ جل شانہ کی بارگاہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ و مقام کے ساتھ وسیلہ پیش کرنے میں ہمیں کوئی حرج معلوم نہیں، چاہے یہ عمل آپ کی حیاتِ مبارکہ میں ہو یا بعد از وصال۔ اور جاہ سے وہ معنی مراد ہے جو صفاتِ باری تعالیٰ میں سے کسی ایک صفت کی طرف راجع ہو مثلاً اس سے مراد وہ محبت تامہ ہے جو آپ کی شفاعت کی ناقابلِ رد قبولیت کا تقاضا کرتی ہے۔ لہٰذا سوال کرنے والے کے اس قول کا معنی یہ ہوگا۔

اللھم انی اتوسل الیک بجاہ نبیک صلی اللہ علیہ وسلم أن تقضی لی حاجتی۔ — اے اللہ میں تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاہ کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتا ہوں کہ تو میرے لیے میری حاجت پوری فرما

معنی: اللھم اجعل محبتک لہ وسیلۃ فی قضاء حاجتی۔ — اے اللہ جو تجھے اپنے محبوب سے محبت ہے اس کو میری حصولِ مراد میں وسیلہ قبول فرما۔

اس سوال اور مندرجہ ذیل سوال میں کوئی فرق نہیں۔

"اللھم انی اتوسل الیک برحمتک أن تفعل کذا" — اے اللہ میں تیری بارگاہ میں تیری ہی رحمت کا وسیلہ پیش کرتا ہوں کہ تو یہ کام کر دے

معنی: اللھم اجعل رحمتک وسیلۃ فی فعل کذا — اے اللہ میرے اس کام میں اپنی رحمت کا وسیلہ قبول فرما۔

(بحوالہ "جلاء العینین" صفحہ ۵۷۲)

توسل کا تعلق اعتقادیات سے نہیں

توسل فروعی مسائل کا ایک موضوع ہے کیونکہ اس کی حقیقت وسیلہ پکڑنا یعنی اللہ تعالے کی جناب میں قربت حاصل کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا ارشاد ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا — اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو
اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ — اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

(المائدہ ۳۵)

توسل کی کئی قسمیں ہیں اور اس کا حکم جواز، مستحب اور حرمت پر مختلف صورتوں میں مشتمل ہوتا ہے۔ اس کے حکم کا تعین احکام شرعیہ سے متعلق ہے۔ جس کا موضوع علم فقہ ہے اور فقہ کے موضوعات کو توحید اور عقائد میں داخل کر دینا بلاشبہ غلطی ہے۔ اتنی احتیاط بہرصورت ضروری ہوتا ہے کہ ہر بحث اپنے مقام پر قائم رہے۔

امام المسلمین حضرت سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کا اپنی دعا میں یوں کہنا مکروہ ہے:۔

اسئلك بمعقد العز من عرشك — میں تجھ سے تیرے عرش معقد العز کے ساتھ سوال کرتا ہوں۔

(امام محمد کی الجامع الصغیر صفحہ ۳۹۵ مع النافع الکبیر)

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس قول کو "یکرہ" سے تعبیر کیا تو اب امر یہاں مشترک ہے کہ آیا کراہت تنزیہہ ہے یا تحریمہ، جیسا کہ اصحاب

نے اپنی اپنی فقہی تصنیفات میں "کتاب الکراھیة والحظر والاباحة" کے تحت یہ اصول مقرر کیا ہے۔

ائمہ فقہا استسقاء کے باب میں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کے وقت توسل کا ذکر کرتے ہیں۔

بہرحال توسل کی بحث کو عقائد میں داخل کرنا اور اس کو شرک کے وسائل میں سے ایک وسیلہ بنانا بدعت ہے کئی مسلمان اسی کا شکار ہوئے اور ایک عجیب مسالک نے جنم لیا جس کی بنا پر آپس میں عداوت کی آگ بھڑکنے لگی اور بھائی بھائی اور باپ بیٹے کے درمیان اختلافات رونما ہوئے۔

جو شخص بھی دیانت داری سے ان کتب و رسائل کا گہری نظر سے مطالعہ کرتا ہے جن کو بعض معاصرین نے تصنیف کیا ہے۔ مثلاً منهج أهل السنة والجماعة ، أصول اهل السنة، "عقيدة الفرقة الناجية"، "العقيدة الصحيحة. مجمل أصول اهل السنة والجماعة" اور خصائص اور معجزات کا مطالعہ کرنے والا یقیناً خوف اور جہالت کو یکجا دیکھے گا اور تشدد کی کئی اقسام سے واقف ہوگا اور جلد ہی اس پر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی واضح ہو جائے گا۔

صاحب عقل و دانش پر ضروری کہ ایسے لوگوں کا انکشاف کیا جائے اور ان جہلاء کے خطرات سے آگاہ کیا جائے اور ساتھ ساتھ ان کی بھی بیخ کنی کی جائے جو ان لوگوں کے پروگرام یعنی اختلاف بین المسلمین کو آگے بڑھانے کے بے اجرت پر جفاکش مزدوروں کی طرح سرگرم ہیں۔

بے شک کسی آدمی کا دونوں میں کسی ایک رائے کو اخذ کر لینا تعجب

نہیں، لیکن انتہائے تعجب تو یہ ہے کہ جو کسی ایک رائے کی پیروی کرتا ہے پھر اسی کو ہی حق سمجھتا ہے اور اسی کی طرف ہی رجوع کرنے کو ضروری قرار دیتا ہے اور دوسرے لوگوں کی رائے کو اختیار کرنے کو ان کے بدعتی ہونے کی دلیل بناتا ہے۔ ایسے لوگوں سے علیحدگی بہر صورت ضروری ہے۔

خدا کے لیے ہمیں بتاؤ کہ ائمہ علماء میں سے کسی عالم نے یہ عجیب مختلف مسلک اختیار کیا ہے؟ حاشا وکلا! ایسے تو کثیر اللہ تعالےٰ کے برگزیدہ بندے بھی ابتداع وغیرہ کے متہم ہو جائیں گے۔ حالانکہ تحقیق کی جائے تو حق بات ان کے ساتھ ہے اور جہالت کا ڈھیر اغیار کے پاس۔ ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا امر حق بات کی طرف لوٹ آئے۔

اس مسئلہ میں تشدد کرنے والے بھائیوں کی خیر خواہی کے لیے ہم پر ضروری ہے کہ ہم بعض نصوص کا ذکر کریں جو حق بات کی تائید کرتی ہیں جس کو ہم نے ذکر کر دیا اور ہماری غرض توسل کے مانعین کے لیے ہی حجت پیش کرنا ہے۔

۱- الشیخ حسین بن غنام الاحسائی[1]

شیخ حسین بن غنام احسائی نے "روضۃ الافکار والافہام لمرتاد حال الامام" میں کہا، استغفار میں ان کا قول ہے۔

---

[1] یہ محمد بن عبدالوہاب کے اصحاب میں سے ہے اور اس کی مذکورہ کتاب طبع ہو چکی ہے۔ دیکھیے (روضۃ الناظرین ۱/۷۸)

اولیاء سے بالتوسل بالصالحین — اولیاء کے ساتھ توسل میں کوئی حرج نہیں۔

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول منصوص شاہد ہے۔ باوجودیکہ ان کا قول ہے کہ مخلوق سے استغاثہ نہیں کیا جائے گا، اور فرق نہایت واضح ہے۔ اس پر مفصل کلام ہمارے موضوع سے متعلق نہیں تو بعض علماء کا اولیاء کے ساتھ توسل کی رخصت دینا اور بعض کا اس کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی خاص رکھنا ایک فقہی مسئلہ ہے اور "اکثر علماء" اس سے منع کرتے ہیں اور اس کی کراہت کے قائل ہیں[1]۔ اگر ہمارے نزدیک جمہور کا قول ہے تو وہ مکروہ ہے۔ لیکن ہم اس کے فاعل پر انکار نہیں کر سکتے اور نہ ہی مسائل اجتہاد میں انکار ہوتا ہے۔

(السہوانی کی کتاب صفحہ ۱۸۲)

---

[1] "اکثر علماء" سے مراد وہی علماء ہیں جو اس کے نزدیک منصوص ہیں اور حق اس کے برعکس ہے کہ جمہور علمائے امت کا فتویٰ اس کے جواز پر ہے اور شیخ مالکی ہیں اور ان کے اہل مذہب کا توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جواز پر اتفاق ہے اور توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کراہت پر علمائے مالکیہ میں سے کسی ایک کا قول بھی منصوص نہیں۔ جیسا کہ اس کی تحقیق ہمارے شیخ علامہ محقق السید عبداللہ بن الصدیق الغماری قدس اللہ سرہ نے "الرد المحکم المتین (۹۰-۹۱)" میں کی ہے۔

۲۔ الشیخ سعد بن محمد بن عتیق النجدی

توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ یہ ہے کہ جو کوئی

یوں کہے "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَتَوَسَّلُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" تو یہ ایک مشہور مسئلہ ہے اور اس میں کلام اہل علم کے نزدیک معروف ہے۔ علماء کے ایک طبقے نے اس سے منع کیا ہے چاہے توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ہو یا کسی غیر کے ساتھ اور ایک طبقے نے فقط توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جائز قرار دیا ہے کہ توسل بالغیر کو نہیں[1] اور ان کا استدلال ترمذی اور نسائی کی وہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض اصحاب کو اس طرح دعا کرنے کی تعلیم دی: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اَتَوَسَّلُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ لِتُقْضٰی لِیْ اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ۔ اس حدیث پاک کے ساتھ انہوں نے حیات طیبہ میں اور بعد از وصال بھی توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواز میں استدلال کیا ہے اور انہوں نے کہا کہ توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مخلوق کا پکارنا اور مخلوق سے استغاثہ کرنا نہیں ہے بلکہ وہ ایک دعا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ و مقام کا وسیلہ پکڑا گیا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ یہ اسی قول کی مانند ہے جس کو نماز کی طرف نکلنے والے کے بارے میں ابن ماجہ نے روایت کیا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْكَ وَبِحَقِّ مَمْشَایَ ھٰذَا، فَاِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ اَشَرًا	اے اللہ بیشک میں تجھ پر حق رکھنے والے سائلین کے حق اور اپنے اس چلنے کی جگہ کے حق سے تجھ سے سوال

[1] شیخ نے یہ ذکر نہیں کیا کہ کس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیاء اور اولیاء کے ساتھ توسل کو جائز قرار دیا ہے۔

وَلَا بَطَرًا وَلَا رِیَاءً وَلَا سُمْعَةً خَرَجْتُ اتِّقَاءَ سَخَطِكَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ اَسْئَلُكَ اَنْ تُنْقِذَنِیْ مِنَ النَّارِ وَاَنْ تَغْفِرَ لِیْ ذُنُوْبِیْ جَمِیْعًا اِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ (رواہ ابن ماجہ)	کرتا ہوں بیشک فخر اور تکبر کیلئے نہیں نکلا بلکہ تیرے غضب کے خوف اور تیری رضا مندی کی تلاش کے لیے نکلا ہوں میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے جہنم سے بچا اور میرے لیے سارے گناہ بخش دے اور یقیناً تیرے سوا کوئی گناہ نہیں بخش سکتا۔"

یہ حاصل ہے۔ اس دلیل کا جس کے ساتھ توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جائز کہنے والے قائلین استدلال کرتے ہیں۔

اور مانعین یعنی توسل سے روکنے والے اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر حدیث صحیح ہے تو اس میں بعد از وصال توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جواز پر دلیل نہیں اور اس کا جواز فقط آپ کی حیات طیبہ میں آپ کی موجودگی میں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے قول کی تصحیح پر یہ دلیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسل سے بارش مانگی اور کہا: "اے اللہ ہم جب قحط سالی کا شکار ہو جایا کرتے تھے تو تیری بارگاہ میں تیرے نبی کا وسیلہ پیش کرتے تھے اور تو ہمیں سیراب کر دیتا تھا اور اب ہم تیرے پیارے نبی کے چچا کا وسیلہ پیش کرتے ہیں تو ہمیں سیراب کر دے" اور انہیں سیراب کر دیا گیا۔

اگر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ توسل وصال شریف کے بعد بھی جائز ہوتا تو امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نظر انداز کر کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ

نہ پیش کرتے، یہی دلیل ہے جو ان علماء نے اس مسئلہ میں ذکر کی[1]

اگرچہ ہم ایسے الفاظ کی روشنی میں توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منع کے قائل ہیں جبکہ ہمارا اعتقاد بھی منع کے صحیح ہونے پر ہے، اس کے باوجود ہم توسل کے قائل کے بارے میں تشدد نہیں کریں گے، چہ جائیکہ ہم اس کی تکفیر کریں کیونکہ اس کا استدلال بھی حدیث سے ہے (صفحہ ۲۰۲/۲)

۲- محمد عبدالوہاب

محمد بن عبدالوہاب سے پوچھا گیا کہ استسقاء کے بارے میں ان کا قول ہے:

(لا بأس بالتوسل بالصالحين) صالحین کے ساتھ توسل میں کوئی حرج نہیں۔

اور امام احمد کا قول ہے: "يتوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم خصوصا" "نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ توسل پکڑتے ہیں" باوجود ان کے اس قول کے کہ "انه لا يستغاث بمخلوق" "مخلوق سے فریاد نہیں کی جائے گی" ان اقوال کے پیش نظر فتویٰ کیا ہے؟ تو انہوں نے جس کلام سے جواب دیا وہ من وعن پیش خدمت ہے۔

---

[1] یہ بحث گزر چکی ہے کہ استدلال کی غرض اور انتہا ترک سے ہے جس کا جواب ہم نے ذکر کر دیا ہے کہ ترک فقط اس کے ترک کے جواز پر دلالت کرتا ہے علاوہ ازیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بعد از وصال بھی وسیلہ پیش کیا جیسا کہ بلال بن حارث، ابن عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہم کے آثار میں موجود ہے اور توسل بالعباس ان کی ذات اور دعا دونوں کے ساتھ توسل ہے جیسا کہ گزر گیا۔

(وهذه المسئلة من مسائل الفقه وإن كان الصواب عندنا قول الجمهور إنه مكروه، فلا ننكر على من فعله ولا إنكار في مسائل الاجتهاد.)

(فتاوی ابن عبدالوہاب ۶۸/۳)

اس مسئلہ کا تعلق فقہ سے ہے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک جمہور کا یہ قول صحیح ہے[1] کہ توسل مکروہ ہے تو پھر بھی ہم اس کے قائل پر انکار نہیں کریں گے کیونکہ اجتہادی مسائل میں انکار نہیں ہوتا۔

۴- الشیخ القنوجی

شیخ قنوجی نے "نزل الابرار" کے باب آداب الدعاء (ص ۳) میں اس کی یوں تصریح کی ہے: "توسل کی دو صورتیں ہیں۔

۱- اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء کا وسیلہ پیش کرنا اور اس پر وہ حدیث شاہد ہے جس کو امام ترمذی نے عثمان بن حنیف سے نقل کیا، یہاں شیخ نے وہ نابینا کے توسل والی حدیث کا ذکر کیا۔

۲- اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صالحین کا وسیلہ پیش کرنا اور اس پر دلیل وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری میں درج ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ

---

[1] بلکہ اس کا الٹ صحیح ہے، جمہور کا فتویٰ جواز اور مستحب پر ہے "الفروع لابن مفلح الحنبلی" (۱/۵۱۰) میں اس کی یہ تصریح ہے۔

"ويجوز التوسل بصالح وقيل يستحب قال أحمد في منسكه الذي كتبه للمروذي إنه يتوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم في دعائه وجزم به في المستوعب وغيره."

"اور برگزیدہ شخص کے ساتھ توسل جائز ہے اور بعض نے مستحب کہا، امام احمد نے "منسک المروزی" میں کہا کہ دعا میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ پیش کرتے تھے اور "المستوعب" وغیرہ میں اس پر جزم (الیقین) کیا گیا۔"

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محترم چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارش طلب کی۔

پھر شیخ اپنے تاثرات کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ:

"انبیاء اور اولیاء کے ساتھ توسل ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں اہل علم کا اختلاف اتنا شدید ہوا کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ انھوں نے ایک دوسرے کی تکفیر کی یا بدعتی اور گمراہ ٹھہرایا۔ حالانکہ مسئلہ اتنا پیچیدہ نہ تھا اور نہ ہی ایسے افراط و تفریط کی ضرورت تھی اور صاحب کتاب "الدین الخالص" نے اور علامہ شوکانی نے "الدر النضید فی اخلاص کلمۃ التوحید" میں اس مسئلے سے متعلق پوری پوری بحث کا حق ادا کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ پیش آنے والے چند واقعات کی روشنی میں ان کے ساتھ توسل جائز ہے اور کچھ روایات کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر توسل کا قصر بھی جائز ہے یعنی توسل صرف آپ کی ذات گرامی کے ساتھ ہی خاص ہے اور نہ ہی اس پر کسی کو قیاس کیا جائے اور نہ ہی کسی چیز کا اضافہ کیا جائے ہمیں اس میں ذرا بھر بھی شک نہیں کہ جو شخص توسل کو اللہ تعالے کے لیے اخلاص نہیں سمجھتا تو اس پر کوئی گناہ اور وبال نہیں اور جو شخص اس کے برعکس توسل کا قائل ہے وہ بھی گنہ گار نہیں بلکہ اس نے ایک جائز فعل کا ارتکاب کیا ہے اور اسی طرح اعمال صالحہ کے ساتھ بھی توسل ثابت ہے۔ جیسا کہ پہلے اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہ مسئلہ اس طرح کے تزلزل اور اضطراب کا محل نہیں ہے لیکن جہالت اور تعصب کے فسادات تکفیر کے فقیر و بے راہ روی کے خطرات شمار سے باہر ہیں۔"

اب کوئی مضائقہ نہیں کہ ایک اچھے قاری کی نظر التفات ان رسائل کی ایک قسم کی طرف مبذول کرائی جائے جو وحشت و ضلالت کے جولانگہی اور مسلمانوں پر جبر و ستم سے لبریز ہیں۔ ان رسائل میں سے ایک رسالے کا نام "وقفات مع کتاب للدعاۃ فقط" ہے جس میں مؤلف نے "للدعاۃ فقط" کے مصنف کو عیب دار بنانے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کیے۔

بطور مثال اس کا ایک مسئلہ پیش خدمت ہے۔ امام حسن البنا رحمۃ اللہ کا قول ہے:

والدعاء إذا قرن بالتوسل إلى الله تعالى بأحد من خلقه خلاف فرعي في كيفية الدعاء وليس من مسائل العقيدة.

(صفحہ ۲۹)

اور دعا جب اللہ تعالی کی بارگاہ میں اس کی مخلوق کے کسی فرد کے توسل کے ساتھ ملائی جاتی ہے تو اس دعا کی کیفیت میں فرعی اختلاف ہے جس کا عقیدے کے مسائل سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ حق ہے جس میں کوئی شک نہیں اور اس کا منکر محسوسات کا منکر ہے اور بدیہی اور ضروری مسائل میں جھگڑا کرنے والا ہے۔ حالانکہ بداہت اور ضرورت محتاج دلیل نہیں ہوتی اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ رسالے کا مؤلف بعض ایسے رسائل پر مطلع ہوا جو وحشت و ضلالت کی کان تھے اور ان میں اختلاف بین المسلمین کی بنیادیں فراہم تھیں۔ یہ ان رسائل کی ورق گردانی میں مشغول ہوا اور اپنی مراد کے موافق فتویٰ دینے والوں کو نمایاں کیا حتیٰ کہ ایک شخص[1] نے اپنے اس غیر سنجیدہ قول سے اس کو خوب افادیت بخشی۔

"التوسل بذوات الصالحين أو حقهم أو جاههم يعتبر أمراً مبتدعاً و وسيلة من وسائل الشرك والخلاف فيه يعتبر خلافاً في مسائل العقيدة لا مسائل الفروع لأن الدعاء فيه اعظم أنواع العبادة ولا يجوز فيه إلا ما ورد في الكتاب والسنة ....." (ص ۲۱-۲۲)

برگزیدہ لوگوں کی ذات یا مقام و مرتبہ کے ساتھ توسل کا اعتبار ایک بدعت ہے اور شرک کے وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے، اور اس میں اختلاف کا اعتبار عقیدہ کے مسائل میں ہوگا نہ کہ فروعی مسائل میں کیونکہ اس میں دعا ہے جو عبادت کی ایک اعلیٰ ترین قسم ہے اور اس میں جائز نہیں مگر وہی جو کتاب و سنت میں وارد ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ صحیح اور حسن آثار اور احادیث اس کے قول کی تردید کرتی ہیں، اگر یہ شخص ان میں ایک حدیث بھی ذہن نشین کر لیتا تو ضرور نقطۂ انصاف تک رسائی حاصل کر لیتا۔ مثلاً نابینے کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وسیلہ پکڑنے والی حدیث، حضرت عثمان بن حنیف کا اس دوسرے شخص کو عمل بتانا اور حماد بن سلمہ کی زیادت صحیحہ وغیرہ اور اسے چاہیئے کہ غیر کی تقلید چھوڑ کر اپنی تمام تر گفتگو سے بھی اعراض کرے اگر تقلید چھوڑنے سے انکار کرے تو توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسئلے میں کم از کم اسے اپنے امام کی تقلید بہتر رہے گی بلکہ اسلاف کی ایک بڑی جماعت کی تائید بھی میسر آئے گی جیسا کہ شیخ ابن تیمیہ نے "التوسل والوسیلۃ" کے صفحہ (۶۵، ۹۸) پر نقل کیا ہے جب حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اسلاف کا گروہ اس مسئلے کو نہ شرک سمجھتا ہے اور نہ ہی شرک کے اسباب میں سے، تو اس کی یہ تعریف سراسر ان پر زیادتی ہے۔

بلکہ اس نے جو سمجھا ہے وہ اسلاف اور ائمۂ دین کو سب و شتم اور اکابر کو الزام دینے کے سوا کچھ بھی نہیں۔

رہی یہ بات کہ دعا عبادت کی اعلیٰ قسم ہے، یہ بات حق ہے لیکن اس کا مفہوم غلط اخذ کیا گیا ہے کیونکہ وسیلہ پکڑنے والا اللہ تعالیٰ عزوجل کے سوا کسی سے دعا نہیں کرتا بلکہ محض وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی پیروی کرتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ (المائدۃ ۳۵)

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔"

وسیلہ ڈھونڈنے سے مراد اپنی دعا میں وسیلہ پکڑنا ہے اور اس وسیلے کی بعض اقسام میں اختلاف ہے جن میں کچھ جائز اور کچھ ناجائز ہیں لیکن یہ اختلاف بھی ضعیف سا ہے اور اس اختلاف کا محل علم فقہ کا موضوع ہے جہاں تک علم عقیدہ یا علم توحید کا تعلق ہے، اس میں الٰہیات، نبویات اور سمعیات سے متعلق کلام کیا جاتا ہے، لہٰذا توسل کی بحث کو عقیدہ میں داخل کرنے کا کوئی معنی نہیں، کیونکہ ان دونوں علوم کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے۔

دلیلِ مخالف کی صحیح تحقیق

اس مسئلے کے جواب جن آیاتِ ربانی سے استدلال کیا جاتا ہے وہ بھی قارئین کی نظر کی جاتی ہے۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ - (المؤمن ۶۰)

اور تمہارا پروردگار فرماتا ہے کہ مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۔ (المؤمن ۱۴)	پس اللہ کو پکارو اسی کے لیے عبادت کو خالص بنا کر۔

یہ ایک انوکھا استدلال ہے کیونکہ یہ استدلال ایسی آیات سے ہے جو محل نزاع سے خارج بلکہ اس سے اجنبی ہے اور اس کا اتنا ظرف شکن جواب علامہ شوکانی کی امثال اور دو آیات ربانی سے گزر چکا ہے۔ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے اور دوسری آیت میں اخلاص کے ساتھ دعا پر ابھارتا ہے۔ توسل فی نفسہ اللہ تعالیٰ کی قربت کا حصول ہے جو دعا کی قبولیت میں رغبت کا داعی ہے اور اس قربت کی مختلف اقسام ہیں جو معلوم ہو چکی ہیں تو ان دو آیات کے بوجود کسی وجہ سے بھی توسل کی نفی لازم نہیں آتی بلکہ توسل ان آیات کے اس حیثیت سے عین مطابق ہے کہ متوسل محض اللہ تعالیٰ جل جلالہ سے ہی دعا کرتا ہے نہ کہ کسی غیر سے۔

پھر طرفہ تعجب یہ ہے کہ یہی مجیب اپنے ایک رسالے بنام "تعقیبات علی کتاب السلفیۃ لیست مذھبا" میں توسل کے بارے میں لکھتے ہیں۔

انھا مسألۃ خطیرۃ تمس العقیدۃ وتجر الی الشرك فکیف تکون ھینۃ	یہ عقیدے سے تعلق رکھنے والا ایک بڑا اہم مسئلہ ہے جو شرک تک پہنچا دیتا ہے تو کس طرح اس میں نرمی کا تصور ہو سکتا ہے۔

ہم کہتے ہیں اپنی عاقبت کی خیر مناؤ یا شیخ! جب توسل شرک تک پہنچا دیتا ہے تو خدا کے لیے ان ائمہ کا خیال کرو جو توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے قائل ہیں۔ مثلاً حضرت امام احمد، دیگر اسلاف اور متاخرین رحمۃ اللہ علیہم جن کا کیا خیال ہے؟ کہ وہ شرک کی حدود میں داخل ہونے کے درپے تھے۔ حاشا وکلا، العیاذ باللہ من ذلک، وہ تو دین کے امام اور پیشوا تھے۔

مزید یہ کہ جناب کا یہ کلام یعنی توسل شرک کی طرف لے جانے کو ضروری طور پر مستلزم ہے تو یہ لازم باطل ہے۔ جس کا انکار کسی مکابر (انکاری اور ہٹ دھرم) کے علاوہ کوئی نہیں کرتا اور اس شخص[1] کا یہاں اتنا تشدد کرنا بغض سے خالی نہیں اور اپنے مذہب کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس کے مذہب میں بھی ایک فرعی مسئلہ ہے۔

---

[1] یہ شخص صالح الفوزان ہے۔ بدعت اور شرک کا دعویٰ اس کے لیے بہت آسان ہے۔ یہاں تک کہ میں نے اس کی "منسک" میں دیکھا ہے کہ اس نے قبر شریف کے پاس دعا کرنے کو بھی اسی باب میں شمار کیا ہے جو بہت ہی واضح غلطی ہے اور اس کی دلیل یہی ہے کہ یہ بدعت اور شرک کی طرف وسیلہ ہے۔ اگرچہ دعا کرنے والا فقط اللہ سے ہی دعا کر رہا ہو۔ اسی طرح ہی اس کی "منسک" ص ۵۲ میں مذکور ہے جبکہ یہ مخفی نہیں کہ قبر شریف کے پاس دعا کرنے پر سلف وخلف کی نقول کا ایک انبار موجود ہے اور ابن تیمیہ نے بھی اس کو اختلافی کے رد میں کئی جماعتوں سے ذکر کیا۔ دیکھیے اس کی کتاب "التوسل والوسیلۃ" کا ص ۳۷۔۳۸)

یہاں ایک اور بات ہم ظرفاً ذہین کہتے ہیں امید ہے کہ فائدہ سے خالی نہیں ہوگی۔ وہ یہ ہے کہ حافظ ذہبی نے "معجم الشیوخ" کے (۱/۷۳، ۷۴) پر نقل کیا ہے۔

باقی اگلے صفحہ پر

عن عبید اللہ عن نافع ابن عمر انہ کان یکرہ مس قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم	حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کو چھونا مکروہ جانتے تھے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

ہم کہتے ہیں کہ انہوں نے اس کو مکروہ کہا کیونکہ وہ اس کو بے ادبی خیال کرتے تھے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے مسئلہ پوچھا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کو چھونا اور اس کا بوسہ لینا کیسا ہے؟ تو آپ نے کوئی بے ادبی کا اظہار نہیں کیا اور یہی مسئلہ پوچھا گیا تو جواباً کہا اس میں کوئی حرج نہیں، اس کو آپ کے بیٹے عبداللہ بن احمد نے روایت کیا ہے۔

سوال و جواب

اگر یہ کہا جائے کہ صحابہ نے پھر ایسا کیوں نہ کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ظاہری میں زیارت کی تھی، آپ پر شیدائی تھے اور آپ کے دستِ مبارک کو انہوں نے چوم لیا تھا۔ ایک دفعہ تو انتہا ہی کر دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کے موقع پر بال مبارک کے حصول میں آپس میں لڑنے پر آمادہ ہو گئے اور حج اکبر کے دن انہوں نے بال مبارک کو آپس میں تقسیم کر لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کھنکھارتے تو ہر ایک اپنی جگہ سے بے تاب ہوتا تھا کہ کھنکھار اس کے ہاتھ پر گرے تاکہ اس کو اپنے چہرے پر مل لے۔

جب ہمیں یہ چیزیں نصیب نہ ہوئیں تو کیا ہمارے لیے آپ کی قبر انور کے ساتھ چمٹنا، اسے چومنا اور اس کا احترام کرنا بھی صحیح نہ ہوگا؟

باقی اگلے صفحہ پر

آپ دوسرے مقام پر دیکھیں گے کہ یہ محض اعتقادی مسئلے ہیں، بھی دوست تساہل کا شکار ہے اور ایسا تساہل کہ جس کی مذمت کئے بغیر

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت ثابت البنانی نے کیسے کیا؟ وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مبارک ہاتھ کو بوسہ دیتے اور ان کا ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھ کر فرماتے۔

یدٌ مسّت ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	کہ اس ہاتھ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ اقدس کو چھوا ہے

ایسے امور کے بجا لانے پر مسلمان کو برانگیختہ کرنے والی صرف ایک چیز ہے اور وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ انتہائی محبت کا ہونا ہے اور اس کا حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنی جان، اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبت کرو، بلکہ اپنے مال و متاع، جنت اور اس کے حور و غلمان سے بھی بڑھ کر محبت کرو، اہل ایمان کا تقاضا تو یہاں تک ہے کہ وہ شیخین حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ بھی اپنی جانوں سے بڑھ کر محبت کرتے ہیں۔

حکایت ہے کہ جنید ار جبل بقاح پر تھے انہوں نے ایک شخص کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتے ہوئے سنا تو اسی وقت اپنی تلوار کو لہرایا اور اس کی گردن اڑا دی، اگر وہ اس شخص کو اپنے آپ یا اپنے باپ کو گالیاں دیتے ہوئے سنتے تو اس کا خون نہ بہاتے۔

نہیں دیکھا آپ نے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس قدر محبت تھی۔ ایک دفعہ عرض کی یا رسول اللہ! آلا

باقی اگلے صفحہ پر

کوئی چارہ نہیں، پہلے نفسِ مسئلہ کو سمجھئے اور وہ یہ ہے کہ "بقاء النار" یعنی دوزخ فنا نہیں ہوگی باقی رہے گی۔ اس مسئلے پر اجماعِ امت ہے اور اس شخص نے اس مسئلہ پر اجماع کو نقل کرنے والے کا تعاقب کیا ہے جو اس کے مذکورہ رسالے میں موجود ہے۔ اس نے لکھا کہ ہمارے تعاقب کی دو وجوہ ہیں۔

۱۔ "فناء النار" (دوزخ کا فنا ہونا) کے قول کے بطلان پر اجماع ثابت نہیں ہے اور نہ ہی اس قول کے بدعت ہونے پر جیسا کہ بعض کا خیال ہے لہذا مسئلہ مختلف فیہ ہے اگرچہ جمہور اس کو تسلیم نہیں کرتے لیکن اس کے انکار پر بھی تو اجماع نہیں ہے۔ یقیناً یہ اختلافی مسئلہ ہے جس میں کوئی بدعت وغیرہ نہیں نکالی نہیں گئی۔

۲۔ وہ لوگ جو دوزخ کے فنا ہونے کے قائل ہیں ان کا استدلال قرآن وسنت کے دلائل سے ہے۔ قطع نظر اس کے کہ ان کا استدلال اس سے صحیح ہو یا نہ ہو۔ لہذا بدعت کے قول کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ صحابہ اس

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:

نَسْجُدُ لَكَ" کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ نہ کرلیں۔ "فَقَالَ لَا" تو آپ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے منع فرما دیا۔ اگر انہیں اجازت مل جاتی تو ضرور وہ آپ کو جلالت وعظمت کا سجدہ کرتے نہ کہ عبادت کا سجدہ جس طرح حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو سجدہ کیا۔

اسی طرح مسلمان کے قبرِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تعظیم وتوقیر کی بناء پر سجدہ کرنے میں یہ فتویٰ ہے کہ اس کی تکفیر بالکل نہیں ہوگی بلکہ وہ گناہ گار ہوگا جانا چاہئے کہ اس سے منع کیا گیا ہے اور اسی طرح قبرِ نبوی کی طرف نماز پڑھنے کا مسئلہ ہے" یہ (حافظ ذہبی) کا کلام تھا۔

کا استدلال کرتے ہیں اور بدعت وہ ہوتی ہے جس کی کوئی دلیل نہ ہو۔ ساری بحث کی غرض یہ ہے کہ یہ قول غلط ہے اور یہ رائے درست نہیں اور اسے بدعت نہ کہا جائے گا۔ لیکن میرا مقصد اس قول سے دفاع کرنا نہیں، بلکہ میرا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ یہ بدعت نہیں اور نہ ہی اس پر بدعت کا قاعدہ جاری ہوتا ہے اور یہ مسئلہ خلافیہ ہے (ص ۳۹-۴۰)

ہم ببانگ دہل کہنے پر مجبور ہیں کہ ہر صاحبِ عقل ودانش پر یہ مخفی نہیں رہا کہ اس کا یہ کلام جھوٹ اور تعصب کے نقطۂ انتہا پر ہے اور فناء النار کا قول جہمیہ معتزلہ کے بدعتیوں کا عقیدہ ہے اور جس نے اس مسئلے پر ائمہ کا اجماع پیش کیا ہے، اس نے یہ قول الگ نقل کرکے اس کی مخالفت کی ہے۔ علامہ طحاوی رقمطراز ہیں۔

والجنة والنار مخلوقتان أبداً لا تفنيان ولا تبيدان (مع شرح صفحہ ۴۲۷)	جنت اور دوزخ دونوں ابدی مخلوق ہیں جو فنا اور ہلاک نہیں ہوں گی۔

علامہ تقی سبکی کی کتاب "الاعتبار ببقاء الجنة والنار" اور امیر صنعانی کی کتاب "رفع الأستار لإبطال أدلة القائلين بفناء النار" میں اس بدعت کا تفصیلی رد کیا گیا ہے۔

نوٹ:۔ مذکورہ دونوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

ان کے قول کی حقیقت

بے شک اس نے ایسے مسئلے میں تشدد کا اظہار کیا جو کہ آسان تھا اور ایک اعتقادی مسئلہ میں انتہائی تساہل کا شکار ہوا۔ ہمارے نزدیک اس کا سبب نفسانیت کی پیروی اور کچھ لوگوں کی خواہ مخواہ مدد پر ڈٹ جانے

کے علاوہ کوئی نہیں اور یہی غلو اور بددیانتی ہے جس کے ارد گرد وہ بے بنیاد دیواریں کھڑی کرنے میں مصروف رہے اور اسی کے سبب ائمہ دین کی تکذیب میں سرگرداں ہوئے۔

پس تمام پہلے اور پچھلے امور اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے دست قدرت میں ہیں، ہم خواہش نفس اور سینہ زوری سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اور بے شک حق پر قائم رہنے والے ہر شخص کا دل تعصبات اور خواہشات نفس جیسی بیماریوں سے پاک اور صاف ہوتا ہے تاکہ وہ دین متین کو کھیل تماشا بنانے سے بچ کر اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم کی بارگاہ اقدس میں سرخرو ہو سکے۔

ابو بکر الجزائری کا محاسبہ

جب رسالہ "وقفات مع کتاب للدعاۃ فقط" کے مؤلف نے اپنے غیر پر اعتماد کیا ہے تو ابو بکر الجزائری نے اپنی ذات پر ہی اعتماد کرتے ہوئے زیادتی کی انتہا کر دی اور مسلمانوں کی ایک پوری جماعت کی تکفیر کر دی۔ یہاں اس کی "عقیدۃ المؤمن" کے صفحہ ۱۴۴ کی عبارت من وعن نقل کی جاتی ہے۔

ان دعاء الصالحین والاستغاثة بهم والتوسل بجاههم لم یکن فی دین الله تعالیٰ قربة ولا عملاً صالحاً فیتوسل به ابداً وانما کان شرکا فی

بے شک نیک لوگوں کی دعا اور ان کے ساتھ فریاد کرنا اور ان کے مرتبے کے ذریعے وسیلہ پکڑنا اللہ تعالیٰ کے دین میں قربت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اچھا عمل ہے۔ اسی (اللہ تعالیٰ) کے

عبادة الله محرماً یخرج فاعله من الدین ویوجب له الخلود فی جهنم۔

ساتھ ہی ہمیشہ وسیلہ پکڑا جائے۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شرک اور حرام ہے، جس کا مرتکب دین سے خارج ہو جاتا ہے اور اس کے لیے جہنم میں ہمیشہ رہنا واجب ہو جاتا ہے۔

یہ تھا اس کی بددیانتی کی سلگتی ہوئی آگ کا ایک نمونہ اور صحیح یہ ہے کہ یقیناً کوئی بھی مومن یہ عقیدہ اپنے ان اہل ایمان بھائیوں کے بارے میں نہیں رکھ سکتا جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کے سوا کوئی مؤثر نہیں اور ان کے عمل کی غرض یہ ہے کہ انہیں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ معلوم ہے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ پکڑ لیا اور صحیح دلائل کی پیروی کی اور انہوں نے اس مسئلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ توسل میں اقتدار کی۔

ابو بکر الجزائری نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کی تکفیر کی اور یہ ایسی من گھڑت تکفیر ہے جس کا کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور سواد اعظم کے مؤقف سے کوئی رابطہ و تعلق نہیں۔

کوئی بھی صاحب عقل دیندار آدمی ایسا فاسد اور باطل کلام نہیں کر سکتا اگر کرے تو وہی کرے جس کی پشت پناہی کا ذمہ خارجیوں نے اٹھا رکھا ہو ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کے طلب گار ہیں اور بعد ازاں قابل افسوس بات یہ ہے کہ اس کی یہ کتاب کئی مرتبہ شائع ہو چکی ہے اور انصاف پسند قاری کو غور کرنا چاہیے کہ کتنے ہی سادہ لوح مسلمان اس باطل کلام کی ناؤ پہ گمراہی

کے طوفان میں بہہ چکے ہوں گے۔ (اللہ تعالیٰ حامی و ناصر ہو)

انصاف پسند قاری کے لیے ضروری ہے کہ وہ شارع کی جائز کردہ حدود کے اندر اور باہر واقع ہونے والے فعل کے درمیان فرق کرے۔ اگر فعل نفسہ جائز ہے تو عوام سے بعض متوہم الفاظ کا صادر ہو جانا کوئی معنی نہیں رکھتا اور نہ ہی اس اصل سے منع کرنے کی ضرورت ہے جس کو شرع نے جائز ٹھہرایا ہے۔

محمد صالح العثیمین کا تعاقب

جب ابوبکر الجزائری نے بے سوچے سمجھے تکفیر کا فتویٰ جڑ دیا ہے تو یہاں اسی طرز کا ایک اور بھی ہونہار ملتا ہے جس کا یہاں ذکر کر دینا مناسب ہے اور وہ محمد صالح العثیمین ہے۔ جس نے اس اعتراض پر ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ توسل کا تعلق اعتقاد کی مباحث سے ہے اور بہر صورت اس کا اعتبار عقیدہ کے باب میں ہی ہوگا اور اپنے اس مقولہ پر اس نے جس دلیل سے استنباط کیا آج تک کسی مسلمان کو اس کی تصریح کرنے کی جرأت نہیں ہوئی اس نے کہا:

وبالنسبة للتوسل فهو داخل في العقيدة لأن المتوسل يعتقد أن هذه الوسيلة لها تأثير في حصول المطلوب ودفع المكروه فهو في الحقيقة من مسائل العقيدة لأن الإنسان لا

توسل کی بابت بھی ہے کہ وہ عقیدہ میں داخل ہے کیونکہ متوسل یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اس وسیلے کی حصول مطلوب اور غیر مطلوب کو دور ہٹانے میں تاثیر ہے تو یہ دراصل عقیدے کا مسئلہ ہے کیونکہ انسان

يتوسل بشيء إلا وهو يعتقد أن له تأثيرا فيما يريد.
(فتاوى ابن عثيمين ٣/١٠٠)

کسی چیز کا وسیلہ اسی لیے پکڑتا ہے کہ اس کی مراد میں تاثیر ہوگی۔

(فتاوى مهمة لعموم الأمة) کے جامع نے اس سے اسی طرح ہی نقل کیا ہے۔

ہم کہتے ہیں پہلے چھت کھڑی کرو پھر نقش و نگار کرو، کون ہے جس نے تمہیں وسیلہ پکڑنے والوں کے سینے کے راز پر مطلع کیا ہے کہ تم نے اپنے معیوب مقولہ کے ساتھ اس کی وضاحت بھی کر دی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کچھ اس نے کہا ہے وہ سلف کے سارا اعتقاد کے خلاف ہے۔ ہر مسلمان یہ پختہ یقین رکھتا ہے کہ یقیناً نفع دینے والا ضرر دینے والا اللہ عزوجل ہی ہے اور وہی مؤثر حقیقی ہے اور وہ وحدہ لا شریک ہے اور تمام اسباب کا مسبب وہی ہے اور کوئی فاعل نہیں مگر وہی اللہ اور نہ ہی اس کے سوا کوئی خالق ہے اور اسی کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے۔

وسیلہ پکڑنے کی غرض یوں عرض کرنا ہے۔

اللهم إني أسألك وأتوسل إليك بنبيك صلى الله عليه وسلم

اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں یا تیری بارگاہ میں تیرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ پیش کرتا ہوں۔

تو وسیلہ پکڑنے والے نے اللہ تعالیٰ سے ہی سوال کیا، اس کے سوا کسی سے کچھ نہیں مانگا اور جس کا وسیلہ پکڑا گیا اس کی طرف تو نہ تاثیر

منسوب کی نہ فعل اور نہ خلق۔ ہاں وہ قربت اور مقام و رتبہ ان کے لیے ضرور ثابت کیا گیا جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کو حاصل ہے اور یہ رتبہ آپ کے لیے دنیا و آخرت میں ثابت ہے اور اسی کی طرف ہم بروز قیامت شفاعت طلب کرنے کے لیے جائیں گے۔

جس شخص کا عقیدہ یہ ہے کہ "اس کے مسلمان بھائی اعتقاد رکھتے ہیں کہ جس کے ساتھ وسیلہ پکڑا گیا ہے، اسی کی تاثیر ہے" تو اس نے ان کی تکفیر کی ہے اور کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس عارف کے مقام پر کھڑا کیا ہے جو سینوں کے راز جانتا ہے۔ اس فتاویٰ کے ساتھ یہ لوگ کھلکھلا کر ہنستے اور مذاق اڑاتے ہیں تاکہ ان پر واضح کر دیں کہ وسیلہ پکڑنے والے لوگ دوسری قوم ہیں اور عثیمین کا سارا کلام، مسئلہ توسل کے ارد گرد ہی گھومتا ہے اور لامحالہ حق بات یہ ہے کہ یہ ایسا کلام ہے جس کو علم کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں اور کتنے ہی حادثات اور فتنے ایسے ہیں جو اسی فتاویٰ کی پیروی کے مرہون منت ہیں اور کتنے جاہل ایسے ہیں جنہوں نے اس فتاویٰ یا اس کی مثل سے دھوکا کھا کر اپنے والدین، عزیز و اقارب یا اہل علاقہ کو کافر ٹھہرایا ہے۔ اگر مفتی صاحب تحمل کے ساتھ تھوڑا سا غور و فکر کریں تو ضرور ان کو اپنے قول کی بے وقتی کا احساس ہو جائے۔

طرفہ تماشا تو یہ ہے کہ اس کا قول بالکل مطلق ہے اور کوئی قید بھی نہیں لگائی۔ تو اب ہمیں ایسے محقق سے یہ دریافت کرنے کا حق حاصل ہے کہ کیا وہ نیک عمل جس کے ساتھ وسیلہ پکڑا جائے وہ تاثیر بالذات رکھتا ہے؟ اور یہ ناممکن ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ عقیدہ اپنایا ہو (یعنی یہ مؤثر بالذات

ہیں) اور مزید یہ کہ ان کے توسل بالصحابہ کا بھی یہ مفہوم نہ تھا اور اسلاف کا بھی ایسا عقیدہ ہونا محال ہے اور وہ بزرگان دین جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وسیلہ پکڑا ان میں سرفہرست امام الحنابلہ حضرت امام احمد (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ لہٰذا ان برگزیدہ ہستیوں کا یہ مؤثر بالذات ہونے کا اعتقاد محال ہے۔ جیسا کہ اس کی تصریح ابن تیمیہ نے "التوسل والوسیلۃ" کے صفحہ ۹۸ پر کی کہ یہ اعتقاد (تاثیر بالذات) فاسد ہے۔ حنابلہ توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواز یا استحباب کے قائل ہیں۔ جیسا کہ ان کے امام ابن قدامہ نے "المغنی" میں اس مسئلے کی وضاحت کی ہے۔ تو کیا اب بھی یہ شخص ان کو اس طرح کا اعتقاد رکھتے ہوئے سمجھتا ہے؟؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عظیم المرتبت بندوں کے بارے میں الزام تراشی میں جلدی کرنا ایمان کے لیے ایک مہلک مرض ہے۔ عثیمین کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ وہ اپنے دعویٰ پر دلیل کی صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ محض ایک ایسا دعویٰ ہے جس کا ضرر ہمیشہ باقی ہے کیونکہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس کے نتائج تباہ کن ہیں اور یہ دعویٰ مسلمانوں کے درمیان فرقہ بندی کا بھی ذمہ دار ہے۔ ہم سب مل کر اللہ تعالیٰ جل مجدہ الکریم کی بارگاہ عالیہ سے ہدایت اور توفیق کا سوال کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت ہمارا دامن لبریز فرمائے آمین۔ اگر شیخ اپنے مسلمان بھائیوں کے بارے میں حسن ظن رکھتے تو ان کا موقف بھی برعکس ہوتا۔

اب توسل کی بحث پر کلام ختم کرنا ہی مناسب ہے کیونکہ مقدمہ کی سطور مزید متحمل نہیں۔ والحمد للہ اولاً و آخراً۔ وصلی اللہ وسلم علی سیدنا محمد و علی آلہ و اصحابہ و علی اولیاء ملتہ و علماء اہل سنتہ اجمعین۔

تخریج احادیث

التوسل بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حدیث۔ ۱

امام المحدثین محمد بن اسماعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں (۱۰۰۸، الفتح ۲/۴۹۴)

ہم سے عمرو بن علی نے، ان سے ابو قتیبہ نے، ان سے عبدالرحمن بن عبداللہ نے اپنے والد سے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو ابو طالب کے شعر کی مثال دیتے ہوئے سنا۔

وأبيض يستسقى الغمام بوجهه　　ثمال اليتامى عصمة للأرامل

(سفید رنگ والے جن کی ذات کے توسل سے بارش طلب کی جاتی ہے، وہ یتیموں کی جائے پناہ اور بیواؤں کی عزت بچانے والے ہیں)

اور عمر بن حمزہ نے کہا: کہ ہم سے سالم نے اپنے والد سے بیان کیا: بسا اوقات میں شاعر کا قول ذکر کرتا اور بارش طلب کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ اقدس کو دیکھتا رہتا تو اتنی بارش ہوتی کہ ہر پرنالہ بھرپور بہنے لگتا۔

وأبيض يستسقى الغمام بوجهه　　ثمال اليتامى عصمة للأرامل

یہ حضرت ابو طالب کا قول ہے۔

ہم کہتے ہیں:

عمر بن حمزۃ العمری کے طریق پر امام احمد نے (۲/۹۳) اور ابن ماجہ نے (۱/۴۰۵) امام بیہقی نے دلائل النبوۃ (۶/۱۴۲) اور السنن الکبری (۳/۳۵۲) میں سند صحیح کے ساتھ موصول کیا ہے۔

سب نے ابوعقیل عبداللہ بن عقیل کے طریق سے نقل کیا اور و
ہے اور امام بیہقی نے (دلائل النبوۃ : ٦/ ١٤٠-١٤٣) میں اس طریق
علاوہ بھی نقل کیا یعنی :

" سعید بن خثیم الہلالی سے انہوں نے مسلم الملائی سے انہوں نے
بن مالک رضی اللہ عنہ سے :

ایک اعرابی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر
عرض کرنے لگا : یا رسول اللہ! ہم آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں
ہاں نہ اونٹ بلبلاتا ہے اور نہ ہی بکری چلاتا ہے ، اور اس نے یہ اشعار

اتیناك والعذراء یدمی لبانها   وقد شغلت ام الصبی عن ا

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
پر جلوہ افروز ہوئے ، پھر اپنے ہاتھ آسمانوں کی طرف اٹھائے اور عرض کی :

" اللھم اسقنا غیثا مغیثا مریعا   اے اللہ! ہم کو موسلا دھار بارش
غدقا طبقا عاجلا غیر رائث   خوشگوار اور زمین کو اچھی طرح
نافعا غیر ضار تملأ به الضرع   شاداب کر دینے والی بارش عطا
وتنبت به الزرع وتحیی به   بغیر تاخیر کے جلدی سے برسنے والی
الارض بعد موتها وکذلك   نفع بخش ہو نہ کہ نقصان دہ جس
تخرجون ."   مویشیوں کے اشیوان بھر جائیں
اگ آئیں اور زمین مردہ ہونے کے
دوبارہ زندہ ہو جائے (یعنی خوب
شاداب ہو جائے) اور اسی طرح تم
سے نکالے جاؤ گے ۔

مولیٰ قسم ! ابھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سینہ اقدس
واپس نہیں لوٹائے تھے یہاں تک کہ آسمان اپنی گرج و چمک کے ساتھ
سانے لگا اور " اہل بطانہ " فریاد کرتے ہوئے دوڑتے آئے کہ
رسول اللہ ! غرق ہو گئے ، غرق ہو گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے
ہاتھوں کو آسمانوں کی طرف بلند کیا اور عرض کی :

حوالینا ولا علینا   اے اللہ ! ہمارے گرد و نواح میں ،
نہ کہ ہم پر

چھٹ گیا اور مدینہ منورہ کے یمین اور یسار سے ہٹ گیا اس طرح گھیرے
ایسے ایک نبات (انگوٹھی) پہاڑ کے اطراف کو سرسبز و شاداب کر
ہے

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر مسکرائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
مبارک ظاہر ہوئے ، پھر فرمایا : ابوطالب پر اللہ کی رحمت ہو کاش
ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں ، کون ہے جو ان کا قول ہمیں سنائے
گا ؟ تو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور عرض
رسول اللہ ! گویا آپ کی مراد یہ اشعار ہیں :

وابیض یستسقی الغمام بوجهه   ثمال الیتامی عصمة للارامل

رنگ والے ، جن کی طفیل بارش کی دعا کی جاتی ہے وہ یتیموں کی
اور بیوگان کی عصمت بچانے والے ہیں

مسلم الملائی ضعیف ہے اور حافظ نے (الفتح : ٢/ ٤٩٥) میں کہا :
دلائل کے اسناد میں اگرچہ ضعف ہے لیکن وہ متابعت کی صلاحیت
رکھتا ہے " اور ابن ہشام نے (السیرۃ : ١/ ٢٨١) میں کہا " اس نے بیان کیا

جو میرے نزدیک ثقہ ہے، پھر اس روایت کو ذکر کیا۔"

حدیث ۲

امام بخاری نے اپنی صحیح میں کہا: (الفتح ۲/ ۴۹۴)

ہم سے حسن بن محمد نے انہوں نے محمد بن عبداللہ انصاری
انہوں نے عبداللہ بن مثنیٰ سے، ثمامہ بن عبداللہ ابن انس سے (انہوں
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا:

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب قحط پڑ جاتا تو حضرت عبا
بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے بارش طلب کرتے
عرض کرتے:

اللھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا قال فیسقون

اللہ! ہم تجھے تیرے نبی کا واس
کرتے تھے تو تو ہمیں سیراب ک
تھا اور اب ہم تیری بارگاہ میں
نبی کے چچا کا وسیلہ پکڑتے ہیں
ہمیں سیراب کرے، تو وہ سیرا
دیے جاتے تھے۔

سند کی توثیق امام بغوی نے شرح السنۃ (۴/ ۴۰۹) میں اسی طرح
کے طریق سے سند بیان کی۔

اور ابن خزیمہ (۱۴۲۱) نے بھی حضرت انس سے اس کو روایت
ابن حبان (۷/ ۱۱۰) اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ (۶/ ۱۴۷) میں اور
السنن الکبریٰ (۳/ ۳۵۲) میں اور ابن سعد نے "الطبقات" میں

حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ عسقلانی کا استنباط حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ الفتح (۲/ ۴۹۷) میں فرماتے ہیں

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پرہیزگار، ابرار اور اہل بیت اطہار کو وسیلہ بنانا مستحب ہے اور اس واقعہ میں حضرت عباس کی فضیلت بھی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی فضیلت ہے کیونکہ انہوں نے حضرت عباس (رضی اللہ تعالیٰ) کا احترام کیا اور انہیں ان کا حق دیا۔

نفیس تحقیق اس واقعہ میں حضور علیہ الصلوۃ والتسلیم کے ساتھ توسل کو چھوڑنا لازم نہیں آتا کیونکہ اس پر دیگر عمومی دلائل موجود ہیں اور اس لیے بھی کہ زیادہ سے زیادہ اس واقعہ میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ توسل کو کبھی چھوڑنا بھی جائز ہے اور جواز اور عدم لزوم میں فرق ہے۔ علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعظیم و توقیر میں نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی اقتدا کی حالانکہ صحابہ میں ان سے افضل لوگ بھی موجود تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء

امام حاکم نے "المستدرک" (۳/ ۳۳۴) میں داؤد بن عطاء المدنی کے طریق سے نقل کیا ہے۔

(داؤد بن عطاء المدنی نے زید بن اسلم سے انہوں نے ابن عمر سے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قحط سالی میں حضرت عباس بن عبد المطلب کے توسل سے بارش مانگی، اور عرض کی کہ:

"اللّٰھُمَّ ھٰذَا عَمُّ نَبِیِّکَ الْعَبَّاسُ نَتَوَجَّهُ اِلَیْکَ بِهٖ فَاسْقِنَا"

اے اللہ! یہ تیرے نبی کے چچا عباس ہیں جن کے ساتھ ہم تیری طرف متوجہ ہوتے ہیں پس تو ہمیں سیراب کر دے

تو اللہ تعالیٰ نے انہیں سیراب فرمایا۔

ابن عمر نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

ایھا الناس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان یری للعباس ما یری الولد لوالدہ، یعظمہ ویفخمہ ویبر قسمہ فاقتدوا ایھا الناس برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی عمہ العباس واتخذوہ وسیلۃ الی اللہ فیما نزل بکم

اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہ مقام دیتے جس طرح بیٹا اپنے باپ کو دیتا ہے، آپ کی تعظیم و توقیر کرتے تھے اور آپ کی قسم کو پورا فرما دیتے تھے پس تم! آپ کے چچا عباسؓ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کرو اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ پکڑ لو اس امر میں جو تمہارے پاس آیا۔

سند کی تحقیق

اسی طرح اس کو زبیر بن بکار نے "الأنساب" میں روایت کیا جیسا کہ (الفتح ۲/۴۹۷) میں ہے۔

اور ابن عساکر نے بھی "تاریخ دمشق (۸/۹۳۱)" میں زبیر بن بکار کے طریق سے ہی تخریج کی ہے۔

میں کہتا ہوں اس سند میں داؤد بن عطاء مدنی ضعیف ہے اور

امام ذہبی نے اس روایت کو اسی کے سبب "تلخیص المستدرک" میں ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن امام حاکم نے اس پر کوئی کلام نہیں کیا۔

علامہ ابن حجر نے "فتح الباری" میں اس روایت کو داؤد بن عطاء الضعیف کے طریق سے ہی ذکر کرنے کے بعد کہا کہ اس روایت کی

۱۔ بلاذری نے زید بن اسلم سے ہشام بن سعد کے طریق سے تخریج کی ہے اور "عن ابن عمر" کی جگہ پر "عن ابیہ" کہا تو ہو سکتا ہے اس روایت میں زید کے لیے دو شیخ ہوں اور حافظ ابن حجر کا احتمال نہایت پختہ ہے اور اس کے نظائر بھی ہیں۔ تعجب ہے کہ البانی نے اپنی کتاب "التوسل" میں اس احتمال کا ذکر تک نہیں کیا۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہشام بن سعد "مسلم" کے رجال میں سے ہیں اور قول انہی کا ہے اور البانی نے عجیب و غریب کام کیا (غفر اللہ لنا ولہ) وہ اپنے "التوسل (۶۶/۱)" میں داؤد بن عطاء مدنی کا ضعف بیان کرنے میں مشغول رہا لیکن جب اس نے ہشام بن سعد کی متابعت و موافقت کو دیکھا تو کہا "سند میں اضطراب ہے۔"

میں کہتا ہوں اس کا یہ قول مردود ہے۔ لہٰذا اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی جائے، اور میں نے اس (البانی) کے لیے یہی خواہش دیکھی جس کی وجہ سے وہ حدیث کے قواعد کی مخالفت مقدم رکھتا ہے۔

مشہور ضابطہ

مسلّم اور معروف بات یہ ہے کہ سند پر اضطراب کا حکم صرف اسی وقت ہوتا ہے جب روایات متضاد ہوں اور ان کا جمع ہونا اور کسی ایک کو ترجیح دینا ناممکن ہو اور یہ بات یہاں بالکل ممتنع ہے۔

ہشام بن سعد مسلم کے رجال میں سے ہے اور میں نے البانی کو کئی مرتبہ اس کی حدیث کو حسن قرار دیتے ہوئے دیکھا ہے۔ علاوہ ازیں داؤد بن عطاء ضعیف ہے تو کس طرح البانی اس واضح حق سے چشم پوشی کرسکتا ہے؟ بالفرض اگر یہ دونوں تساوی ہیں تو ان میں موافقت واجب ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے۔

اثباتِ مسئلہ الحمد للہ، ثابت ہوا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے قول سے واضح کر دیا کہ انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وسیلہ پکڑا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کا وسیلہ پکڑنا تو زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمانا "وَاتَّخِذُوْهُ وَسِيْلَةً إِلَى اللّٰهِ فِيْمَا نَزَلَ بِكُمْ" حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ وسیلہ پکڑنے پر دلیل ہے نہ کہ صرف ان سے دعا کرانے پر۔

حدیث ۳

امام حافظ ابو عیسیٰ الترمذی نے ترمذی میں بیان کیا:

(تحفۃ ۱۰۱، ۳۲/۳۳۰)

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ، أَخْبَرَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ

ہم سے محمود بن غیلان نے بیان کیا، انہوں نے عثمان بن عمر سے کہ ہمیں شعبہ نے خبر دی ابو جعفر سے، عمارہ بن خزیمہ بن ثابت سے، عثمان بن حنیف سے۔

أَنَّ رَجُلًا ضَرِيْرَ الْبَصَرِ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: ادْعُ اللّٰهَ أَنْ يُعَافِيَنِيْ، قَالَ: إِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ، وَإِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ، قَالَ: فَادْعُهُ، قَالَ: فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ فَيُحْسِنَ وُضُوْءَهُ وَيَدْعُوَ بِهٰذَا الدُّعَاءِ: اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ إِنِّيْ تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّيْ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهِ لِتُقْضٰى لِيْ، اللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ"۔

کہ ایک نابینا آدمی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے صحت عطا فرمائے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تو چاہتا ہے تو میں دعا کرتا ہوں اور اگر چاہتا ہے تو صبر کرتا ہوں، یہ تیرے لیے بہتر ہے۔ اس نے عرض کی: آپ دعا فرمائیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اچھی طرح وضو کرکے یہ دعا کرنے کا حکم فرمایا: "اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اور میں تیرے رحمت والے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

یا مُحَمَّدُ صلی اللہ علیک وسلم! میں اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف، تمہارے واسطے سے متوجہ ہوا، تاکہ میری حاجت پوری ہو جائے۔ اے اللہ! تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرے حق میں سفارشی قبول فرما"۔ اس کے بعد امام ترمذی نے فرمایا:

یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے، ہم اس کو نہیں جانتے مگر اسی طریق سے یعنی حدیث ابی جعفر سے اور وہ خطمی نہیں۔

تخریج حدیث

اس کو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اسکا طریق سے روایت کیا۔ امام نے مسند (۴/ ۱۳۸) میں اور امام نسائی نے عمل الیوم واللیلہ (صـ ۴۱۰) میں اور ابن ماجہ نے سنن (۱/ ۴۴۱) میں، اور امام بخاری نے تاریخ کبیر (۶/ ۲۱۰) میں اور طبرانی نے معجم کبیر (۹/ ۱۶) میں اور الدعا (۲/ ۱۲۸۹) میں بھی اور امام حاکم نے مستدرک (۱/ ۳۱۳- ۵۱۹) میں ذکر کیا اور اس کو صحیح کہا اور امام ذہبی نے اس کو تسلیم کیا اور بیہقی نے دلائل النبوۃ (۶/ ۱۶۶) اور "الدعوات الکبیر" میں نقل کیا۔
اور حماد بن سلمہ نے شعبۃ ابو جعفر سے روایت کرنے میں موافقت کی ہے۔

متابعت کی تخریج

اس موافقت کی تخریج امام نسائی نے عمل الیوم اللیلہ (صـ ۴۱۸) میں اور امام بخاری نے تاریخ کبیر (۶/ ۲۰۹) میں کی ہے کہ

شعبہ اور حماد بن سلمہ اس بات پر متفق ہیں کہ ابو جعفر کے شیخ عمارہ بن خزیمہ بن ثابت ہیں جبکہ ہشام دستوائی اور روح بن قاسم نے ان دونوں کی مخالفت کی ہے۔ نسائی نے عمل الیوم واللیلہ (صـ ۴۱۸) میں کہا کہ ہشام دستوائی اور روح بن قاسم نے ان دونوں کی مخالفت کی اور کہا:

"عن أبي جعفر عمير بن يزيد بن خماشة عن أبي أمامة بن سهل عن عثمان بن حنيف۔"

تقریر مؤلف

میں کہتا ہوں کہ ہشام دستوائی کی حدیث کی تخریج امام نسائی نے عمل الیوم واللیلہ (صـ ۴۱۰) میں کی ہے اور امام بخاری نے تاریخ کبیر (۶/ ۲۱۰) میں اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ

(۶/ ۱۶۸) میں ذکر کیا ہے

اور روح بن قاسم کی حدیث کو نقل کیا ہے۔ امام بخاری نے تاریخ کبیر (۶/ ۲۱۰) میں اور ابن السنی نے عمل الیوم واللیلہ (۲۰۹) میں اور طبرانی نے معجم کبیر (۹/ ۱۷) میں اور صغیر (۱/ ۱۸۳) میں بھی اور اس کو صحیح قرار دیا اور الدعاء (۲/ ۱۲۸۸) میں اور امام حاکم نے مستدرک (۱/ ۵۲۶) میں اور بیہقی نے دلائل النبوۃ (۶/ ۱۶۷/ ۱۶۸) میں ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ سند صحیح ہے اور متعدد حفاظ حدیث نے اس کو صحیح کہا ہے۔ ان میں امام ترمذی، امام طبرانی، ابن خزیمہ، حاکم اور ذہبی بھی ہیں

ابو جعفر

ابو جعفر خطمی، عمیر بن یزید بن عمیر بن خماشہ مدنی ہے، جیسا کہ نسائی نے "عمل الیوم واللیلہ" میں اس کو بیان کیا ہے اور امام احمد سے اس کی تصریح "خطمی" ہے اور مدنی بھی۔ ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی کے نزدیک "مدنی" کے ساتھ اور طبرانی اور ابن السنی کے نزدیک "خطمی مدنی" کے ساتھ تصریح ہے۔

لہذا اب شیخ بشیر السہسوانی کے صیانۃ الانسان (صـ ۱۲۵- ۱۲۸) میں الجھنے کے سبب التفات نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں۔

موقوف حدیث

اور بلاشبہ مرفوع سے موقوف اضافہ ہے۔ طبرانی نے "معجم صغیر" (۱/ ۱۸۳) میں کہا

حدثنا طاهر بن عيسى بن قيرس المقري المصري التميمي، حدثنا أصبغ بن الفرج، حدثنا عبد الله بن وهب عن شبيب بن سعيد

ہم سے طاہر بن عیسی بن قیرس مقری مصری التیمی نے بیان کیا کہ ہم سے اصبغ بن فرج نے بیان کیا کہ ہم سے عبد اللہ بن وہب نے بیان کیا۔ شبیب

المکی عن روح بن القاسم عن أبی جعفر الخطمی المدنی، عن أبی اُمامۃ ابن سہل بن حُنیف، عن عمہ عثمان بن حُنیف۔

بن سعیل سے، روح بن قاسم سے، ابوجعفر خطمی مدنی سے، ابو اُمامہ بن سہل بن حنیف سے، اپنے چچا عثمان بن حنیف سے۔

ایک آدمی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اپنی ایک حاجت کے سلسلے میں بار بار آتا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر کوئی توجہ نہ دیتے اور نہ ہی اس کی ضرورت پر کوئی غور کرتے تھے، پھر اس کی ملاقات عثمان بن حنیف سے ہوئی تو اس نے آپ سے وہی شکایت کی تو عثمان بن حنیف نے اسے کہا کہ:

تو وضو کرنے کی جگہ پر جا اور وضو کر، پھر مسجد میں حاضر ہو اور اس میں دو رکعت پڑھنے کے بعد یوں عرض کر:

اَللّٰھُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّكَ رَبِّي جَلَّ وَعَزَّ فَيَقْضِي لِي حَاجَتِي، وَتَذْكُرُ حَاجَتَكَ.

اے اللہ! میں تجھ سے عرض کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں ہمارے رحمت والے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ۔ یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بیشک میں تمہارے ساتھ تمہارے رب اپنے رب اجل وعلا کی طرف متوجہ ہوتا ہوں پس میرے لیے میری حاجت پوری کی جائے۔ اور تو اپنی حاجت کا ذکر کر۔

اور میری طرف آ، تاکہ میں تیرے ساتھ چلوں۔

پس وہ آدمی چلا گیا اور وہی کیا جو اسے عثمان نے کہا تھا، پھر وہ حضرت عثمان کے دروازے پر آیا، پس دربان آیا اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر حضرت عثمان بن عفان کے پاس لے گیا اور وہاں اسے چٹائی پر بٹھایا، انہوں نے پوچھا تیری کیا حاجت ہے؟ تو اس نے اپنی حاجت بیان کی، تو آپ نے اس کی حاجت کو پورا کر دیا، پھر اسے کہا کہ:

تو نے اپنی حاجت کو اب تک کیوں بیان نہیں کیا، اب جو بھی حاجت ہو ہمارے پاس آنا۔

پھر وہ آدمی وہاں سے فارغ ہوا اور عثمان بن حنیف سے ملاقات کی تو کہا "اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے"۔

وہ میری حاجت پر غور نہ کیا کرتے تھے اور نہ ہی میری طرف کوئی توجہ۔ یہاں تک کہ آج میں نے ان سے اپنے بارے میں گفتگو کی ہے۔

تو عثمان بن حنیف نے کہا: اللہ کی قسم! اس عمل کو میں نے بیان نہیں کیا لیکن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر تھا کہ آپ کے پاس ایک نابینا آدمی آیا اور اس نے آپ سے اپنی بینائی کے چلے جانے کی شکایت کی۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا: کیا تو صبر کر سکتا ہے؟ اس نے عرض کی۔ یا رسول اللہ بیشک وہ قائد رہا نہیں ہے اور مجھے بڑی تکلیف ہے تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لوٹا لا اور وضو کر، پھر دو رکعت پڑھ۔ پھر یہ مذکورہ دعا کر۔ عثمان بن

حنیف کہتے ہیں، اللہ کی قسم! گفتگو طویل ہو گئی، ہم اُٹھے نہیں تھے یہاں تک کہ وہ آدمی ہم پر داخل ہوا، گویا کہ اُسے بالکل کوئی تکلیف نہ تھی۔"

توثیقِ سند

اس کو روح بن قاسم سے شبیب بن سعید مکی نے روایت کیا ہے اور وہ ثقہ ہیں اور وہ شخص ہیں جن سے احمد (ابن احمد) بن شبیب نے حدیث بیان کی ہے، اپنے باپ سے، انھوں نے یونس بن یزید ایلی سے۔

اور اس حدیث کو شعبہ نے "ابو جعفر خطمی" سے روایت کیا ہے، جس کا نام عمیر بن یزید ہے اور وہ بھی ثقہ ہے اور اس کو شعبہ سے روایت کرنے میں عثمان بن عمر بن فارس تنہا ہیں اور حدیث صحیح ہے۔

(المعجم الصغیر للطبرانی (۱/ ۱۸۴))

اسی طریق سے اس کی تخریج طبرانی نے الکبیر (۹/ ۱۷، ۱۸) الدعا (۲/ ۱۲۸۸) میں اور بیہقی نے دلائل النبوت (۶/ ۱۶۷، ۱۶۸) میں کی ہے۔

میں کہتا ہوں حدیث کو بطور مرفوع اور موقوف طبرانی کے صحیح قرار دینے کے بعد کوئی کلام کی گنجائش نہیں۔

اعتراض

اگر کہا جائے کہ طبرانی نے حدیث مرفوع کو صحیح قرار دیا، لیکن انہوں نے احدیث القصہ موقوفہ کی تصحیح نہیں کی۔

جواب

طبرانی نے "شبیب بن سعید حبطی" کی توثیق یقیناً کی ہے اور وہ راوی موقوف ہے اور حدیث کے راوی کی توثیق اس کی حدیث کی تصحیح ہوتی ہے۔ بات اتنی آسان ہے جس کی وضاحت کی ضرورت نہیں اور اس کی تائید اور وضاحت یوں کہ امام ہیثمی نے مجمع الزوائد (۲/ ۱۷۹) میں اس حدیث پر اپنے مقرر ضابطے کے مطابق کوئی

کلام نہیں کیا لیکن انہوں نے فقط طبرانی کی تصحیح نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے اہلِ دانش غور و فکر سے کام لیں۔

ضعیف کہنے والوں کی کوشش

اس کے ساتھ ساتھ کچھ لوگوں نے اس حدیث موقوف کو ضعیف قرار دینے کی انتہائی کوشش کی اور انہوں نے چند مزعومہ علتیں پیش کیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ طبرانی کے استاذ طاہر بن عیسیٰ مجہول ہیں۔
۲۔ شبیب بن سعید حبطی اس قصہ میں منفرد ہے، جبکہ اس کا حافظہ کمزور ہے۔
۳۔ اس قصہ میں اس پر اختلاف ہے۔
۴۔ اس میں مخالفت ان ثقہ لوگوں سے ہے، جنہوں نے اس قصہ کو حدیث میں ذکر نہیں کیا۔ آخری تین وجوہات کو البانی نے التوسل (ص ۸۵) میں ذکر کیا ہے۔ حالانکہ نظر رکھنے والا سمجھتا ہے کہ یہ محض ہٹ دھرمی اور سینہ زوری ہے۔ عنقریب دیکھو گے کہ بیشک احادیث صحیحہ کو ان کمزور دلائل کے ساتھ ضعیف قرار دینے کی کوشش ایسے ہے جیسے باطل کو ستونوں پر کھڑا کرنے کی کوشش کرنا یا یہ کوشش مکڑی کے گھر سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ اگر یہ طرز کا راستہ کھول دیا جائے تو آثار کا باب تو بند ہو جائے گا۔

وجوہاتِ باطلہ کا تفصیلی رد

اور اب ہم ان مزعومہ و متوہمہ علتوں کا تفصیل سے رد پیش کرتے ہیں۔

پہلی بات یہ کہ شیخ طبرانی طاہر بن عیسیٰ مصری مجہول ہے۔ تو سنو!

۱۔ جس نے شیخ طبرانی کی جہالت کی وجہ سے حدیث کو معلل کہا وہ حدیث کی معرفت سے بالکل جاہل ہے اور اس کے قواعد کو تبدیل کرنے والا ہے۔

کیونکہ قصہ موقوفہ میں شبیب منفرد ہے۔ پھر اس سے تین آدمیوں نے روایت کیا اور ان مذکورہ آدمیوں سے تین اوروں نے اور ان سے تین اوروں نے روایت کیا تو قصہ کی روایت میں شبیب کے علاوہ کوئی بھی تنہا نہیں، لہذا شیخ طبرانی کا یہاں کوئی دخل نہیں۔

۲۔ طبرانی کے حدیث کی تصحیح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کی سند کے رجال کی توثیق کی اور اس سند میں اس کا شیخ بھی ہے اور وہ اس بارے میں اغیار سے زیادہ جانتے ہیں۔

اب اس کے بعد صاحب التنبیح السدید (ص ۹۳) پر شیخ کے بارے میں کلام سے دھوکا نہیں کھایا جائے گا۔

علت ثانیہ کا تجزیہ

علت ثانیہ یہ ہے کہ شبیب بن سعید حبطی متفرد اور کمزور حافظے والا ہے۔ اسی طرح البانی نے اپنے توسل (ص ۹۵) میں بیان کیا، حالانکہ اس سے پہلے یہ دعویٰ کسی نے نہیں کیا۔

جبکہ شبیب بن سعید حبطی کی علی بن المدینی، احمد بن یحییٰ المدیلی، دارقطنی، طبرانی، ابن حبان اور حاکم نے توثیق کی ہے۔

اور ابو زرعہ، ابو حاتم اور امام نسائی نے کہا کہ "اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں" اور راوی کی توثیق طلب کرنے کی یہی غرض ہوتی ہے تاکہ اس کی حدیث کی تصحیح کی جائے اور اس کو صحیحین میں قابل حجت مانا جائے۔

اعتراض

تمہارا کیا خیال ہے، اس قول کے بارے میں جو ابن عدی نے الکامل (۴/ ۱۳۴۷) میں نقل کیا کہ،

"شبیب کے زہری سے روایت کئے بغیر یونس کے نسخہ کو جب اس کا بیٹا احمد بن شبیب روایت کرے تو وہ احادیث مستقیمہ ہیں۔

لیکن یہاں شبیب بن سعید وہ نہیں ہوگا جس سے ابن وہب نے منکرات بیان کی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ شبیب مصر میں اپنی تجارت کے سلسلہ میں ہو تو ابن وہب نے اس کے حفظ سے لکھی ہوں اور غلطی اور وہم ہو مجھے امید ہے کہ شبیب ایسا کذب قصداً نہیں کرتا۔"

جواب

اللہ تعالیٰ کی مدد سے کہتا ہوں کہ اس کلام میں تین امور ہیں۔

۱۔ جو احمد بن شبیب نے اپنے باپ سے یونس کا نسخہ زہری سے روایت کیا۔ وہ احادیث مستقیمہ ہیں۔

۲۔ جو عبداللہ بن وہب نے شبیب سے مصر میں روایت کیا۔ اس میں غلطی اور وہم ہے۔

۳۔ مذکورہ دو قسموں کے علاوہ شبیب کی حدیث صحیح ہے، کیونکہ شبیب کے وہم کی قید ابن وہب کی روایت سے مصر میں ہونے کی صورت میں ہے۔

تیسری قسم کی صحت

تیسری قسم کی صحت کا سرنظر صحیح تقاضا کرتی ہے اور اس قول کے علاوہ کسی اور قول کو اختیار کرنا حفاظ کی توثیق کو باطل قرار دینا ہے۔ جنہوں نے شبیب بن سعید کی توثیق کی ہے۔ لہذا وہ ثقہ ہیں۔ مصر میں دورانِ تجارت کسی اجنبی نے الزام مسلط کیا ہے۔ حالانکہ ثقہ راویوں کے حوالے سے ان کی عزت بہت زیادہ ہے۔

اعتراض

علی بن مدینی نے کہا ہے کہ ثقہ ہے، مصر تجارت کے لیے جاتے رہے۔ ان کی کتاب صحیح ہے، میں نے اس کو ان کے بیٹے احمد سے لکھا ہے۔

جواب

میں کہتا ہوں ابن مدینی کا کلام رجل کے ثقہ ہونے اور ان

کی کتاب کے صحیح ہونے پر دلالت کرتا ہے اور جو کم فہم (صاحب
کشف المتواری صہ۴۰ صرف گالی گلوچ ہی سمجھتا ہے (اللہ تعالیٰ اس
سے درگزر فرمائے) اس نے یہ سمجھا کہ ابن مدینی کا یہ قول ثابت کرتا
ہے کہ اس کی روایت، اس کی کتاب کے علاوہ صحیح نہیں۔

جواب ۲ ابن مدینی نے رجل کی توثیق کی ہے کہ وہ ضابط الحفظ و[illegible]
ہے۔ پھر اس نے عموم افراد میں سے کسی ایک پر اس کی
کتاب کی صحت بیان کی، پھر نہ کوئی شرط لگائی اور نہ تصریح کی اور نہ ہی
اس کے حافظے کے متعلق کسی چیز کی طرف اشارہ کیا اور اس کلام سے ایسی
کوئی چیز مفہوم بھی نہیں ہوتی، اور میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ناقابل (فہم)
فہم کہاں سے آئی اور اس کا سب و شتم کی طرف التفات کم فہمی پر مبنی ہے
عبارات میں گڑبڑ کے عجائبات میں سے ہے کہ:۔

تنبیہ علی بن مدینی کی عبارت سے شبیب بن سعید کے حفظ کے
ضعف پر استدلال کرنے کا قصد کیا اور التوسل (۹۶) میں کہا
قال ابن المدینی: کان یختلف فی تجارۃ إلی مصر ..... الخ
اور اس نے ابن المدینی کے کلام سے اہم کلمہ حذف کر دیا، اور وہ ثقہ
"ثقۃ" کان یختلف ..... (الخ)
یعنی البانی نے ابن مدینی کے کلام سے کلمہ "ثقۃ" حذف کر دیا۔
کیا امانت علمیہ یہی ہوتی ہے؟ (فاللہ المستعان)
البانی سیدھی راہ سے دور چلا گیا اور ایک عجیب راہ پر چلا جس کی
طرف کسی نے بھی سبقت نہیں کی کہ اس نے ان ائمہ حفاظ کے کلام کو
مہمل گردانا جنہوں نے شبیب کی توثیق کی۔ پھر اس کو ان ثقہ لوگوں کے

گروہ سے نقل کیا جن کی حدیث قبول کی جاتی ہے مگر ایسی نوادرات جہاں کے
اور لوگوں کے گروہ کی طرف سے واقع ہوں جن کی احادیث بغیر شرائط
کے قبول نہیں۔
پھر اس نے شبیب بن سعید حبطی کی حدیث کو قبول کرنے کی دو شرطیں
لگائیں جو اپنے التوسل صہ۹۸ میں نقل کیں۔

۱۔ اس سے اس کے بیٹے احمد کی روایت ہو۔
۲۔ شبیب کی روایت یونس سے ہو۔

میں کہتا ہوں کہ البانی کا یہ عجیب قول کرنا اصول کی طرف رجوع نہ
کرنے پر مبنی ہے۔ شبیب کے بارے میں ابن عدی کی عبارت (المیزان
۲/۲۶۲) سے نقل کی اور اس پر اصول کی طرف رجوع کئے بغیر اعتماد
کیا اور وہ جو البانی نے ابن عدی سے نقل کیا، اس کے الفاظ یہ ہیں
کہ ہو سکتا ہے کہ شبیب غلطی اور وہم کرتا ہو، جب وہ اپنے حفظ
سے بیان کرے اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ قصداً نہیں کرتا۔
پس جس وقت اس سے اس کا بیٹا احمد، یونس کی احادیث بیان کرے

۱۔ میں نے رجال پر البانی کے کلام میں بہت زیادہ چھان بین کی ہے تو
میں نے اس کو دیکھا ہے کہ وہ اصول کی طرف رجوع نہیں کرتا وہ رجال پر کلام
کرتا ہے میں صرف کسی ایک کتاب پر اکتفا کر لیتا ہے اور میں نے
"اصول التھانی باثبات سنیۃ السبحۃ والرد علی الألبانی" اور حافظ
[illegible] رحمۃ اللہ علیہ کی "النقد الصحیح لما اعترض علیہ من احادیث
المصابیح" کے مقدمہ میں اس پر تنبیہ کی ہے۔

کی کتاب کے صحیح ہونے پر دلالت کرتا ہے اور جو کم فہم (صاحب کشف المتواری صہ۴) صرف گالی گلوچ ہی سمجھتا ہے (اللہ تعالیٰ اس سے درگذر فرمائے) اس نے یہ سمجھا کہ ابن مدینی کا یہ قول ثابت کرتا ہے کہ اس کی روایت، اس کی کتاب کے علاوہ صحیح نہیں۔

جواب ۲ ابن مدینی نے رجل کی توثیق کی ہے کہ وہ ضابط الحفظ واک ہے۔ پھر اس نے عموم افراد میں سے کسی ایک پاس کی کتاب کی صحت بیان کی، پھر نہ کوئی شرط لگائی اور نہ تصریح کی اور نہ ہی اس کے حافظے کے متعلق کسی چیز کی طرف اشارہ کیا اور اس کلام سے کوئی چیز مفہوم بھی نہیں ہوتی، اور میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ یہ نا قابل فہم کہاں سے آئی اور اس کا سب وشتم کی طرف التفات کم فہمی پر مبنی ہے۔

تنبیہ عبارات میں گڑبڑ کے عجائبات میں ہے کہ:۔
علی بن مدینی کی عبارت سے شبیب بن سعید کے حفظ کے ضعف پر استدلال کرنے کا قصد کیا اور التوسل (۸۶) میں کہا

قال ابن المدینی: کان یختلف فی تجارۃ إلی مصر ...... الخ
اور اس نے ابن المدینی کے کلام سے اہم کلمہ حذف کر دیا، اور وہ تھا
" ثقۃ " کان یختلف ...... الخ)
یعنی البانی کے ابن مدینی کے کلام سے کلمہ " ثقۃ " حذف کر دیا۔
کیا امانت علمیہ یہی ہوتی ہے ؟ (فاللہ المستعان)
البانی سیدھی راہ سے دور چلا گیا اور ایک عجیب راہ پر چلا جس کی طرف کسی نے بھی سبقت نہیں کی کہ اس نے ان ائمہ حفاظ کے کلام کو مہمل گردانا جنھوں نے شبیب کی توثیق کی۔ پھر اس کو ان ثقہ لوگوں کے

گروہ سے نقل کیا جن کی حدیث قبول کی جاتی ہے مگر ایسی نوادرات جوان کے کمزوروں کے گروہ کی طرف سے واقع ہوئیں جن کی احادیث بغیر شرائط کے قبول نہیں۔

پھر اس نے شبیب بن سعید حبطی کی حدیث کو قبول کرنے کی دو شرطیں لگائیں جو اپنے التوسل صہ ۸۰ میں نقل کیں۔
۱) اس سے اس کے بیٹے احمد کی روایت ہو
۲) شبیب کی روایت یونس سے ہو۔

میں کہتا ہوں کہ البانی کا یہ عجیب قول کہنا اصول کی طرف رجوع نہ کرنے پر مبنی ہے، شبیب کے بارے میں ابن عدی کی عبارت المیزان (۲/۲۶۲) سے نقل کی اور اس پر اصول کی طرف رجوع کئے بغیر اعتماد کیا اور وہ جو البانی نے ابن عدی سے نقل کیا اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ شبیب غلطی اور وہم کرتا ہو جب وہ اپنے حفظ سے بیان کرے اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ قصداً نہیں کرتا۔
پس جس وقت اس سے اس کا بیٹا احمد، یونس کی احادیث بیان کرے

میں نے رجال پر البانی کے کلام میں بہت زیادہ چھان بین کی ہے تو میں نے اس کو دیکھا ہے کہ وہ اصول کی طرف رجوع نہیں کرتا وہ رجال پر کلام کرنے میں صرف کسی ایک کتاب پر اکتفا کر لیتا ہے اور میں نے اپنی کتاب التعقب الحثیث علی من طعن فیما صح من الحدیث اور القول المقنع ... [illegible] اتحاف ... اثبات سنیۃ السبحۃ والرد علی الالبانی اور حافظ ... رحمۃ اللہ علیہ کی النقد الصحیح لما اعترض علیہ من احادیث المصابیح کے مقدمہ میں اسی پر تنبیہ کی ہے۔

تو گویا کہ وہ دوسرا شبیب ہے۔ یعنی

پس المیزان کی عبارت "کان شبیب لعلہ یغلط و... حدث من حفظہ" اور الکامل کی عبارت

"لعل شبیبا بمصر فی تجارتہ إلیها کتب عنہ ... من حفظہ فیغلط ویہم" میں فرق ہے۔

پہلی عبارت کی مراد یہ ہے کہ غلط اور وہم اس کی صفات ... حالانکہ یہ عبارت محلِ نظر ہے۔

دوسری عبارت جو الکامل کی ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ ... وہم اسے عارض ہے۔ اس حال میں کہ ابن وہب اس سے ... میں بیان کرے۔

پہلی عبارت میں مراد ضعف ہے جبکہ دوسری میں نہیں ... واضح ہے۔

اور نقاد نے جرح و تعدیل کے بیان اور معتدل اور مجروح کی ... میں عدم تصرف کے وجوب کی تصریح کی ہے اور ابن عدی کی ... میں ذہبی کے تصرف کا آپ نے صریح جھوٹ بولا ہے اور ... بالکل رجوع نہیں کیا، اور جو اس نے بیان کیا وہ تم نے دیکھ لیا۔

حاصلِ کلام

شبیب بن سعید کی حدیث عبداللہ بن وہب کی ... کے علاوہ وہ صحیح ہے۔ بشرطیکہ ہم ابن عدی کے کلام ... کر لیں، کیونکہ ان کے کلام میں نظر ہے۔

اور اسی لیے ذہبی نے المغنی (۱/۲۹۵) میں کہا "ثقة ..." اور الدیوان ص ۱۳۱ میں کہا "ثقة یاتی بغرائب" اور الکاشف ...

فصل

اعتراض

اگر کہا جائے کہ حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے "شرح علل الترمذی" (ص ۴۱۸) میں اس شبیب کو ان ثقہ لوگوں ... ذکر کیا ہے جن کی کتاب تو صحیح ہے۔ لیکن حافظے میں کچھ کمی ہے

جواب

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس ذکر کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی حدیث ضعیف ہوتی ہے جب وہ اپنے حافظے سے ... بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی حدیث کتاب سے صحیح ... حافظے سے بیان کی ہوئی حدیث اس سے کم درجے پر ہے ... وہ لوگ ثقہ ہیں اور ان کی توثیق متعدد ائمہ نے کی ہے۔ ان کے ...

"... حفظہ بعض شیء" تو یہ عبارت اس بات کا ... نہیں دیتی کہ "غلطی" ان سے جدا نہیں ہو سکتی اور وہ ضعیف الحفظ ... اس کے برعکس کا فائدہ دیتی ہے۔

... نے اس نوع میں ثقہ لوگوں کے ایک پورے گروہ ... ہے۔ مثلاً عبدالعزیز بن محمد الدراوردی، ہمام البصری ... الصنعانی، ابوداود الطیالسی اور ابراہیم بن سعد ... وغیرہم۔

... ان تمام کی حدیث کو قبول کیا جاتا ہے چاہے وہ کتاب ... یا حافظے سے۔ علاوہ ازیں جو عبارات ان کے بارے میں

بیان کی گئیں وہ ان عبارات سے زیادہ سخت ہیں جو شبیب بن سعید الحبطی
کے بارے میں ہیں۔ اس کے باوجود انکی احادیث کے قبول کرنے میں
اتفاق ہے۔

فصل

ابھی دو امور پر کلام باقی ہے۔

حافظ نے التقریب صہ ۲۶۳ میں شبیب کے حالات میں کہا۔
"لا بأس بحديثه من رواية ابنه أحمد عنه لا من رواية
ابن وهب"۔

"اس شبیب کی حدیث میں، اس کے بیٹے احمد کی روایت میں
نہ کوئی حرج ہے اور نہ ہی ابن وہب کی روایت سے"۔

اور جو کچھ حافظ نے کہا ہے کہ قصہ مذکورہ صحیح ہے۔ اس پر بھی البانی
رضامند نہیں۔ اس کا رد کرتے ہوئے التوسل (۸۷) میں کہا معاملہ اس
طرح نہیں بلکہ یہ مقید ہے اس شرط سے کہ اس کی روایت یونس سے ہو۔
اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حافظ نے خود ہی اس قید
کی طرف اشارہ کیا اور ذہبی تو انہوں نے شبیب کو "من طعن فيه
من رجال البخاري" (بخاری کے مطعون راوی) میں ذکر کیا۔

(مقدمہ فتح الباری صہ ۱۳۳)

---

[1] یہ بھی سراسر زیادتی ہے کہ حدیث کو صرف اس کے بیٹے احمد کی
روایت پر ہی قبول کیا جائے گا۔

پھر اس کے توثیق کرنے والے اور ابن عدی کے قول کے ذکر کے
بعد اس سے طعن کا رد کیا۔

میں کہتا ہوں کہ بخاری نے یونس سے روایت کی ہوئی شبیب
کی احادیث کو اس کے بیٹے کی روایت سے لیا ہے اور یونس کے علاوہ
کسی اور سے (شبیب) کی روایت کی تخریج نہیں کی اور نہ ہی (شبیب)
سے ابن وہب کی روایت کی تخریج کی ہے۔

پس اس کلام حافظ رحمہ اللہ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ بیشک
طعن شبیب پر قائم ہے۔ جب اس کی روایت یونس کے علاوہ کسی سے
ہو، اگرچہ وہ روایت اس کا بیٹا احمد ہی اس سے کرے۔ (التوسل صہ ۸۴)

میں کہتا ہوں:

جس کی طرف حافظ نے اشارہ کیا وہ یہ ہے کہ بخاری نے اس کی
اس حدیث کی تخریج کی ہے اور جب بخاری نے اپنی جامع صحیح میں زہری کی
حدیث تخریج کا ارادہ کیا تو انہوں نے اصحاب زہری کے طبقہ اولی کے
طرق سے تخریج کی جیسا کہ اس کی تفصیل شیخ حازمی نے ائمہ کی شروط
میں بیان کی ہے۔ جب کہ یونس بھی اسی طبقہ سے ہے اور شبیب کے پاس وہ
نسخہ تھا جس کو یونس بن یزید نے زہری سے روایت کیا۔ اس نسخہ کو شبیب
سے احمد بن شبیب نے سماعت کیا تو نسخہ اس طریق سے صحت میں انتہا
کو پہنچا تو بخاری نے اس کی اپنی صحیح میں تخریج کی۔

پھر احمد نے اپنے باپ سے وہ یونس سے وہ زہری سے سند بخاری
کی شرط پر ہے پس بخاری کا اس طریق کے علاوہ شبیب کی حدیث کا تخریج
کرنا اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ جس کی صحیح میں تخریج نہیں ہوئی وہ ضعیف

ہے بلکہ فقط مراد یہ ہے کہ وہ بخاری کی شرط پر نہیں کیونکہ نہ بخاری نے صحیح کا استیعاب (مکمل احاطہ) کیا ہے اور نہ ہی ان کا دعویٰ ہے۔

اور بخاری کی شرط پر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ امام بخاری کے نزدیک قابل حجت ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی بلکہ کبھی کبھی امام بخاری کے نزدیک بھی وہ قابل حجت ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے ہاں ان کی صحیح کی شرط پر نہیں ہوتی جو کہ صحت کا اعلیٰ درجہ ہے، جس طرح اس کی تصریح حافظ نے (الفتح ۲/۲۰۵) میں کی ہے۔ الفتح کے مقدمہ میں روایت بخاری کی کیفیت کے بیان میں اس راوی کی حدیث کے لیے جس میں کلام ہے۔ حافظ نے کثیر رقم کیا، وہ یہ کہ رجل کی حدیث جب اس کے خلاف آتے جس کو حافظ نے ذکر کیا تو اس میں تفصیل یہ ہوگی، اس پر تمسک واجب اور اس پر یقین کرلینا لازم ہے کہ ہم تو ائمہ حفاظ سے شبیب کی توثیق سے اعراض کرتے ہوئے انہیں باطل قرار دے رہے ہیں

اور میں نے شبیب کی حدیث کو ان دو شرطوں کے اشتراط کے ساتھ رد کرنے میں البانی سے پہلے کسی کو نہیں دیکھا۔

اور ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "قاعدۃ فی التوسل" صـ ۱۰۲ میں اس قول سے زیادہ کچھ نہیں کہا کہ "شبیب ھذا صدوق روی لہ البخاری" شبیب صدوق ہے اور بخاری نے اس سے روایت لی ہے۔ یہ کلام نہایت عمدہ ہے اور واضح رد ہے البانی اور اس کے پیروکاروں کا لیکن اس نے اس حدیث کی تعلیل کے لیے کسی اور راستہ کو اختیار کیا

اور وہ یہ ہے :-

حاصل کلام یہ ہے کہ اس حدیث کو شبیب نے روح بن القاسم

سے روایت کیا ہے اور ابن عدی نے "کامل" میں دو حدیثوں کو ذکر کیا اور ان دونوں کو شبیب پر منکر کیا شبیب کی روح بن قاسم کی روایت کے سبب اور اگر شبیب نے ان دونوں حدیثوں میں غلطی کی ہے تو ممکن ہے کہ اس پر غلطی کا اطلاق صرف اسی حدیث میں ہو۔ (قاعدۃ فی التوسل" (۱۰۴ - ۱۰۵) میں اللہ تعالے کی توفیق سے عرض کرتا ہوں۔

۱۔ یہ دونوں حدیثیں ابن وہب کی روایت سے ہیں، شبیب سے اور وہ روح بن القاسم سے پہلے گذر گیا ہے کہ شبیب نے مصر میں دوران تجارت ابن وہب سے کچھ بیان کیا جس پر انکار ہے اور ابن عدی نے ان دونوں حدیثوں کو "کامل" میں وارد کیا ہے۔ تاکہ ان کے ساتھ اپنے دعوے کی صحت پر استدلال کریں۔ شبیب کا روح بن قاسم سے روایت کرنے کا معاملہ زیر بحث ہی نہیں اور کلام اس پر ہے جس نے شبیب سے بیان کیا (اور وہ ابن وہب ہے) اس میں کلام نہیں جس سے شبیب نے بیان کیا خواہ وہ روح ہو یا کوئی اور۔

۲۔ ابن عدی کا اپنے دعوے کی صحت پر ان دو حدیثوں کے ساتھ استشہاد تسلیم نہیں کیا جائے گا، اور وہ دو حدیثیں یہ ہیں۔

جس کو روایت کیا شبیب بن سعید نے، روح بن قاسم سے۔ انہوں نے أبی عقیل سے۔ انہوں نے سابق بن ناجیہ سے، أبی سلام سے کہ :-

ہمارے پاس سے ایک آدمی گذرا تو لوگوں نے کہا اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی ہے۔ میں اس کی جانب متوجہ ہوا اور میں نے کہا مجھ سے کچھ بیان کر جو تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے اس طرح سنا ہو کہ تیرے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان لوگوں کا واسطہ نہ ہو۔ اس نے کہا: کہ میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ وَحِيْنَ يُمْسِي رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُرْضِيَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

"جو شخص صبح و شام یوں کہے کہ میں اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی ہونے پر مطمئن ہوں تو اللہ پر حق ہے کہ اس کو قیامت کے دن خوش کرے"

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بعض محدثین نے اس کو عن أبي عقيل عن سابق بن ناجية عن أبي سلام عن خادم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم کے ساتھ مرفوع کہا ہے۔

اور وہ شعبة، هشيم اور روح بن القاسم ہیں۔ اس صورت میں ابو سلام نے اسے اس سے روایت کیا جس نے اس کو مرفوع کہا اور مسعر نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ "عن أبي عقيل عن سابق عن أبي سلام" یہاں ابو سلام نے مرفوعاً روایت کیا اور درست قول شعبة اور جماعت محدثین کا ہے۔ اسی کو حفاظ نے صحیح قرار دیا ہے۔

مثلاً حافظ المزی اور حافظ العلائی جامع التحصیل (۳۸۵) میں ابن حجر الاصابة (۴/۹۳) میں اور البوصیری نے مصباح الزجاجة (۴/۱۵۰) میں واضح کیا ہے۔

اور یہاں ابن عدی اور اس پر اعتماد کرنے والوں کی یہ خطا ظاہر ہوگئی کہ اس حدیث کا اس دعوے پر انکار کہ شعیب پر انکار کیا جائے

درست نہیں اور ابن عدی کی خطا کی دو وجوہ ہیں:

١۔ اختلاف شعیب کے شیوخ کے طبقہ میں ہے۔ شعیب کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

٢۔ شعیب بن سعید اس بارے میں درست رائے پر ہیں جیسا کہ تم نے دیکھ لیا۔ واللہ اعلم۔

٣۔ اور وہ جس کو شعیب نے روح بن قاسم سے، عبداللہ بن حسن، انہوں نے اپنی والدہ فاطمہ بنت حسن رضی اللہ عنہم سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

"إذا دخلت المسجد ..... " الحديث۔

اور اس کو عبدالعزیز الدراوردی، إسماعيل بن ابراہیم بن علية، قیس بن ربیع اور لیث بن أبي سليم نے عبداللہ بن حسن سے، انہوں نے اپنی والدہ فاطمہ سے، انہوں نے جدتنا فاطمۃ الکبریٰ علیہا السلام سے روایت کیا۔

اور جب شعیب، روح سے منفرد ہو اور حدیث کو معضل کے طور روایت کرے، تو جماعت محدثین کا قول معتبر ہوگا لیکن معاملہ آسان ہے اور یہ کثیر کبار حفاظ سے بیان کرتے ہیں۔ اس سے روح بن قاسم اور شعیب کا ضعف مراد نہیں۔ کیونکہ انہوں نے حدیث سابق کو [illegible] کر دیا اور جماعت سے موافقت کی۔

٣۔ شعیب بن سعید البصری، روح بن قاسم البصری کی طرح ہے۔ اور شعیب کی بلدین (البصرہ وکوفہ) سے روایت کو عمدگی اور تقویت حاصل ہے اور ابو جعفر خطمی مدنی بصری بھی اسی طرح ہے اور اس کی

حدیث کی قوت اور بڑھ گئی کہ دو بصریوں نے ابن شبیب کی مثل حدیث
کو بیان کیا اور وہ دونوں ابن شبیب کے بیٹے احمد اور اسماعیل ہیں
روایت سابقہ کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ شبیب بن سعید ثقہ ہیں علاوہ
اس کے جو ان سے ابن وہب نے کہا اور وہ بھی تمام منکرات نہیں بلکہ کچھ
معروف ہیں اور کچھ منکر جب ابن وہب کا کوئی تابع ہو جیسا کہ یہاں ہے
تو اسے معروف جاننا اور قبول کرنا ضروری ہے (واللہ اعلم بالصواب)
اور اسی سے واضح ہو گیا کہ شبیب پر ضعف کا اطلاق (جو البانی
نے (التوسل، صفحہ ۱۱۵ میں کیا ہے) اثر سے بڑھ کر کچھ نہیں، وہ امر مردود
ہے اور اس سے پہلے کسی نے یہ قول نہیں کیا۔

امر ثانی

رہا امر ثانی جس کی وجہ سے البانی نے حدیث کو ضعیف کہا
وہ اس کا قول ہے " والاختلاف علیه فیها (اس پر
اس میں اختلاف ہے)
میں کہتا ہوں کہ اس نے ضمیر شبیب کی طرف لوٹائی ہے حالانکہ
اس نے (التوسل صفحہ ۸۹) میں اختلاف احمد بن شبیب پر کیا اور کہا:
پھر میرے لیے دوسری علت ظاہر ہوئی وہ یہ کہ اس احمد پر اختلاف ہے
اس سے (البانی) کا اضطراب ظاہر ہو گیا۔ پس امر نہایت آسان اور
واضح ہے اور راوی کی حدیث، کو دو وجوہ پر بیان کرنے پر بیشمار مثالیں
موجود ہیں جب یہ حدیث شبیب بن سعید کی طرف لوٹائی جاتی ہے تو
اس قصہ کو ان سے تین آدمیوں نے روایت کیا ہے۔ دو حضرات نے
ان کے شہر بصرہ میں اقامت کے وقت اور سفر و مشقت سے بعید
ہو کر (روایت کیا) اور وہ دونوں احمد اور اسماعیل، شبیب کے بیٹے

اس جیسا بیہقی کی دلائل نبوت (۶/۱۶۷-۱۶۸) میں ہے۔

امر ثالث

امر ثالث یہ ہے کہ عبداللہ بن وہب نے ان سے قصہ
بوقت سفر روایت کیا حالانکہ خصوصاً تجارت کے سفر میں
دل مضطرب اور افکار متفرق ہوتے ہیں۔ لیکن انہوں نے نہایت عمدگی
سے بیان کیا، نہ سستی کی اور نہ غلطی اور اس کی قطع عذاب کے بارے میں
حدیث حضر میں بیان کی ہوئی حدیث کے موافق ہے اور راوی جب
شہر میں حدیث بیان کرتا تو وہ حالت سفر میں بیان کی ہوئی حدیث پر
فوقیت رکھتا ہے جیسا کہ مشہور ہے اور اسے حافظ نے الفتح (۱۰/۲۲۲) میں
بیان کیا ہے اور جب شبیب نے اس حدیث کو سفر و حضر میں نہایت عمدگی
سے بیان کیا تو یہی غرض و غایت ہوتی ہے جو ایک رحل میں طلب کی جاتی
ہے۔ جیسا کہ حق و انصاف والوں پر مخفی نہیں اور جب بات یہاں پہنچ گئی
کہ شبیب نے اس صورت میں حدیث کو بہت اچھے طریقے سے بیان
کیا تو اس قصہ کی صحت کے بعد اب اس بات کا کیا دخل کہ کون راوی
شبیب سے روایت لاتا ہے؟ اور حدیث کو کبھی مع قصہ روایت کرتا
ہے اور کبھی قصہ کا ذکر نہیں کرتا۔
لیکن خواہش نفس اور تعصب یا افتراء (جھوٹ گھڑنا) کہاں پہنچا
دیتا ہیں، تم نے یہاں دیکھا کہ البانی نے احمد بن شبیب پر اختلاف
کا دعویٰ کیا، اس اختلاف (جس کا فقط البانی نے شور ڈالا ہے)
کا جواب یہ ہے کہ:
احمد بن شبیب اس حدیث کو کاملاً بیان کیا کرتے تھے اور اس
میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آدمی آنے کا قصہ

موجود ہے جیسے ثقہ حافظ یعقوب بن سفیان الفسوی نے بیان کیا ہے
جیسا کہ امام بیہقی کی دلائل النبوۃ (۱۲۷/۶) میں ہے۔
اور احمد بعض اوقات طوالت چھوڑ کر فقط اصل حدیث پر اکتفا
کرتے۔ اس کو ابن السنی اور امام حاکم نے بیان کیا ہے۔ اس کے
بعد کونسی بات ہے؟ جبکہ "احمد ثقہ ہے"! اے اللہ! ضد اور تعصب
سے محفوظ فرما۔

رہی یہ بات کہ مخالفین میں سے ایک (صاحب کشف المتواری) نے کہا
کہ ابن سنی سے ان لوگوں نے بغیر اس واقعہ کے نقل کیا:
۱۔ عباس بن فرج الریاشی ۲۔ حسین بن یحیی الثوری، اسے حاکم نے اور ان سے بیہقی
نے ایک طریق سے لیا۔ ۳۔ محمد بن علی بن زید صائغ، ان تینوں نے احمد بن شبیب
سے یہی حدیث بیان کی مگر اس میں واقعہ کا ذکر نہیں۔
اور اس قصہ کو احمد سے یعقوب بن سفیان الفسوی کے علاوہ کسی
نے روایت نہیں کیا بے شک وہ ثقہ ہیں۔ لیکن ان ثقات کے مقابل
نہیں ہو سکتے جو تعداد میں ان سے زیادہ ہیں۔
ہم کہتے ہیں اگر یہ کلام صحیح ہے تو علم، عقل اور دلیل پہ اللہ
کی رحمت ہو۔ تو لو سنو! ان تینوں جن کے بارے میں ثقات کہا،
جب ان کی طرف ان کی مثل منسوب ہوں تو امام حافظ یعقوب
بن سفیان الفسوی پر ترجیح نہیں دیے جاتے کیونکہ وہ ثقہ ہی نہیں
بلکہ فوق الثقہ ہیں اور ابو زرعۃ دمشقی کا قول ہے کہ:
عظیم لوگوں میں سے دو آدمی ہمارے پاس آئے۔ ان میں سے ایک
مضبوط آدمی "یعقوب بن سفیان" ہے۔ اہل عراق اس کی مثل دیکھنے

سے عاجز ہیں
اصل بات یہ ہے کہ جب حافظ، شیوخ کی مخالفت کرے تو حافظ کے
قول کو شیوخ پر ترجیح ہوتی ہے۔ لہٰذا حافظ کا قول معتبر ہے۔ اگرچہ شیوخ
ان پر ثقہ ہوں اور یعقوب الفسوی امام حافظ بلکہ فوق الحافظ ہیں۔
۲۔ عباس بن فرج نے دو طریق سے روایت کی۔ اس نے قصہ کو
اسماعیل ابن شبیب سے۔ اس نے اپنے والد سے بیان کی ہے۔
اس کو بیہقی نے دلائل النبوۃ (۱۶۷/۶) میں بیان کیا تو وہ امام یعقوب بن
سفیان الفسوی کے موافق ہو گیا۔
ابھی تین میں سے دو باقی ہیں۔ کیا معترض ہمیشہ الفسوی کے ساتھ
دونوں کی مخالفت پر ہی معترض رہے گا؟ اے اللہ! تو ہی بخشنے والا ہے
اور جو دو باقی ہیں۔ ان میں سے ایک حسین بن یحیی ثوری ہیں جو مجھے تلاش
کے باوجود نہیں ملے۔ اور بس صریح تعصب بہت جلد ہی منہدم ہو جاتا
ہے۔ پھر تعجب کی بات ہے کہ ایک کمزور تائید کے حیلے سے ان لوگوں
کی روایت کو جنہوں نے قصہ کو روایت نہیں کیا۔ ان کی روایت پر مقدم
کیا ہے جنہوں نے اسے روایت کیا ہے جیسے شبیب، اس کا بیٹا احمد،
عبد اللہ بن وہب، یعقوب بن سفیان الفسوی اور دیگر ثقہ محدثین۔
۳۔ حدیث کی روایت دو وجوہ میں سے جس وجہ پر بھی ہو وہ دوسری
کو معلل نہیں کرتی اور دونوں صحیح ہیں، اور یہی مقرر اور معروف ضابطہ ہے
اس لیے کہ وہ اختلاف جو روایت کے بارے میں شک و شبہ میں ڈال دے، وہ
ایسا اضطراب ہے جس کی توجیہ ناممکن ہو لیکن یہاں نہ کوئی ایسا اختلاف
ہے اور نہ ہی اضطراب۔

اور ہم اللہ تعالیٰ سے فتنہ وفساد اور تعصب سے حفظ وسلامتی کی دعا کرتے ہیں۔

امر اخیر آخری امر جس کی بنیاد پر البانی نے حدیث کی تضعیف کی، وہ اس کا التوسل ص۹۸ میں کہنا ہے۔

"مخالفته للثقات الذين لم يذكروها في الحديث" "اس کی مخالفت ہے، ان ثقہ لوگوں سے جنہوں نے اس قصہ کا حدیث میں ذکر نہیں کیا"

"میں کہتا ہوں، یہ عجیب غریب ہے۔ تم نے دیکھا ہے کہ اضافہ یہ ہوتا ہے۔ ایک حدیث کو جماعت نے ایک سند اور ایک متن کے ساتھ روایت کیا، پھر بعض راویوں نے اس میں کچھ ایسا اضافہ بیان کیا جو بقیہ راویوں نے اس کا ذکر نہ کیا جیسا کہ ابن رجب کی شرح علل الترمذی ص۴۲۳ میں ہے۔

اور حافظ نے اپنے النکت علی ابن الصلاح (۲/۶۹۲) میں کہا ہے، وہ اضافہ جسے قبول کرنے میں محدثین توقف کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ اضافہ ایسی حدیث میں واقع ہو جس حدیث کا مخرج ایک ہو جیسے مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما جب حدیث کو ثقہ حفاظ کی ایک جماعت نے روایت کیا جو اس شیخ سے حدیث کو پہچاننے والے ہیں اور اس کے بعض راوی اضافہ میں ان سے منفرد ہیں پس اگر وہ اضافہ محفوظ ہوتا تو جمیع اس کے رواۃ اس اضافہ سے بے خبر نہ ہوتے۔

جب تمہیں یہ معلوم ہو گیا تو واضح رہنا چاہیے کہ شعیب نے اس قصہ موقوفہ کے ذکر میں ثقہ لوگوں میں سے کسی کی بھی مخالفت نہیں کی

اس کی وضاحت ان دو صورتوں میں کی جاتی ہے۔

ا: پہلا معاملہ یہ ہے کہ یقیناً حدیث کا مخرج ایک نہیں۔ اس کا مرجع ابو جعفر خطمی کے دو شیخ کی طرف ہے۔ شعبہ اور حماد کے لیے ایک طریق ہے اور روح اور ہشام کے لیے دوسرا طریق۔ تو جب مخرج متعدد [illegible] تو مخالفت کا دعویٰ ہی غلط ہے۔

ب: اگر یہ کہا جائے کہ مخرج روح بن قاسم اور ہشام دستوائی کے درمیان متحد ہے، کیونکہ یہ قصہ موقوفہ روح بن قاسم کے طریق سے ہی آیا ہے۔

ج: شعیب بن سعید نے روح بن قاسم سے امر موقوف کو [illegible] سال بعد صحابی سے حدیث مرفوع کے طور پر بیان کیا۔ لیکن یہ مرفوع اور وہ موقوف تو پھر متن میں مخالفت کہاں ہے؟ ہاں وہم میں مخالفت ہوگی۔

قواعد حدیث پر کتب تصنیف کرنے والے محدثین نے تصدیق کی ہے کہ راوی کے اضافہ کو قبول کیا جائے گا، جبکہ مجلس متعدد ہو اور متحدہ ہو تو اضافہ قبول نہ ہوگا۔ جبکہ مرفوع اور موقوف میں کتنے سالوں کا فاصلہ ہے۔ یہاں مجلس متحد کہاں ہے؟

فرض کریں کہ مخرج ایک ہے تو پھر بھی مضر نہیں جیسا کہ پہلے گذرا۔ [illegible] ائمہ حدیث نے ثقہ کے اضافہ کو قبول کرنا لازم کہا، جبکہ ان میں [illegible] ذہبی اور ان ائمہ میں خطیب بغدادی بھی ہیں۔

۲- امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اذا كان في الحديث [illegible] دل على ان راويه حفظه" جب حدیث میں قصہ ہو تو اس امر

پر دلالت کرتا ہے کہ راوی نے اسے یاد رکھا۔" اس کو ان سے حافظ
مقدمۃ الفتح (۴۶۳) میں نقل کیا۔

جو کہ امام احمد بن حنبل کی گہری نظر پر دلالت کرتا ہے۔ حق بات
ہے کہ اس میں شک نہیں کہ شبیب ثقہ ہے اور ان کی حدیث کو صحیح
دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا۔ اگر ان سے انتہائی تعصب بھی
یہ شخص کم از کم ان لوگوں سے کم نہیں جن کی حدیث کو ائمہ حسن قرار دیتے

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور میں واقع ہونے والے قصہ کو ا
نے نقل کیا۔ اگر اس وہم اور مخالفت کا کوئی تصور ہوتا تو ضرور اس کا شمار
ضعفاء اور متروکین کی صف میں کیا جاتا جن کو قابل حجت تسلیم نہیں کیا
ایسے وضاعین کے زمرے میں جن کی مرویات حدیث میں نظر نہیں کی
حالانکہ شبیب کے بارے کسی کا گمان تک بھی نہیں کہ اس نے ایسا کیا ہو یا اس
کے قریب قریب [illegible] اور اختلاط کیا ہو یا اس کی سوچ میں اس گھٹیا درجے کی
گئی ہو چہ جائیکہ اس کے بارے وہم صحیح ہو۔ حاشا وکلا قطعی طور پر ہم نہیں
[illegible] وہم صحیح ہو۔

اور محدثین کے قواعد کے مطابق اس وقت تک اختلاف
نہیں ہوتا، جب تک روایات میں جمع یا ترجیح ممکن ہو۔ لیکن یہاں اس وقت
موجب خلاف اور حدوث کا تصور پایا جائے۔ لیکن یہاں کوئی

اور ان میں نہیں، ہاں صرف ایک حاسد کے وہم و خیال میں پایا جا رہا ہے۔

(واللہ المستعان)

خلاصۂ کلام

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ اضافہ موقوف، جس میں ایک آدمی کے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے
ان ... کا تذکرہ ہے (وہ) سمجھتے ہے۔ اسی لیے تو حفاظ حدیث نے
اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ مثلاً امام طبرانی، امام حاکم اور امام بیہقی۔

(والحمد للہ رب العلمین)

ابن أبی خیثمہ نے اپنی "التاریخ" میں کہا (جیسا کہ ابن تیمیہ کے "قاعدۃ التوسل" ص ۱۰۶ میں ہے۔

حدثنا مسلم بن إبراهيم، ثنا حماد بن سلمة، أنا أبو جعفر الخطمي عن عمارة بن خزيمة عن عثمان بن حنيف رضي الله تعالى عنه.
أن رجلا أعمى أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال، إني أصبت في بصري فادع الله لي، قال اذهب فتوضأ وصل ركعتين ثم قل، اللهم أسئلك وأتوجه إليك بنبي محمد نبي الرحمة يا محمد إني أستشفع بك

"ہم سے مسلم بن ابراہیم نے بیان کیا، ان سے حماد بن سلمۃ نے بیان کیا
ان سے ابو جعفر خطمی نے عمارہ بن خزیمہ سے، عثمان بن حنیف سے
(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) خبر دی۔
(الحدیث)

علی ربی فی ردّ بصری اللّٰھم
فشفّعنی فی نفسی وشفّع نبیّی فی
ردّ بصری، وإن کان حاجۃ
فافعل مثل ذالک"۔

میں کہتا ہوں: یہ سند صحت میں انتہا کو پہنچی اور حماد بن سلمہ ثقہ، حا
اور امام ہیں۔

اور اس کے باوجود متن میں زیادتی کے سبب سے معلل کی گئی
اور وہ (زیادتی) "وإن کانت حاجۃ فافعل مثل ذلک" ہے اور
میں حماد بن سلمہ، شعبہ سے منفرد ہے، تو یہ "شاذۃ" ہوئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ثقہ کا اضافہ مقبول ہے، جب تک
نہ ہو یا اس میں زیادہ ثقہ راوی سے مخالفت نہ ہو، اور اس کا قو
"فإن کانت حاجۃ فافعل مثل ذلک" اصل حدیث کے منا
اور نہ اس کے مخالف ہے بلکہ تمام اس کے موافق ہے کیونکہ اصل
عموم ہے یعنی اس وظیفہ کا معمول کسی وقت بھی ہو سکتا ہے

اور حماد کا غلط ہونا محض ظن ہے اس پر کوئی دلیل نہیں، زیادہ
زیادہ یہ ثقہ کا اضافہ ہے، جس میں کوئی کسی سے منافاۃ نہیں، وہ
مقبول ہے اور ہم تشدد کرنے والوں کو نالاں ہوتے ہوئے کہتے ہیں
اگر یہ اضافہ صحیح نہیں تو بہتر یہ ہے کہ ثقات کے اضافہ کو احادیث
کے باب سے کر دیا جائے۔ (وباللہ التوفیق)

اور یہ امام حافظ ابو حاتم ابن حبان، حماد بن سلمہ کے منفرد ا
کے بارے کہتے ہیں۔ (الثقات: ۱/۸)

"ان لفظوں (وإن کانت ....) میں حماد بن سلمہ منفرد ہیں
ثقہ اور مامون ہیں، اور ہمارے نزدیک الفاظ کی زیادتی ثقات
سے مقبول ہے کیونکہ جائز ہے کہ ایک جماعت کسی شیخ کے پاس
جماعت میں حاضر ہو، پھر کوئی چیز کسی پر مخفی ہے اور دوسرا اس کی
یا اس کے کم درجہ آدمی اسے یاد رکھے۔

یہ کلام مضبوط و خوبصورت ہے، اس کو سمجھنا چاہئے۔

البانی کا تضاد

اس مقام پر اس بات کا تذکرہ نہ کرنا نہایت ہی غیر مناسب ہے کہ وہ البانی جس نے حماد بن سلمہ کی صرف ایک راوی
(شعبہ) سے مخالفت کی بناء پر اس اضافہ کو رد کرنے میں جلدی کی ہے وہ خود
دوسرے مقام پر حماد بن سلمہ کی پوری جماعت سے مخالفت کو قبول کرتا ہے۔
(الصحیحہ ۱/۳۰۲) میں کہتا ہے

"خالف الجماعۃ حماد بن سلمۃ۔" — "اور حماد بن سلمہ نے جماعت کی مخالفت کی۔

فیحتمل أن یکون قد حفظ ما لم یحفظہ الجماعۃ" — احتمال یہ ہے کہ اس نے وہ یاد رکھی جس کو جماعت نے محفوظ نہ رکھا ہو (ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ہوس سے)

(۱) اس کا قول "خالف الجماعۃ" غلط ہے، بلکہ امام ثقہ الفزاری نے (... ۹) میں اس کی متابعت کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ یہاں حماد کی علی بن زید کی روایت سے تائید ہے اور یہ بھی غلطی ہے، گویا کہ علی بن زید نے اس کو دو وجوہ سے روایت کیا، ایک وجہ روایت حماد کی طرح ہے اور دوسری اس کے مخالف (المسند ۶/۱۹۲) میں ہے۔ بقیہ حاشیہ ص ۱۲۸ پر

اور اسی پر اکتفا کرتے ہوئے حماد بن سلمۃ کی روایت ثابت
یہاں تک کہ اس کے نزدیک بھی جس نے ان کے انکار پر باقی عدد

حدیث ——— ۴

طبرانی نے معجم کبیر (۲۴/ ۳۵۲) میں کہا، حدیث ۸۷۱

حدثنا أحمد بن حماد بن زغبة ثنا روح بن صلاح ثنا سفيان الثوري عن عاصم الأحول، عن أنس بن مالك قال:

ہم سے احمد بن زغبہ نے بیان کیا، روح بن صلاح نے بیان کیا، ان سفیان ثوری نے بیان کیا، ان کو عا احول نے ان سے انس بن مالک نے، انہوں نے کہا:

لَمَّا مَاتَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَسَدِ بْنِ هَاشِمٍ أُمُّ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ دَخَلَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ عِنْدَ رَأْسِهَا فَقَالَ:

"رَحِمَكِ اللهُ يَا أُمِّي كُنْتِ أُمِّي بَعْدَ أُمِّي تَجُوعِينَ وَ

جب فاطمہ بنت اسد بن ہاشم (ا بن ابی طالب کی والدہ فوت ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تش لائے اور ان کے سرہانے بیٹھ اور کہا:

"اے میری ماں! تجھ پر اللہ رحم فرمائے تو میری ماں کے بعد میری ماں تھی، تو بھوکی رہتی اور مجھے سیر کرتی اور تو

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

اور یہاں ان غلطیوں پر تنبیہ مقصود نہیں۔ لیکن البانی کے تعصب کو واضح کرنا مقصود ہے تو حماد بن سلمۃ اولیٰ ہے کہ حدیث اعمیٰ میں انہیں قبول کیا جائے۔

تُشْبِعِينِي وَتَعْرَيْنَ وَتَكْسِينِي وَتَمْنَعِينَ نَفْسَكِ طَيِّبًا وَتُطْعِمِينِي تُرِيدِينَ بِذَلِكَ وَجْهَ اللهِ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ." ثُمَّ أَمَرَ أَنْ تُغَسَّلَ ثَلَاثًا فَلَمَّا بَلَغَ الْمَاءُ الَّذِي فِيهِ الْكَافُورُ سَكَبَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ ثُمَّ خَلَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَمِيصَهُ فَأَلْبَسَهَا إِيَّاهُ وَكَفَّنَهَا بِبُرْدٍ فَوْقَهُ ثُمَّ دَعَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ وَأَبَا أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيَّ وَعُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَغُلَامًا أَسْوَدَ يَحْفِرُونَ فَحَفَرُوا قَبْرَهَا فَلَمَّا بَلَغُوا اللَّحْدَ حَفَرَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ وَأَخْرَجَ تُرَابَهُ بِيَدِهِ فَلَمَّا فَرَغَ دَخَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاضْطَجَعَ فِيهِ ثُمَّ قَالَ۔

برہنہ رہ کر بھی مجھے پہناتی اور اپنی رغبت کو ترک کر کے بھی مجھے کھلاتی۔ اس کے ساتھ تو اللہ کی رضا اور دار آخرت کو چاہتی تھی۔" پھر حکم فرمایا کہ انھیں تین مرتبہ غسل دیا جائے تو جب وہ پانی پہنچا جس میں کافور تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ سے پانی بہایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص کو اتارا اور وہ ان کو پہنادی اور اپنی چادر کا انھیں کفن پہنایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسامہ بن زید، ابو ایوب انصاری، عمر بن خطاب اور ایک غلام اسود (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو بلایا کہ وہ قبر کھودیں۔ انہوں نے اس کی قبر کھودی جب لحد تک پہنچے تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے کھودا اور اس کی مٹی اپنے ہاتھ سے نکالی جب فارغ ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخل ہوئے اور اس میں لیٹ گئے پھر کہا:

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ اِغْفِرْ لِأُمِّيْ فَاطِمَةَ بِنْتِ أَسَدٍ وَلَقِّنْهَا حُجَّتَهَا وَوَسِّعْ عَلَيْهَا مُدْخَلَهَا بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْأَنْبِيَاءِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِيْ فَإِنَّكَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ" وَكَبَّرَ عَلَيْهَا أَرْبَعًا وَأَدْخَلُوْهَا اللَّحْدَ هُوَ وَالْعَبَّاسُ وَأَبُوْبَكْرٍ الصِّدِّيْقُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

(حدیث: ۸۷۱)

اللہ وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ایسا زندہ ہے جس کو موت نہیں۔ (اے اللہ تو میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اور ان کو قبر کے سوال و جواب سمجھا دے اور ان پر ان کی قبر کو کشادہ فرما اپنے نبی اور مجھ سے قبل تمام انبیاء کے حق کے سبب بیشک تو بہت بڑا رحم کرنے والا ہے" اور ان پر چار تکبیریں پڑھیں اور ان کو لحد میں آپ، عباس اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم نے داخل کیا۔

اور اس کو طبرانی نے (الاوسط: ۱/۱۵۲) میں اسی طریق سے اور اس کے طریق سے ابو نعیم نے (الحلیہ: ۳/۱۲۱) میں اور ابن جوزی (العلل المتناہیۃ ۱/۲۶۸) میں روایت کیا، اور یہ حدیث حسن ہے۔

ہیثمی نے (مجمع الزوائد ۹/۲۵۷) میں کہا کہ "اس کو طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا اور اس میں روح بن صلاح ہے جس کی ابن حبان اور حاکم نے توثیق کی، اس میں ضعف ہے اور اس کے بقیہ راوی رجال صحیح ہیں۔"

میں کہتا ہوں: شیخ طبرانی احمد بن حماد بن زغبہ ثقہ اور نسائی کے شیوخ میں سے ہیں اور اس کی صحیح میں تخریج نہیں کی گئی۔

روح بن صلاح میں اختلاف ہے، ایک قوم نے ان کی توثیق کی اور ایک نے تضعیف، تو ایسے لوگوں کا حال معلوم کرنے میں تحقیق کی ضرورت ہے۔

...کے بارے میں حاکم نے "سوالات السجزی" میں "ثقہ مامون" کہا اور ان ... ابن حبان نے (الثقات ۸/۲۴۴) میں کیا۔ اور ان سے یعقوب بن ... الفسوی نے (المعرفۃ والتاریخ ۳/۴۰۷) میں روایت کیا ہے وہ ان ... لقب ہے۔ الفسوی نے کہا (التہذیب ۱۱/۴۷۰) "میں نے مصر کے شیوخ ... ہے اور وہ تمام کے تمام ثقہ ہیں۔"

لیکن جس نے ان پر جرح کی ہے اس نے نہ ہی سبب جرح ذکر کیا اور ... وضاحت کی اور دار قطنی نے (المؤتلف والمختلف ۳/۱۳۷۷) ... روح بن صلاح، ابن لہیعہ اور ثوری وغیرہما سے روایت کرتا ہے ... ہے اور حدیث میں ضعیف ہے۔" اسی کی مثل ابن ماکولا نے (الاکمال ۵/۱۵) اور ابن عدی نے (الکامل ۳/۱۰۰۵) میں کہا۔

... جرح مبہم ہے واضح نہیں، تو پہلی مذکور تعدیل کے مقابلہ میں رد ہو ... جیسا کہ مسلم و معروف ہے۔

اس کی مثال حافظ کا قول (مقدمۃ الفتح صفحہ ۴۴۳) میں "محمد ابن بشار ... کے حالات میں کہا کہ "عمرو بن علی الفلاس نے ان کی تضعیف کی ... سبب ذکر نہیں کیا تو ان پر اس کی جرح کو قبول نہیں کیا جائے گا۔"

اور البانی نے (الضعیفۃ ۱/۳۲-۳۳) میں دعویٰ کیا کہ روح بن صلاح میں بقول ابن یونس کے جرح واضح ہے۔ "رُوِيَتْ عَنْهُ مَنَاكِيْرُ" ... ان سے منکرات روایت کیں) اور ابن عدی کا قول الکامل میں "فِيْ بَعْضِ حَدِيْثِهِ نَكَرَةٌ" (اس کی بعض حدیث میں نکارت ہے)

(البانی کا کلام ان دو وجوہ سے محل نظر ہے)

میں کہتا ہوں (۱) ابن یونس اور ابن عدی کی عبارات جرح پر دلالت

نہیں کرتیں۔ ابن دقیق العید نے "شرح الالمام" میں جیسا کہ انصب
١/١٧٩) میں اور فتح المغیث (١/٣٤٢) میں ہے، محدثین کا محض
منکرات کی روایت اس کی روایت کو ترک کر دینے کا تقاضا نہیں
ہاں اگر منکرات اس کی روایات میں زیادہ ہوں اور وہ منکر الحدیث
مستحق ہو کیونکہ منکر الحدیث ہونا آدمی کا ایسا وصف ہے۔ جس کی وجہ
اس کی روایت کو ترک کرنا لازم آتا ہے۔

٢۔ ان کا کہنا "روی المناکیر" یا "روایت عنہ مناکیر" بھی کوئی جرح نہیں
کبھی منکرات اس کے شیوخ سے ہوں گی اور کبھی اس سے روایت کرنے
راویوں سے اور ان کی روایت میں فقط اس کا احتمال ہوگا۔

حاکم نے دار قطنی سے کہا (السؤالات ص ٢١٧-٢١٨) کہ سلیمان
بنت شرحبیل کا کیا معاملہ ہے، فرمایا ثقہ ہے، میں نے کہا کیا اس کے
مناکیر نہیں ہیں؟ تو کہا کہ انہوں نے ان روایات کو ضعیف قوم سے بیان

تو ہر وہ راوی جس نے مناکیر روایت کیں ہوں وہ ان کے نزدیک
نہیں ہے اور ابن عدی نے اپنی (الکامل ٣/١٠٠٥) میں روح بن صلاح
حالات میں ان سے دو حدیثیں روایت کیں اور ان میں آفت و حمل "روح
صلاح" سے مروی ہونا قرار دیا۔ اور ابن عدی کی عادت گزر چکی ہے۔

جیسا کہ حافظ (مقدمۃ الفتح ص ٤٤٩) میں کہتے ہیں کہ اس نے ایسی
کی تخریج کی ہے جو ثقہ یا غیر ثقہ پر منکر ہوں، اگر ابن عدی کو کوئی ایسی بات
جس پر روح بن صلاح پر انکار ہوتا تو ضرور اس کو ان کے حالات میں
لیکن اس نے اسی سے مروی روایت تخریج کی حالانکہ وہ منکر ہے۔ لیکن
میں حمل اس کے غیر پر ہے۔ فتدبر۔

فائدہ ۔ البانی نے حدیث مذکور کی تضعیف کا ارادہ کیا اور روح بن
کے بارے میں ابن یونس کے قول "روت عنہ مناکیر" کا اعتبار کرتے
جرح واقع ہے جس سے راوی کی تضعیف کی جا سکتی ہے لیکن
کے کلام میں یہ منافی ہے کیونکہ اس نے ایک اور راوی کے بارے
کے قول "لہ مناکیر" کے بارے میں کہا کہ یہ کسی صورت میں جرح
بات انہوں نے شیخ ابو علی کے خلاف لکھی جانے والی
کے ص ٤٠، ٤٨ میں کہی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر معاملہ یہ ہے کہ
١٠٩٠) پر "منکر الحدیث" الفاظ کے بارے میں کہا یہ مردود جرح ہے
مفسر نہیں۔

تم نے دیکھا ان دونوں اقوال میں تفریق نہیں حالانکہ تم دیکھتے ہو
کے ہاں دونوں میں فرق ہے۔ لہٰذا جب وہ محض اپنی ذاتی رائے
کر اس کی تائید کرتا ہے، وہ قواعد حدیث سے دور چلا جاتا
اپنی رائے پر چلنے والا بن جاتا ہے۔ واللہ المستعان۔

فصل

البانی نے امام ابن حبان اور ان کے شاگرد امام حاکم کی توثیق اجر
روح بن صلاح) کے رد میں الضعیفۃ (١/٣٢) میں کہا کہ
توثیق میں جلدی کرنے والا ہے۔ بہت سے مجہول ہیں جن کی اس
کی اور جلدی کرنے میں حاکم بھی اس کی مانند ہے۔ جیسا کہ تم اور
کو اصول پر جاننے والے پر مخفی نہیں۔ ان دونوں کے قول کا تعارض
کوئی وزن نہیں ہوتا یہاں تک کہ اگرچہ جرح مبہم ہو اور اس کا کوئی

سبب ذکر نہ کیا گیا ہو"۔

ہم کہتے ہیں:

یہ کلام اس کا جس نے "ابن حبان کی توثیق کو نہیں سمجھا اور نہ ہی اس [illegible]
الثقات" میں تحقیق کی ہے، بعض اس کی توثیق کو رد کرنے میں جلدی کی [illegible]
یہاں یہ تفصیل بہتر ہے۔

توثیق ابن حبان کی تقسیم

ابن حبان کی توثیق دو قسموں پر ہے۔ جیسا [illegible] نے (مقدمۃ الثقات ۱۳/۱) میں بیان [illegible]

۱- وہ راوی جس کے بارے جرح و تعدیل کے علماء کا اختلاف ہے [illegible]
جب اس کا ثقہ ہونا اس کے نزدیک ثابت ہو گیا تو اس نے اُسے "الثقا[illegible]
میں شامل کیا، ورنہ وہ اُسے کسی اور کتاب میں داخل کرتا ہے۔

۲- جو آدمی جرح اور تعدیل کے ساتھ معروف نہیں اور اس کے تمام شیو[illegible]
اور اس سے روایت کرنے والے ثقہ ہوں اور وہ حدیث منکر نہیں بھی لاتا تو و[illegible]
کے نزدیک ثقہ ہے۔

اور ابن حبان اس مذہب میں منفرد نہیں، لیکن راویوں کی یہ نوع جمہور [illegible]
نزدیک مجہول الحال تھے۔

بہرحال جلد بازی کی نسبت ابن حبان کی طرف فقط نوع ثانی کے لحاظ [illegible]
ہے۔ ابن حبان کی توثیق کی مطلق تردید کرنا سخت غلطی ہے اور نہ اس کی طرف [illegible]
تساہل کی نسبت مطلقاً صحیح ہے۔ وہ تو راویوں کی معین نوع میں فقط نو[illegible]
میں ہے۔

ٹ جب رجل مجہولین میں سے نہیں، تو ابن حبان کی توثیق روح بن صلاح کے لیے [illegible]
ہوگی، اس لیے کہ ان کا مرتبہ دوسرے نقاد رجال کو پرکھنے والے کی طرح ہی ہے۔

رہی نوع اول تو اس میں بھی توثیق دیگر ائمہ کی توثیق سے ہرگز کم نہیں جب
معلوم ہوا کہ ابن حبان کی روح بن صلاح کے لیے توثیق کا رد فقط تساہل کے
دعویٰ سے ہے تو یہ واضح طور پر محل نظر ہے۔

پس روح بن صلاح سے یعقوب بن سفیان حافظ، محمد بن ابراہیم بوشنجی فقیہ
حافظ، احمد بن حماد بن زغبہ صاحب نسائی ثقہ، احمد بن رشدین اور اس کے بیٹے
عبدالرحمن اور علیبی بن صالح مؤذن نے روایت کیا، حالانکہ اس میں جرح و تعدیل
[illegible] اور بعض نے اس پر کلام کرنے میں ابن حبان سے بھی سبقت کی، جیسے ابن یونس۔

پھر حاکم کی توثیق کا رد بھی محض تساہل کے دعویٰ سے کرنا واضح غلطی ہے
اس لیے کہ علماء ہمیشہ حاکم پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی توثیق نقل کرتے رہے
اور اس سے کتب بھری پڑی ہیں جو ہمارے سامنے ہیں۔

اور حاکم حدیث میں اپنے زمانے کے امام تھے۔ ان کو جرح و تعدیل،
علل اور حدیث کے تمام فنون میں معرفت تامہ حاصل تھی اور رجال پر کلام کے
معاملہ میں اپنے مشائخ سے خوب مراجعت کرتے تھے اور دارقطنی جو ان کے
اشیاخ میں سے ہیں، وہ ان کو شیخ ابن مندہ پر مقدم رکھتے۔

اور حافظ ابو حازم عبدوی نے کہا کہ میں نے اپنے مشائخ کو یہ کہتے
ہوئے سنا کہ شیخ ابوبکر بن اسحاق اور ابو ولید نیساپوری اہل جرح و تعدیل اعلل
حدیث اور حدیث کی صحت اور سقم کے متعلق پوچھنے کے لیے امام ابو عبداللہ
حاکم کی طرف رجوع کرتے تھے۔

حافظ عبدوی نے کہا کہ میں شیخ ابو عبداللہ عصمی کے پاس تقریباً تین
سال ٹھہرا رہا اور میں نے ان کو اپنے تمام مشائخ سے زیادہ متقی اور زیادہ
پابندِ دین کرنے والا دیکھا۔ تو جب انہیں کسی امر میں اشکال ہوتا تو مجھے امام حاکم

ابوعبداللہ کی طرف لکھنے کا حکم دیتے اور جب ان کی طرف سے جواب آتا تو اس پر وثوق و اعتماد کرتے اور وہ اس سال مشائخ پر انہیں ترجیح دیتے۔

(الطبقات الشافعیۃ، ۱۵۷/۳)

ہاں ایک بات ہے کہ ذہبی نے الجزء فی ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل ص ۱۰۳ میں ذکر کیا کہ حاکم تساہل کرنے والوں میں سے ہیں جیسے ترمذی میں کہتا ہوں، حاکم کا تساہل مستدرک کے ساتھ خاص تھا اور امام حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ کو اس کلام کی اصلاح اور چھان بین کرنے سے قبل موت نے آ لیا، جیسا کہ ان کے بارے میں مشہور ہے اور حاکم کا روح بن صلاح کی توثیق کرنا مستدرک سے خارج "سوالات السجزی" میں ہے اور امام حاکم کے تساہل کے دعوی کی تقویت اس سے کی گئی کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں وارد ہونے والی احادیث کی تصحیح کی جس کے سبب ان کو برا بھلا کہا گیا، حالانکہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حاکم ان احادیث میں حق پر ہیں۔

بہرحال مستدرک کے علاوہ ان کا کلام دیگر ائمہ نقاد کی طرح ہے بلکہ آپ دیکھیں گے کہ بعض اوقات وہ دوسروں سے زیادہ سختی کرتے ہیں، انہوں نے ابن قتیبہ کی تکذیب کی جیسا کہ المیزان ۵۰۳/۲ میں اور محمد بن فرج الازرق کے ترجمہ (۴/۳) میں ہے۔

ذہبی نے کہا: کہ حاکم نے محض ان کی حسین کرابیسی سے صحبت کی بنا پر

۱؎ یہ التنکیل: ۱/۵۹م میں مشہور ہے، البانی نے اسے شائع کیا اور اس کے مضامین سے مخالفت پر استدلال کیا، لہذا اس کے بارے میں البانی سے موافقت دیکھی جائے۔

اس میں کلام کیا، اور یہ زیادہ تشدد ہے۔"

اور کتنے عجیب لگتے ہیں امام حاکم نے بخاری و مسلم پر کہ انہوں نے ایسے رجال کی حدیث بیان کی جن میں کلام کیا۔

فرض کریں کہ حاکم متساہل ہے (جس طرح وہ کہتے ہیں) اس نے روح بن صلاح کو "ثقۃ مامون" کہا، پس راوی ان کے نزدیک قبول اور توثیق کے اعلیٰ درجات پر ہے، تو یہ عدل نہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے۔ اور اس پر ڈٹے رہیں کہ ہم نے اس قول کو کلی طور پر ساقط کرنا ہے بلکہ ہم کہیں گے کہ وہ "ثقہ" ہیں اور اگر ہم انتہائی تشدد سے کام لیں تو ضروری ہے کہ راوی "صدوق" ہوں گے۔

پھر جب اس توثیق کو ابن حبان کی توثیق سے ملایا جاتا اور تو ہٹ دھرمی کے اہل علاج پر بھی ہو تو تیسے یعنی کی توثیق سے اعراض کرنا ممکن نہیں اور ابن حبان کی توثیق یعقوب بن سفیان الفسوی کی توثیق کے ضمن میں قوی ہو جاتی ہے کیونکہ وہ ان کے مشائخ سے ہے، پس اس آدمی کی حدیث درجہ حسن سے کم نہیں۔

(واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

نسائی کا قول ہے کہ ان دونوں (حاکم اور ابن حبان) کا قول تعارض کے

۱؎ انہوں نے اپنا کلام نقل کیا اور اسے شیخ حماد بن محمد بن انصاری نے البانی کی کتاب ص ۴۳ میں نقل کی اور اس کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے کہا میں پسند کرتا ہوں کہ وہ روح بن صلاح سے قول "دیکھیں ص ۴۳ کے الفاظ میں" دیکھیں اور جرح کو ان کی عبارات روح بن صلاح کی تضعیف پر متفق پر مجھے نہیں معلوم کہ کیا یعقوب بن سفیان الفسوی، حاکم اور اس کے ابن حبان طلبہ حدیث میں سے تھے یا اس کے ائمہ میں سے یا اہل ڈگری والوں میں سے؟ کیوں ہے یہ اندھا پن؟ اور کیوں ہے یہ گھبراہٹ و شور۔

وقت کوئی وزن نہیں رکھتا (حتی لو کان الجرح مبھما الوحید کر لہٗ سبب) اگرچہ جرح مبہم ہو، اس کا سبب ذکر نہ ہو۔

پس اس میں ان دونوں اماموں کی توثیق سے کلی طور پر اعراض ہے اور ایسا قول محل نظر ہے اور اس کا سماع درست نہیں، کیونکہ یہ واقع کے خلاف ہے اور اس میں غیر محمود جرأت ہے۔

پھر خشک مزاج نے احمقانہ زیادتی کرتے ہوئے کہا: حتی لو کان الجرح مبھما الوحید کر لہٗ سبب، میں کہتا ہوں اس نے سخت زیادتی کی، یہ مثال ہے اس کلام ساقط کی "کہ ہم نے ہر مشتغل بالحدیث کو اسے کلام ساقط مذاق کرتے ہوئے دیکھا" اور ہم اس سے پناہ کرتے ہیں۔ (واللہ المستعان)

حاصل کلام گذشتہ کلام کا خلاصہ ہے کہ بلاشبہ روح بن صلاح "صدوق" ہے اور حدیث "حسن الاسناد" ہے۔ واللہ اعلم

حدیث — ۵

حَيَاتِي خَيْرٌ لَكُمْ تُحَدِّثُونَ وَيُحَدَّثُ لَكُمْ وَوَفَاتِي خَيْرٌ لَكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ أَعْمَالُكُمْ فَمَا رَأَيْتُ مِنْ خَيْرٍ حَمِدْتُ اللهَ عَلَيْهِ، وَمَا رَأَيْتُ مِنْ شَرٍّ اسْتَغْفَرْتُ لَكُمْ۔

"میری حیات (ظاہری زندگی) تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم (جو) پوچھتے ہو تمہارے لیے بیان کر دیا جاتا ہے اور میری وفات بھی تمہارے لیے بہتر ہے کہ مجھ پر تمہارے اعمال پیش کیے جائیں گے، پس جو میں بھلائی دیکھوں گا اس پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کروں گا اور جو میں برائی دیکھوں گا تو تمہارے لیے بخشش مانگوں گا۔"

حافظ ابوبکر البزار نے اپنی مسند (کشف الاستار ۱/۳۹۷) میں کہا

حدثنا یوسف بن موسیٰ، ثنا عبد المجید بن عبد العزیز بن ابی رواد عن سفیان عن عبد اللہ بن السائب عن زاذان عن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال

ہم سے یوسف بن موسیٰ نے بیان کیا ان سے عبد المجید بن عبد العزیز بن ابی رواد نے بیان کیا، وہ سفیان سے وہ عبد اللہ بن سائب سے وہ زاذان سے وہ عبد اللہ سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"حیاتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم ووفاتی خیر لکم تعرض علیّ اعمالکم فما رأیت من خیر حمدت اللہ علیہ، وما رأیت من شر استغفرت لکم"

"حیاتی خیر لکم . . . ." الخ

توثیق سند حافظ عراقی نے (طرح التثریب ۳ /۲۹۷) میں کہا اس کی سند جید ہے۔

اور ہیثمی نے (مجمع الزوائد: ۹/۲۴) میں کہا، اس کو بزار نے روایت کیا اور اس کے رجال، صحیح کے رجال ہیں۔

اور امام سیوطی نے (الخصائص ۲/۲۸۱) میں اسے صحیح قرار دیا اور المناوی نے التخریج میں بھی جیسے انہوں نے کہا۔

اور ہمارے شیخ علامہ محقق سید عبد اللہ بن صدیق غماری رحمۃ اللہ تعالیٰ

ونور مرقدہؒ کی اس حدیث کے بارے میں ایک مفید کتاب طبع ہوئی ہے جس کا نام نهاية الآمال في شرح وتصحيح حديث عرض الأعمال ہے۔[1]

اور سند کے رجال ثقہ ہیں اور عبدالمجید بن عبدالعزیز بن ابی رواد ثقہ ہے جن کے ساتھ مسلم نے بھی احتجاج کیا ہے اور عنقریب ان کے بارے میں تفصیلی کلام آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اور حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کے علاوہ حدیث کے یہ اور بھی طرق ہیں پس حضرت انسؓ اور بکر بن عبداللہ مزنی سے بطور مرسل آئی ہے اور وہ انتہائی صحت پر ہے اور محمد بن علی بن حسین سے بطور معضل ہے۔

لیکن بکر بن عبداللہ مزنی سے مروی مرسل حدیث کے دو طرق صحیح ہیں۔[2] اور تیسرا ضعیف۔ ان دو صحیح طرق کی قاضی اسماعیل نے فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۳۶-۳۹ میں تخریج کی ہے اور ابن عبدالہادی نے الصارم ص ۲۲ میں کہا کہ یہ اسناد بکر مزنی تک صحیح ہے اور بکر ثقات تابعین اور ان کے ائمہ میں ہے۔ اور تیسری ضعیف ہے حارث بن ابی اسامہ نے اپنی مسند میں روایت کیا۔

حدثنا الحسن بن قتيبة، ثنا جسر بن فرقد عن بكر بن عبدالله المزني به مرفوعًا

"ہم سے حسن بن قتیبہ نے بیان کیا، ان سے جسر بن فرقد نے بیان کیا، بکر بن عبداللہ مزنی سے بطور مرفوع"

[1] اس کتاب کا ترجمہ "مشاہدہ اعمال امت" کے نام سے عالمی دعوت اسلامیہ شائع کر چکی ہے۔ [2] اکثر ائمہ کے ہاں مرسل خود حجت ہے جیسے امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد وغیرہم

(المطالب العالية ۳: ۲۲/۳)

میں کہتا ہوں، حسن بن قتیبہ اور اس کا شیخ دونوں ضعیف ہیں۔

اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث، کہ ابو طاہر مخلص نے اپنے فوائد (من الاکتفاء ص ۱۰) میں کہا:

حدثنا يحيى بن محمد ابن صاعد ثنا الغلام بالبصرة، ثنا محمد بن عبدالله بن زياد أبو سلمة الأنصاري ثنا مالك بن دينار عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم.

ہم سے بیان کیا یحییٰ بن محمد بن صاعد نے ان سے بصرہ میں بیان کیا غلام نے اس نے بیان کیا محمد بن عبداللہ بن زیاد ابو سلمہ انصاری نے ان سے بیان کیا مالک بن دینار نے ان سے بیان کیا انس بن مالک نے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

حياتي خير لكم ثلاث مرات ووفاتي خير لكم ثلاث مرات فسكت القوم فقال عمر بن الخطاب رضي الله عنه بأبي أنت وأمي كيف يكون هذا؟ قلت: حياتي خير لكم ثلاث مرات وموتي خير لكم ثلاث مرات، قال: حياتي خير لكم ينزل علي الوحي من السماء أخبركم بما يحل لكم وما

میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے (تین مرتبہ) اور میری وفات تمہارے لیے بہتر ہے (تین مرتبہ) قوم خاموش رہی تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، کس طرح جیسے؟ آپ نے فرمایا میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے (تین مرتبہ) پھر آپ نے فرمایا: میری موت تمہارے لیے بہتر ہے (تین مرتبہ) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری زندگی

يُحَرِّمُ عَلَيْكُمْ وَمَوْتِي خَيْرٌ لَكُمْ
ثَلَاثُ خِصَالٍ تُعْرَضُ عَلَيَّ
أَعْمَالُكُمْ كُلَّ خَمِيسٍ فَمَا كَانَ مِنْ
حَسَنٍ حَمِدْتُ اللّٰهَ عَلَيْهِ وَمَا
كَانَ مِنْ ذَنْبٍ اسْتَوْهَبْتُ لَكُمْ
ذُنُوبَكُمْ" (من الاكتفاء ص ۱۱)

تمہارے لیے بہتر ہے کہ مجھ پر آسمانوں سے وحی نازل ہوتی ہے تو میں تمہیں خبر دیتا ہوں جو تمہارے لیے حلال ہے اور جو تم پر حرام ہے اور میری موت تمہارے لیے بہتر ہے (تین مرتبہ) کہ مجھ پر تمہارے اعمال ہر جمعرات کو پیش کیے جائیں گے پس جو نیکی ہوگی اس پر میں اللہ کی تعریف کروں گا اور جو گناہ ہوا تو تمہارے گناہوں کی تمہارے لیے بخشش مانگوں گا

میں کہتا ہوں: ابو سلمة انصاری کی ابو طاہر نے تکذیب کی ہے اور دوسروں نے اس کو ترک کیا، حالانکہ اس کے لیے انس سے روایت کرنے میں ایک اور بھی طریق ہے جو اس سے زیادہ ساقط ہے۔ اس کو ابن عدی نے (۲/۹۴۵) روایت کیا ہے اور حارث بن ابی اسامۃ نے بھی جیسا کہ (المغنی ۲/۱۴۷) میں ہے اس روایت میں خراش بن عبداللہ ہے۔

اور رہی حدیث محمد بن علی بن حسین ابو جعفر علیہم السلام کی تو حافظ سید احمد بن صدیق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے الاکتفاء فی تخریج احادیث الشفاء (ص ۱۱) میں کہا: اس کو ابو جعفر طوسی نے "الامالی" میں ابراہیم بن اسحاق نہاوندی احمری کے طریق سے روایت کیا کہ مجھ سے محمد بن عبد الحمید اور عبداللہ بن صلت نے حنان بن سدیر سے اپنے والد سے بیان کیا کہ ابراہیم نے کہا: مجھ سے عبداللہ بن حماد نے سدیر سے، ان سے ابو جعفر نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کی ایک جماعت میں ارشاد فرمایا۔

"إِنَّ مُقَامِي بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ خَيْرٌ
لَكُمْ وَإِنَّ مُفَارَقَتِي إِيَّاكُمْ
خَيْرٌ لَكُمْ"

"بے شک تمہارے درمیان میرا ٹھہرنا تمہارے لیے بہتر ہے اور بے شک میرا تم سے جدا ہونا بھی تمہارے لیے بہتر ہے"

تو حضرت جابر بن عبداللہ انصاری نے کھڑے ہو کر عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک ہمارے درمیان آپ کا ٹھہرنا تو ہمارے لیے بہتر ہے۔ لیکن آپ کا ہم سے جدا ہونا کس طرح ہمارے لیے بہتر ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے درمیان میرا ٹھہرنا تمہارے لیے بہتر ہے۔ کیونکہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ
فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ
وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ"

اور اللہ کی شان نہیں کہ انھیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو اور اللہ انھیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں

اور میرا تم سے جدا ہونا بھی تمہارے لیے بہتر ہے، کیونکہ تمہارے اعمال مجھ پر ہر پیر اور جمعرات پیش کیے جائیں گے۔ پس جو کوئی اچھائی ہوگی اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا اور جو کوئی برائی ہوگی تو میں تمہارے لیے بخشش مانگوں گا۔ یہ غیر صحیح بلکہ تحریف و ترکیب شدہ کہا ہے۔ اپنی تصانیف میں نقل کیا، اور اگر وہ خود ضعیف ہے۔ جیسا کہ اس کے بارے میں علامہ طوسی نے "الفہرست" میں کہا:

"كَانَ ضَعِيفًا فِي حَدِيثِهِ
مُتَّهَمًا فِي دِينِهِ"

کہ وہ اپنی حدیث میں ضعیف اور دین میں متہم زدہ ہے اور اسی طرح اس سے قبل نجاشی وغیرہ نے

(کتاب الکشف فی تخریج أحادیث الشفا للسید احمد

الصدیق الغماری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

الغرض یہ حدیث بلاشک وشبہ صحیح ہے۔

حافظ عراقی

جب تم حافظ عراقی کے قول سے آگاہ ہو جاؤ گے (تو [illegible]

(۴/۱۴۷) کہ بزار نے حضرت عبداللہ بن مسعود [illegible]

کی تخریج کی ہے اور اس کے رجال عبدالمجید بن ابی رواد کے [illegible]

کے رجال ہیں۔ اگرچہ مسلم نے اس سے حدیث لی ہے اور ابن معین

نے اس کی توثیق کی ہے۔ لیکن کثیر ائمہ نے اس کی تضعیف کی ہے [illegible]

مثل اسناد ضعیف سے حارث بن ابی اسامہ نے حدیث انس سے [illegible]

میں اس کو روایت کیا۔

تحقیقی گفتگو

ان چند امور کی وجہ سے اس کی مخالفت کا کوئی [illegible]

اس کے تابع ہیں حافظ عراقی نے بزار کی سند کو [illegible]

(۲/۲۹۷) میں جید قرار دیا ہے اور "طرح التثریب" میں اس کا کلام

أحادیث الاحیاء کے کلام پر مقدم ہے۔ پہلی مذکور ان کی آخری کتب [illegible]

اور دوسری کو انہوں نے بیس سال سے کم عمر میں لکھا۔ تقی الدین ابن [illegible]

(لحظ الألحاظ صـ ۲۲۸) میں کہا کہ حافظ عراقی "تخریج أحادیث الا[illegible]

جب مشغول ہوئے تو ان کی عمر بیس سال کے قریب تھی۔

۲۔ حافظ عراقی کا کلام حدیث کے حسن ہونے کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ [illegible]

نے اسے دو طریق سے ذکر کیا۔ اگر ان دونوں کا ضعف تسلیم بھی کر لیا [illegible]

حدیث ان دونوں طریقوں سے حسن ہے جیسا کہ مسلمہ ضابطہ ہے۔

۳۔ یہ حدیث حافظ عراقی کے نزدیک بھی لازماً حسن ہے اور [illegible]

[illegible] یعنی طریق ابن مسعود اور طریق انس پر کلام کیا ہے اور بکر بن

[illegible] کی اصل حدیث پر انہوں نے کلام نہیں کیا گر وہ اتفاقی صحیح حدیث

[illegible] اس پر مطلع ہوتے تو اس پر کلام ترک نہ کرتے۔

[illegible] عراقی نے ذکر کیا اور جو بھی تھوڑا اس کی طرف نظر کرنے سے حدیث

[illegible] اور اس کی قبولیت کی پختگی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

البانی اور اس کا محاسبہ

البانی نے اپنی عادت کے مطابق اس حدیث

کو بھی ضعیف قرار دینے کی کوشش کی (جیسا

[illegible] الاحادیث میں کیا کرتا ہے) اور ایسا راستہ اختیار کیا جس پر کوئی بھی

[illegible] ایک عجیب معیوب کھیل کھیلا۔

[illegible] اس عجیب وغریب داؤ پیچ سے حدیث کو ضعیف گرداننے کی

[illegible] (الضعیفہ ۲/۴۰۵) میں کی اس حدیث کو ایک دوسری حدیث سے ملا دیا۔

[illegible] کی جماعت نے روایت کیا ہے اور اس نے حدیث "حیاتی [illegible]"

[illegible] کو حدیث اول پر اضافہ کیا جس کے ساتھ عبدالمجید بن

ابی رواد منفرد ہے اور حدیث ثانی پر شاذ ہونے کا حکم [illegible]

[illegible] عبدالمجید کی مخالفت ہے ان ثقات سے، جنہوں نے حدیث اول

[illegible] !!

[illegible] کہ حافظ بزار نے اپنی مسند میں کہا:

حدثنا یوسف بن موسیٰ ثنا — ہم سے یوسف بن موسیٰ نے بیان کیا

عبدالمجید بن عبدالعزیز بن — کہ ہم سے عبدالمجید بن عبدالعزیز بن

ابی رواد عن عبداللہ بن السائب — ابی رواد نے عبداللہ بن سائب سے

عن زاذان عن عبداللہ عن النبی — زاذان سے عبداللہ سے، النبی صلی اللہ علیہ وسلم

صلی اللہ علیہ وسلم قال: "إنّ للہ ملٰئکۃ سیاحین یبلغونی عن أمتی السلام" قال، وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "حیاتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم ....." الحدیث)

سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا: بے شک اللہ کے فرشتے زمین میں سیر و سیاحت کرتے ہیں جو میرے امتی کا سلام مجھے پہنچا دیتے ہیں۔ راوی نے کہا: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "حیاتی خیر لکم" .... الحدیث)

حدیث اول کو سفیان سے ثقات کی ایک جمعیت نے روایت کیا۔

اور حدیث ثانی کے ساتھ عبد المجید بن عبد العزیز بن ابی رواد منفرد ہیں جبکہ البانی نے ان دونوں حدیثوں کو ایک حدیث بنایا اور دوسری حدیث پر شاذ ہونے کا حکم لگا دیا اور اس حدیث کو ایک مستقل حدیث شمار نہ کیا بلکہ اسے اضافہ کہا اور یہ واضح غلطی ہے۔

گہری نظر رکھنے والا ضرور جانتا ہے کہ بزار نے سند کے عدم تکرار اور اختصار کے پیش نظر ان دونوں حدیثوں کو ایک سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور یہ کتب حدیث میں اکثر پایا جاتا ہے۔ جہاں وہ چند متون کے لیے ایک سند ذکر کر دیتے ہیں اور یہ ظاہر ہے۔ اسے کسی شرح و بیان کی حاجت نہیں اور حافظ سیوطی نے درست کیا ہے کہ اپنی جامعین صغیر و کبیر میں حدیث اول کو ایک جگہ اور حدیث ثانی کو دوسری جگہ پر ذکر کیا اور یہ ان کے عمدہ تحقیق اور پختہ فہم کی دلیل ہے۔ واللہ اعلم۔

اور البانی کے اس دعویٰ کی خوب وضاحت ضروری ہے جو اس نے تصریح کی کہ عبد المجید بن عبد العزیز بن ابی رواد کے حافظے کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔ اگرچہ بعض نے اس کی توثیق کی ہے۔ لیکن بعض دوسروں نے اس

[illegible] تضعیف کی اور بعض نے سبب بھی واضح کیا (الضعیفۃ: ۲/۴۰۳) تو اس کے کلام سے ضعف رجل ٹپک رہا ہے اور اس لیے کہ رجل [illegible] اور صحیح کے رجال میں سے ہے تو میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اس [illegible] پر اس راوی سے الزامات دفع کرنا اور اس کے ثقہ ہونے کا بیان [illegible] ہے۔

[illegible]ثین کی توثیق ابن معین، احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن شاہین اور خلیلی نے ان کی توثیق کی ہے اور جس شخص کی ان [illegible] نے توثیق کی ہو اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں اکثر ان سے احتجاج کیا ہو وہ پل سے پار (کامیاب) ہو گیا اور جو بھی اس کے بارے میں جرح ہے [illegible] قواعد حدیث کے مطابق صحیح غور و فکر کرنے کے بعد مردود ہو جاتی ہے۔

اب جس نے ان میں کلام کیا اس کے چند اسباب ہیں۔

۱۔ ان کے مذہب کے سبب سے۔

وہ مرجی تھا اور یہ روایت میں مضر نہیں، جیسا کہ اپنے مقام میں بیان کیا گیا ہے اور حافظ ذہبی نے "المیزان" میں عبد المجید بن عبد العزیز کے ذکر کے بعد اقوالات مرجیین (مرجی مذہب رکھنے والے) کی ایک جماعت کے [illegible] میں کہا کہ ارجاء متعدد بزرگ اور مسلم علماء کا مذہب ہے تو اس [illegible] کی وجہ سے ان پر حملہ کرنا مناسب نہیں۔

۲۔ احادیث میں غلطی کرنے کے سبب سے

اس نے حدیث "الأعمال بالنیات" کو مالک کے طریق سے، زید بن اسلم سے، انھوں نے عطاء بن یسار سے، انھوں نے سعید خدری سے مرفوعاً روایت کیا۔ اسی طرح ابو نعیم نے "الحلیۃ" (۶/۳۴۲) میں اس کی تخریج کی

اور قضاعی نے مسند الشہاب (فتح الوہاب ۱: ۱۶/۱) میں اور ابو یعلیٰ خلیلی نے الارشاد (۱: ۲۳۳/۱) میں۔

اور محفوظ طریق مالک سے انھوں نے، انھوں نے یحییٰ بن سعید سے، انھوں نے محمد بن ابراہیم التیمی سے، انھوں نے علقمہ سے، انھوں نے عمر سے مرفوعاً اسی طرح ایک جماعت نے اس کی تخریج کی، اور اسی لیے اس حدیث کو ان احادیث میں شمار کیا جاتا ہے جن میں عبد المجید نے غلطی کی تو ہوا کیا؟ وہ کون ہے جس نے احادیث میں غلطی نہیں کی۔

اور اگر تم ابن عدی کے، عبد المجید بن ابی رواد کے لیے بیان کردہ حالات سے آگاہ ہو جاؤ (الکامل ۵/۱۹۸۲) اور ذہبی کے قول سے بھی جو الموقظہ صفحہ ۷۸ میں ہے کہ ثقہ کی تعریف یہ نہیں کہ وہ نہ کبھی غلطی کرے اور نہ خطا، کون ہے جو اس سے محفوظ ہو؟ کیا غیر معصوم وہ ہوتا ہے جو غلطی پر اقرار نہ کرے؟

اور علامہ ذہبی نے اس معنی پر "میزان الاعتدال" میں کئی مرتبہ تنبیہ کی ہے۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ عبد المجید بن ابی رواد کی حدیث میں بعض وہم کا پایا جانا، اس کو ثقہ کی حد سے خارج نہیں کرتا، خصوصاً جبکہ وہ حافظ اور کثیر الروایۃ ہے اور ایسی باتیں کثیر روایات والوں سے بھی واقع ہوتی رہتی ہیں۔

اور علامہ ذہبی نے ان کو حفظ اور صدق کے ساتھ متصف جانتے ہوئے (النبلاء ۹/۴۳۴) میں کہا۔

"العالم القدوۃ الحافظ الصادق"۔

۲۔ کچھ نے ایسی جرح سے اس پر کلام کیا جو غیر مفسر ہے، جیسے ابو حاتم رازی کا قول جس کا تشدد مشہور ہے "لا یحتج بہ، یعتبر بہ" اور ابن سعد

۱؎ مجھے نہیں معلوم کہ البانی نے اس قول کو وہمی طور پر "نسائی" کی طرف منسوب کرنے کے بعد جرح مفسر کیسے کہا ہے؟

کا قول "کان کثیر الحدیث مرجئاً ضعیفاً" اور وہ کثیر الحدیث، مرجی ضعیف ہے، اور ابو احمد حاکم کا قول "لیس بالمتین عندھم" (وہ ان کے نزدیک پختہ نہیں) اور ابو عبد اللہ حاکم کا قول "ھو ممن سکتوا عنہ" (وہ اس جماعت سے ہے جس سے انھوں نے خاموشی کی)

یہ جرح نہیں چہ جائیکہ ایسی جرح خفیف ہو جس سے صرف ثقات کا طبقہ ہی محفوظ ہے۔ لیکن یہ جرح غیر مفسر ہے، جیسا کہ ابن معین، احمد، ابوداؤد، نسائی وغیرہم کی توثیق کے مقابلے میں رد کرنا ضروری ہے۔

۳۔ کچھ نے ایسی جرح سے ان میں کلام کیا جس میں مبالغہ اور تشدد ہے اور وہ مردود ہے اور وہ ابن حبان ہے جہاں اس نے (المجروحین ۲/۱۶۱) میں کہا "منکر الحدیث جداً، یقلب الاخبار، ویروی المناکیر عن المشاھیر فاستحق الترک" (سخت منکر الحدیث ہے، اخبار کو پلٹتا ہے اور مشہور راویوں سے احادیث منکرہ کو روایت کرتا ہے پس یہ ترک کر دینے کا مستحق ہے۔

اور حافظ نے (التقریب صفحہ ۳۶۱) میں ابن حبان کے مقولہ "یہ ترک"[۱]

۱؎ البانی پر انتہائی تعجب ہے کہ حافظ نے (التقریب صفحہ ۳۶۱) میں ابن حبان کی زیادتی پر تنبیہ کی، اور کہا "صدوق یخطئ وکان مرجئاً، افرط ابن حبان فقال متروک" یہ صدوق ہے غلطی کرتا ہے اور مرجی ہے، لیکن ابن حبان نے متروک کہہ کر سخت زیادتی کی ہے۔ لیکن البانی نے (الضعیفہ ۲/۳۰۴) میں حافظ کے قول "صدوق یخطئ" پر ہی اکتفاء کیا اور ابن حبان پر حافظ کے تعاقب کو ذکر تک نہیں کیا اور یہ فقط اس لیے کیا کہ قارئین کو اس وہم میں مبتلا کر دیا جائے کہ یہ متروک ہے اور ابن حبان کا کلام مقبول ہے، اس کا کسی نے تعاقب نہیں کیا۔ نعوذ باللہ تعالیٰ من اتباع الھوی وشرہ

کے مستحق ہیں" کو سراسر زیادتی قرار دیا ہے۔

کس طرح یہ قوی ترک کا مستحق ہو سکتا ہے؟ اور کیا وہ اس کی روایت کرنے والے سے غائب تھا؟ اور امام احمد اور ابن معین جیسے آئمہ اس کی توثیق کر رہے ہوں؟ اور ابن حبان تو جرح میں سخت مبالغہ کرتا ہے۔ یہاں تک اس کے بارے میں ذہبی نے المیزان (۴۷۴/۲) میں کہا کہ

"ابن حبان بسا اوقات ایک ثقہ آدمی کے بارے میں وہ کچھ کہہ دیتا ہے جو اسے بھی معلوم نہیں کہ اس کے دماغ سے کیا نکل رہا ہے"

اور گویا ابن حبان نے عبد المجید بن ابی رواد پر جرح میں جو مبالغہ کیا ہے اس کی سند وہ ہے جو اس نے (المجروحین ۱۶۱/۲) میں بیان کی۔ عبد المجید کے طریق سے انہوں نے ابن جریج سے، انہوں نے عطاء سے، انہوں نے حضرت ابن عباس سے کہ

القدرية كفر والشيعة هلكة والحرورية بدعة وما نعلم الحق إلا في المرجئة

قدریہ کفر، شیعہ ہلاکت اور حروریہ بدعت ہے اور ہم حق نہیں دیکھتے مگر مرجئہ میں۔

دار قطنی نے "الافراد" میں کہا، اس روایت میں عبد المجید متفرد ہے اور حافظ نے (التہذیب ۳۸۲/۶) میں اتنا اضافہ کیا کہ اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

میں کہتا ہوں! جو کچھ دار قطنی اور حافظ نے کہا، حق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن یہ عبد المجید کو تہمت لگانا مقصود نہیں، پس درست بات جو بلاشک وشبہ حق ہے کہ اتہام اسے جس کی ابن جریج تدلیس کرے کیونکہ وہ بہت بری تدلیس کرتا ہے۔

دار قطنی نے کہا "ابن جریج کی تدلیس سے بچو، بیشک وہ قبیح تدلیس ہے، وہ اسی میں تدلیس کرتا ہے جس کو اس نے مجروح (جس راوی پر جرح ہو) سے سماعت کیا ہو"

امام احمد بن حنبل نے کہا: "بعض ایسی احادیث جن کو ابن جریج نے مرسل کیا ہے، احادیث موضوعۃ ہیں۔ ابن جریج پرواہ تک نہیں کرتا کہ وہ انہیں کہاں سے اخذ کر رہا ہے۔ اسی طرح (المیزان: ۶۵۹/۲) میں ہے

اور اس سے معلوم ہو گیا کہ ابن حبان کی جرح محل نظر ہے اور اس اسناد میں جنایۃ محسوس ہوتی ہے لیکن اس شخص میں جس کو ابن جریج نے مخفی رکھا۔

والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات

حاصل کلام بلاشبہ راوی ثقہ ہے جس طرح اس کے معاصرین امام احمد اور ابن معین نے کہا اور جس نے اس میں کلام کیا، اس کا کلام مردود ہے۔ اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جائے گی۔

اسی سبب سے تو امام مسلم نے صحیح مسلم میں اس پر اعتماد کیا ہے اور اپنے اصول میں اس سے تخریج کی ہے اور اسی لیے حافظ ذہبی نے (من تکلم فیہ وہو موثق ص ۱۲۴) میں کہا

ثقة مرجئ داعية غمزه ابن حبان۔

ثقہ ہے مرجی داعیہ ہے، ابن حبان نے اسے عیب لگایا ہے۔

پس ذہبی کا کلام رجل کی توثیق کی تصریح کرتا ہے اور اس کی بدعت، اس کے ثقہ ہونے میں مؤثر نہیں اور ایسے ہی ابن حبان نے اسے عیب لگایا ہے۔ اگر ان کی کوئی تاثیر ہوتی تو اس کی توثیق کی تصریح نہ کرتے۔ واللہ اعلم

بہرحال البانی نے معیوب کھیل کھیلا اس کی دو وجوہ ہیں۔

۱- اس نے (الضعیفہ ۲/۴۰۵) میں کہا کہ شاید یہ حدیث جس کو عبدالمجید نے ابن مسعود سے موصولاً روایت کیا ہے، اس کی اصل بکرؓ سے یہ مرسل حدیث ہو اور عبدالمجید سے اس میں غلطی کی ہو اور اس کو ابن مسعود سے موصولاً ذکر کرتے ہوئے حدیث اول سے ملحق کیا ہو۔

میں کہتا ہوں یہ ظن ہے اور ظن فقط کذب ہی نہیں بلکہ اکذب الحدیث (بہت بڑا جھوٹ) ہے اور اس فاسد ظن سے ایسی مسند کا رد لازم آتا ہے جس کے راوی میں کلام ہے۔

اس لیے کہ مرسل اقوی وجہ سے آئی ہے۔ پس مرسل پہ ظن نہیں ہوتا مگر لوگوں کے اختلاف سے۔ اور اس ظن میں سنت کے ایک حصہ کو ضائع کرنا ہے اور میں نے اس بے وقوفی میں البانی سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔

۲- یہ پختہ امر ہے کہ حدیث مرسل چند امور سے قوی ہو جاتی ہے ان میں ایک یہ ہے کہ جب یہ مرسل دوسرے طرق متصل سے بھی وارد ہو خواہ وہ ضعیف ہو اور وہ "حسن لغیرہ" کے باب سے ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ حجت قائم ہوتی ہے اور عمل لازم ہوتا ہے اور جب ایسی موصول ہو جس میں عبدالمجید بن عبدالعزیز بن ابی رواد ہو تو وہ ضعیف کی قسم سے ہے جیسا کہ البانی نے محض تعصب کی بنا پر اس کا شور مچا رکھا ہے تو مرسل صحیح جب اس کے ساتھ ملائی جائے گی تو وہ حسن مقبول کی قسم سے ہو جاتی ہے۔ جس پر عمل کرنا اتفاقاً واجب ہے۔

اور میں نے البانی کے پاس تعصب اور خواہشات کی اتباع کے علاوہ کوئی اچھائی نہیں دیکھی جو اس کو اس قسم کی احادیث کے رد کرنے میں قواعد حدیثیہ سے باز رکھے اور سب سے زیادہ اس حدیث کے

مسعودؓ اس کا رد اس کی اپنی ذات اور اس کے اتباع کا رد ہے
کہ اپنے مقام میں بیان ہو چکا ہے کہ حدیث مرسل شروط کے ساتھ
ول ہوتی ہے۔ شیخ اسماعیل انصاری پر رد میں اس کا قول ہے۔
تاب الشیبانی ۱/۱۳۲-۱۳۵) تنہا مرسل صحیح جمہور فقہا کے نزدیک حجت
حافظ ابن کثیر نے کہا:

الاحتجاج به مذهب مالك وابي حنيفة واصحابهما وهو يحكى عن احمد في رواية"	امام مالک، ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے مذہب میں اس کے ساتھ حجت صحیح ہے اور ایک روایت میں امام احمد سے بھی یہی مروی ہے۔

اور امام شافعی کے مذہب میں اس کو حجت بنانے کی شرط معروف وہ یہ کہ وہ کسی اور طریق سے بھی آئے اگرچہ مرسل ہی ہو .... پس یہ یث مرسل صحیح ہے۔ مذاہب اربعہ اور ان کے علاوہ دیگر ائمہ اصول حدیث و کے نزدیک بھی حجت ہے۔

اس کلام کے ساتھ ہر انصاف پسند کے لیے ظاہر ہو گیا کہ اس حدیث استدلال کے سقوط کا قول صرف اس لیے کرنا کہ یہ مرسل ہے تو یہ قول

پھر "عرض الاعمال" والی حدیث قبولیت میں اس حدیث مرسل سے اولیٰ ہے موصول سے قوی ہوتی۔ انصاری پر رد میں جو موصول ہے۔ اس میں لیث سلیم ہے۔ جس کا حال ضعف میں معروف ہے اور ہماری پیش کردہ موصول عبدالمجید بن عبدالعزیز بن ابی رواد ہے جس کی توثیق گزر چکی ہے اور وہ کے رجال میں سے ہے لہٰذا وہ تو جرح کی پل عبور کر چکا (واللہ اعلم بالصواب)

ساقط ہے انتھی کلامہ۔

میں کہتا ہوں: بلکہ ہر منصف پر یہ ظاہر ہوگیا ہے کہ آدمی کی خواہشات اسے تناقض اور خود اپنے رد میں ڈال دیتی ہیں۔

حدیث ——— ۶

مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ إِلَى الصَّلَاةِ فَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ، وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ مَمْشَايَ هَذَا فَإِنِّي لَمْ أَخْرُجْ أَشَرًا وَلَا بَطَرًا وَلَا رِيَاءً وَلَا سُمْعَةً وَخَرَجْتُ اتِّقَاءَ سُخْطِكَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ، فَأَسْأَلُكَ أَنْ تُعِيذَنِي مِنَ النَّارِ وَأَنْ تَغْفِرَ لِي ذُنُوبِي، إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ أَقْبَلَ اللهُ عَلَيْهِ بِوَجْهِهِ وَاسْتَغْفَرَ لَهُ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ۔

جو شخص اپنے گھر سے نماز کی طرف نکلے اور یہ دعا کرے "اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، سوال کرنے والوں کے حق سے اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اپنے اس چلنے کی جگہ کے حق سے۔ بیشک میں نہ غرور و تکبر کے لیے نکلا اور نہ دکھلاوے کیلئے اور نہ شہرت کیلئے اور میں محض تیرے غضب سے بچنے اور تیری رضا کو طلب کرنے کے لیے نکلا، پس میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے جہنم سے پناہ دے اور میرے گناہوں کو بخش دے، بیشک گناہوں کو تیرے سوا کوئی نہیں بخشتا"۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی جانب متوجہ ہو جاتے ہیں اور ستر ہزار فرشتے اس کیلئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔

مفصل گفتگو

ابن ماجہ نے السنن ۱/۲۵۶ میں کہا:

حدثنا محمد بن سعيد بن يزيد بن ابراهيم التستري ثنا فضيل بن الموفق ابو الجهم ثنا فضيل بن مرزوق عن عطية عن ابي سعيد الخدري قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من خرج من بيته الى الصلوة ... الخ (الحديث)

ہم سے محمد بن سعید بن یزید بن ابراہیم تستری نے بیان کیا کہ ہم سے فضل بن موفق ابو جہم نے بیان کیا کہ ہم سے فضیل بن مرزوق نے عطیہ سے، ابی سعید خدری سے بیان کیا کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے گھر سے نماز کے لیے نکلے ... (الحدیث)

اور اسے امام احمد نے المسند: ۲۱/۳ میں یزید بن ہارون سے روایت کیا اور ابن خزیمہ نے التوحید: ۱۷-۱۸ میں محمد بن فضیل بن غزوان اور ابو خالد الاحمر سے روایت کیا۔

اور طبرانی نے الدعاء ۲/۹۹۰ میں اور ابن السنی نے عمل الیوم واللیلۃ (۸۴) میں، ان دونوں نے عبداللہ بن صالح عجلی سے روایت کیا۔

اور البغوی نے حدیث علی بن الجعد ص ۲۶۲ میں یحییٰ بن ابو بکیر اور یزید بن ہارون سے روایت کیا اور احمد بن منیع نے یزید بن ہارون سے، جیسا کہ اتحاف الزجاجۃ: ۱/۹۹ میں ہے۔

اور بیہقی نے الدعوات الکبیر ۴۷ میں یحییٰ بن ابی بکیر سے۔

ان تمام نے فضیل بن مرزوق سے، انہوں نے عطیہ عوفی سے انہوں نے ابی سعید خدری سے اس کو بطور مرفوع روایت کیا اور اس کو ابن ابی شیبہ نے المصنف ۲۱۱/۱۰، ۲۱۲ میں وکیع سے اور ابو نعیم فضل بن دکین سے روایت کیا جیسا کہ (امالی الاذکار: ۱/۲۷۱) میں ہے۔

ان دونوں نے فضیل بن مرزوق سے، انہوں نے عطیہ سے انہوں نے
حضرت ابو سعید سے روایت کو بطور موقوف روایت کیا اور یہ سند مرجوح ہے
جیسا کہ عنقریب اس کی وضاحت آجائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اور اس حدیث کی سند حسن کی شرط پر ہے اور کو حفاظ کی جماعت نے حسن
کہا ہے ان حفاظ میں سے چند ایک یہ ہیں۔

١۔ حافظ دمیاطی نے (المتجر الرابح فی ثواب العمل الصالح ص ٤٧١-٤٧٢) میں
٢۔ حافظ ابو الحسن مقدسی (حافظ منذری کے شیخ) جیسا کہ (الترغیب والترہیب ٣/٢٧٣) میں ہے۔
٣۔ حافظ عراقی (تخریج احادیث الاحیاء ١/٢٩١) میں
٤۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (آمالی الاذکار ١/٢٧٢) میں
٥۔ حافظ بوصیری (مصباح الزجاجۃ ١/٩٩) میں

لیکن ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں فضیل بن مرزوق کے طریق سے اس کو [illegible]
کیا اور ان کے نزدیک وہ صحیح ہے۔

پس ان پانچ حفاظ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے حدیث کو صحیح یا حسن کہا
ان کا قول قبولیت یقین اور فرمانبرداری کے لائق ہے۔ اور عنقریب ہم [illegible]
کیلئے بیان کردیں گے کہ مذکورہ حفاظ اور ان کے متبعین کا ہی مسلک درست
ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

لیکن ضروری ہے کہ پہلے ان اسباب کو ذکر کیا جائے جن کی وجہ سے
حدیث کو معلل کیا گیا۔ پھر اس پر اللہ تعالیٰ کی مدد سے جواب ہوگا۔

اسباب تعلیل

حدیث کو ان تین علتوں سے معلل کیا گیا۔

١) فضیل بن مر[illegible] اور عطیہ عوفی [illegible] کلام ہے۔

٣۔ بقول ان کے موقوف کو مرفوع پر ترجیح ہے۔

فصل

شیخ فضیل بن مرزوق تو وہ صحیح مسلم کے رجال میں سے ہے اور
ائمہ کی ایک جماعت نے اس کی توثیق کی۔

العجلی نے (الثقات ص ٣٨٤) میں کہا
جائز الحدیث ثقہ اس سے حدیث لینا جائز ہے اور یہ ثقہ ہے۔ اور
سفیان ابن عیینہ اور سفیان الثوری نے اس کی توثیق کی۔

اور ابن عدی نے (الکامل ٦/٢٠٤٥) میں کہا: فضیل کی احادیث
اور ان (حسن کے درجہ میں) ہیں اور مجھے امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

اور امام احمد بن حنبل نے کہا جیسا کہ (الجرح ٧/٧٥) میں ہے۔ بجز بھلائی
کے علاوہ کچھ نہیں جانتا۔ حافظ کبیر الہیثم بن جمیل نے کہا۔ وہ زہد اور فضیلت
کے اعتبار سے ائمہ ہدیٰ میں سے ہیں اور ایسے اوصاف چند افراد میں ہی پائے
جاتے ہیں۔ اور ابن شاہین نے (الثقات ص ١٨٥) میں شامل کرتے ہوئے
ان کی توثیق کی۔

اور اسی طرح ابن حبان نے اس کا ثقہ لوگوں میں ذکر کیا (٧/٣١٦)
اور ان کے باوجود اس کی توثیق اس شخص نے کی ہے جس کی توثیق
کو قبول کرنے پر لوگ متفق ہیں یعنی امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کہ انہوں
نے ان کو صحیح مسلم میں داخل کیا اور اس کے ساتھ حجت پکڑی۔

جرح و تعدیل کے امام یحییٰ بن معین سے ان کے پانچ تلامذہ نے فضیل
بن مرزوق کی توثیق کو نقل کیا ہے۔ عثمان بن سعید الدارمی نے ان سے نقل کیا۔

لا بأس بہ (اس میں کوئی حرج نہیں) اور عباس الدوری نے یہ نقل
کیا "ثقہ" ہیں۔

اور عبدالخالق بن منصور نے یہ نقل کیا وہ "صالح الحدیث" ہیں۔

اور ابن محرز نے ان سے "صُوَیْلِح" (صالح سے تصغیر) نقل کیا۔

لیکن احمد بن زہیر بن أبی خیثمہ نے انہیں کبھی ثقہ اور کبھی ضعیف کہا
اور توثیق قبولیت کے لائق ہے کیونکہ وہ ابن معین سے تمام روایا
اخری کے موافق ہے، اور ضروری ہے کہ وہ آخرین کے موافق ہو۔

پس یہ وہ جرح و تعدیل کے ائمہ ہیں جنہوں نے تعدیل کی اور اس
حدیث کو قبول کیا اور امام مسلم نے اپنی "الصحیح" میں ان کو حجت بنایا، پس
ان ائمہ کا ہی کلام مقبول ہے۔

فصل

ان پر جرح کرنے والے دو طرح کے ہیں۔

۱۔ حاکم نے "سؤالات مسعود السجزی" میں اس (مسعود) سے کہا کہ فضیل
بن مرزوق صحیح کی شرط سے نہیں تو یہ مسلم پر عیب ہے کہ اس نے صحیح
میں اس کی تخریج کی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ حاکم کی نظر میں ہے نہ کہ مسلم بن حجاج کی نظر میں
مسلم کا قول حاکم کے قول پر اس فن میں مقدم ہے۔

پھر حاکم کا کلام، جرح پر کچھ بھی دلالت نہیں کرتا اور حاکم نے شیخین
کتنے عیب لگاتے ہیں کہ انہوں نے بعض لوگوں کی حدیث کی "الصحیحین"
تخریج کیوں کی تو حاکم کے قول کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا جس

ول حدیث میں مفصل دیکھے گا۔ علاوہ ازیں خود حاکم نے المستدرک:
الفضیل بن مرزوق کو صحیح قرار دیا ہے۔

تنبیہ

نے (سیر النبلاء ۷/۳۴۲) میں کہا کہ مسلم اس سے متابعات
روایت کرتا ہے۔

معلمی نے (التعلیقات علی موضوعات الشوکانی ص ۲۵۳) میں اس
کی، تقلید کرتے ہوئے نہ کہ تنقید۔

ابو حاتم رازی نے کہا (الجرح: ۷/۷۵) سچا ہے، صالح حدیث ہے کثیر
الوہم ہے، حدیث اس سے لکھی جا سکتی ہے۔ ابن ابی حاتم نے پوچھا: اس سے
ہو گی؟ ابو حاتم نے کہا نہیں۔

میں کہتا ہوں: ابو حاتم رازی کا جرح میں متشدد ہونا مخفی نہیں یہاں تک
بارے میں حافظ ذہبی نے کہا کہ وہ رجال کے بارے میں سخت
ہے جیسا کہ اس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے کہا (سیر اعلام
۱۳/۸۱) کہ مجھے جرح و تعدیل میں ابو زرعہ کا کلام بسا اوقات تعجب
رہتا ہے کہ اس پر تقوی اور حقیقت حال واضح ہوتی ہے۔ بخلاف
رفیق ابو حاتم کے کہ وہ جراح (بہت زیادہ جرح کرنے والا) ہے۔

اور ذہبی نے (السیر ۱۳/۲۶۰) میں کہا کہ جب ابو حاتم کسی رجل کی توثیق
کرے تو ان کے قول سے تمسک کرو، کیونکہ وہ صحیح الحدیث رجل کے علاوہ
توثیق نہیں کرتے اور جب کسی رجل کو ضعیف کہے یا کہے لا یحتج بہ (اس
سے حجت نہیں) تو توقف کرو، یہاں تک کہ جان لو کہ اس کے بارے میں
اماموں نے کیا کہا ہے۔ اگر کوئی ایک بھی اس کی توثیق کر دے تو ابو حاتم کی

جرح کا اعتبار نہ کرو کیونکہ وہ رجال کے بارے میں متشدد ہے اس نے صحاح کے
رجال کے ایک گروہ کے بارے میں کہدیا ہے لیس بحجة یہ حجت نہیں لیس
یہ قوی نہیں وغیرہ۔

بلکہ ابن تیمیہ نے اپنے رسائل (الزیارۃ صفحہ ۹۶) میں کہا کہ ابو حاتم کا
یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ اس سے حدیث لکھی جائے مگر احتجاج
کیا جائے، ابو حاتم نے ایسے اقوال "صحیحین" کے اکثر رجال کے بارے میں
کہے اور تعدیل میں انکی شرط بہت سخت ہے اور اس کی اصطلاح میں جو حجت
ہے جمہور علماء کی اصطلاح میں حجت کا وہ مفہوم نہیں۔

اور ابن عبدالہادی نے "التنقیح" میں کہا کہ

ابو حاتم کا قول: لا یحتج بہ، بھی عیب نہیں کیونکہ اس نے سبب ذکر
نہیں کیا اور یہ لفظ اس سے "صحیح" کے کثیر ثقات، اثبات رجال کے بارے
میں سبب بیان کیے بغیر بار بار آیا ہے جیسے خالد الحذاء وغیرہ کے بارے
میں ہے۔ واللہ اعلم (نصب الرایۃ: ۲/۴۳۹)

پس جب ابو حاتم کا جرح میں تشدد معلوم ہو گیا تو یہ جواب عموی
اور معترض یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ ابو حاتم نے فضیل بن مرزوق کی جرح
سبب بیان کیا ہے، کہ یھم کثیرا "وہ اکثر وہم کرتا ہے" اور ابن حبان
نے اس کا ذکر (الثقات: ۷/۳۱۶) میں کیا، تو ابو حاتم کا یہ کلمہ اختیار کیا
کان ممن یخطئ "(وہ خطا کرتا ہے)

اس کا جواب خاص ہے اور وہ یہ کہ اگر ہم ابو حاتم کا قول تسلیم کر
تو وہ وہم جو راوی موثق (وہ راوی جس کی توثیق کی گئی) کی حدیث میں
ہو تو وہ اس کو ثقہ کی حد سے خارج نہیں کرتا مگر جس وقت وہم زیادہ ہو
اس پر وہم کا غلبہ ہو۔ لہذا جب وہم قلیل ہو تو اس کو ثقہ کی حد سے خارج [illegible]

[illegible] جن کی حدیث کی تصحیح کی جاتی ہو، لیکن اس کی حدیث، احادیث
[illegible] طبقہ علیا سے نہیں ہوگی بلکہ طبقہ ثانیہ سے ہوگی کیونکہ یہ مقرر ہے کہ
[illegible] صحیح چند اقسام پر منقسم ہے اور اس کے درجات معروف ہیں اور
[illegible] حسن کو بھی صحیح میں درج کر دیتے ہیں جیسے ابن حبان، ابن خزیمہ وغیرہ۔

اعتراض یہ تو تب ہے جب وہم قلیل ہو لیکن ابو حاتم رازی نے اس کو
کثرت وہم سے متصف کیا ہے۔

جواب یہ اس کے نہایت سخت مزاجی اور تشدد میں سے ہے اور واضح
دلیل اس پر یہ ہے کہ جن ائمہ نے اس کی توثیق کی ہے وہ سفیان
[illegible] سفیان بن عیینہ، یحیی بن معین، احمد بن حنبل، الہیثم بن جمیل، مسلم بن
[illegible] ابن عدی اور ابن شاہین ہیں۔ انہوں نے اس کے اوہام قلیلہ بھی
[illegible] نہیں کئے چہ جائیکہ اس کے اوہام کثیرہ ہوں۔ پس یہ دلالت دو
[illegible] ہے، ایک یہ کہ [illegible] حفاظ نے رجل کی توثیق کی اور اس کے اوہام
[illegible] میں کچھ ذکر نہیں کیا، اور حافظ ابو حاتم رازی نے ان کی مخالفت کرتے
[illegible] کثرت وہم کا کہا، پس یہ تو رجل کے بارے میں تمام اقوال کو رد کرتا ہے
[illegible] ابو حاتم رازی کا تشدد معروف ہے تو ہمارے لیے یہ کہنا ضروری ہے
[illegible] ثقہ ہے۔ اس کی حدیث میں کچھ وہم ہو بھی تو وہ حسن الحدیث ہے، انشاء اللہ
[illegible] ہے، لیکن صرف صحت کے اعلیٰ درجہ پر نہیں۔

[illegible] نسائی کا قول "ضعیف" تو یہ جرح مبہم غیر مفسر ہے تو یہ اقوال اس
[illegible] کے مقابلے میں رد ہو گا جو فضیل بن مرزوق کے حق میں متعدد ائمہ حفاظ
[illegible] ہوئی جن کا ذکر پہلے گزر گیا۔

جرح مبہم مردود کی مثال (مقدمۃ الفتح ۴۴۷) میں محمد بن بشار بندار کے

حالات میں حافظ کا قول:

"ضعفه عمرو بن علی الفلاس ولم یذکر سبب ذلک فما عرجوا علی جرحه"

عمرو بن علی فلاس نے اس کو ضعیف کہا اور سبب ذکر نہیں کیا تو اس کی جرح پر غور نہیں کیا۔

یہ الگ بات ہے کہ نسائی نے "السنن" میں فضیل بن مرزوق سے تخریج کی ہے، حالانکہ وہ رجال پر تشدد میں معروف ہے۔

اور رہے ابن حبان، انہوں نے تو رجال کے بارے میں تشدد اور سختی کا علم تھام رکھا ہے، کتنے ثقہ لوگ ہیں جن پر اس نے اپنی کتاب "المجروحین" میں "ترک" اور ان کی مرویات پر "نکارت" کا حکم لگایا ہے اور رجل کے بارے میں وہ کہتا ہے جو کسی سے پہلے سرزد نہ ہوا ہو کہ "منکر الحدیث جداً" یہ قول شاذ ہے، نہ اس کی طرف التفات ہوگا اور نہ ہی اس پر اعتماد، بلکہ خود ابن حبان نے اپنے اس مقولہ کی مخالفت کرتے ہوئے بعد میں کہا:

"کان ممن یخطئ علی الثقات و یروی عن عطیة الموضوعات وعن الثقات الأشیاء المستقیمة فاشتبه أمره"

کہ رجل ثقات پر غلطی کرتا ہے اور عطیہ سے موضوعات اور ثقات سے اشیاء مستقیمہ روایت کرتا ہے پس اس کا معاملہ مشتبہ ہوگیا۔

میں کہتا ہوں: یہ کلام اس کے علاوہ کوئی فائدہ نہیں دیتا کہ بے شک راوی ثقہ ہے۔ روایت میں اس کا حال تمام ثقات کی مانند ہے۔ پس ثقہ جب ثقہ سے روایت کرے تو اس کی حدیث مستقیم ہوتی ہے۔ اور اگر غیر ثقہ سے روایت کرے تو غیر مستقیم، پس جو ثقہ سے روایت کرے گا اس کے بارے میں ثقہ کو کوئی نقصان نہیں اور جب رجل وہی بیان کرے جو اس نے

امام مسلم تو یہ رسم ثقہ ہے۔ پھر ابن حبان نے کہا:

"الذی عندی أن کل ما روی عن عطیة من المناکیر یلزق ذلک کله بعطیة ویبرأ فضیل منها"

"اور میرے نزدیک وہ تمام منکرات جو عطیہ سے روایت ہیں وہ تمام عطیہ سے ملحق ہیں اور فضیل ان سے بری ہے"

میں کہتا ہوں: جب آدمی اپنے غیر کی غلطی سے بری ہے تو اس کو "المجروحین" سے نکال کر "الثقات" میں داخل کرنا ضروری ہے اور ابن حبان بھی اس امر سے اعراض نہ کر سکا اور اس کو "الثقات ۷/۳۱۶" میں داخل کیا، اس کے دونوں اقوال میں سے یہی قول بہتر اور درست ہے، کیونکہ یہ ائمہ کے اقوال کے موافق ہے اور ان میں سفیان ابن عیینہ، ثوری، ابن معین اور احمد ہیں اور ابن حبان نے اس کی توثیق کی اتباع کرتے ہوئے کہا "کان ممن یخطئ" اور اس کی خطاء پر کوئی دلیل نہیں لایا، نہ "الثقات" میں نہ "المجروحین" میں جیسا کہ عنقریب دیکھو گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پھر ابن حبان نے کہا:

"وفیما وافق الثقات من الروایات عن الأثبات یکون محتجا به وفیما انفرد علی الثقات مالم یتابع علیه یتنکب عنها فی الاحتجاج به"

اثبات سے موافق ثقات روایات میں وہ قابل احتجاج ہے اور جن میں وہ منفرد ہے اس کو ان میں حجت ماننے سے توقف کیا جائے گا جب تک کوئی تابع نہ ہو۔

ہم کہتے ہیں:

اس کا حاصل یہ ہوا کہ اس کی حدیث متابع کے علاوہ قبول نہیں ہوگی۔

اور یہ اس کے قول:

هو يروي عن الثقات الأشياء المستقيمة — وہ ثقات سے اشیاء مستقیم روایت کرتا ہے۔

کے معارض ہے جو آدمی ثقات سے احادیث مستقیمہ روایت کرتا ہو تو اس کا یہ حال و شان ہونا چاہیے کہ اس سے روایت لینے میں توقف کا محتاج نہ ہو اور نہ ہی ان روایات کو چھوڑا جائے جن کے ساتھ وہ منفرد ہے بیشک جو اس کی منفرد حدیث سے توقف کرتا ہے وہ تب ہوگا کہ ثقات سے وہ غلطی کرے اور جب آدمی ثقات سے وجہ صحیح سے لائے تو اس کا مقتضی اس کی حدیث کو قبول کرنا ہے نہ کہ اس کی منفرد روایات میں توقف اور نہ اس سے اعراض اور یہ توقف اور تنکب جرح میں ابن حبان کے انتہائی تشدد کے دلائل ہیں۔

پھر ابن حبان نے اپنے مقولہ پر استدلال پیش کرتے ہوئے کہا:

"روى الفضيل بن مرزوق عن أبي إسحاق عن زيد بن يثيع عن علي بن أبي طالب عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن تؤمروا أبا بكر تجدوه أمينا زاهدا في الدنيا راغبا في الآخرة وإن تؤمروا عمر تجدوه قويا"

"روایت کیا فضیل بن مرزوق نے ابی اسحاق سے انہوں نے زید بن یثیع سے انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب سے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ آپ نے فرمایا اگر تم ابوبکرؓ کو امیر بناؤ تو تم اسے امین، دنیا میں زاہد اور آخرت میں رغبت رکھنے والا پاؤ گے اور اگر تم عمرؓ کو امیر بناؤ تو تم اسے مضبوط پاؤ گے۔"

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں فضیل بن مرزوق پر کوئی جرح نہیں بس

بلکہ اس وجہ سے اس کے ساتھ منفرد نہیں بلکہ اسرائیل بن یونس بن أبي اسحاق السبیعی اس کے تابع ہے جس کی امام احمد نے (المسند ۱۰۹۸) میں تخریج کی اور عبداللہ بن احمد نے (السنۃ) میں اور ابونعیم نے (الحلیۃ ۱/۶۴) میں اور ابن جوزی نے (العلل المتناہیۃ ۱/۱۵۱) میں اور ابراہیم بن ہراسۃ اور سفیان ثوری نے (الحلیۃ ۱/۱۵۱) بھی اس کے تابع ہوئے۔

اور اس سے معلوم ہوگیا کہ ابن حبان کا فضیل بن مرزوق کے بارے میں کلام مقبول نہیں اور جو حدیث جلدی میں پیش کی وہ دعویٰ میں ان کے موافق نہیں بلکہ رجل کے پختہ ہونے کا فائدہ دیتی ہے اور آگاہ کر رہی ہے وہ اس میں منفرد بھی نہیں بلکہ غیر بھی اس کے موافق ہیں۔

حاصل کلام خلاصہ کلام یہ ہے کہ فضیل ابن مرزوق کی حدیث اگرچہ صحت کے اعلیٰ درجہ پر نہیں لیکن حسن کے درجہ سے کم بھی نہیں اور آدمی کا "حسن الحدیث" ہونا ہی امام ابن رجب حنبلی کے قول کا مقصود ہے جو "جامع العلوم والحکم: ۱/۳۱۰" میں ہے "ھو ثقۃ وسط"۔

اور وہ جس کی ذہبی نے "سیر اعلام النبلاء ۷/۳۴۲" میں تصریح کرتے ہوئے کہا کہ نہ اس کو "الضعفاء" میں بخاری نے ذکر کیا، عقیلی نے نہ ابن عدی نے اور اس سے فضیل بن مرزوق کی حدیث "حسن" میں شمار ہوتی ہے۔

اور اس کو ذہبی نے "من تکلم فیہ وھو موثق ص۱۵۱" میں داخل کیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی حدیث رتبہ حسن سے کم نہیں بلکہ ذہبی نے اس کی مطلقاً توثیق "الکاشف: ۲/۳۳۲" میں کی ہے یہ اس آدمی سے بعید نہیں جس کی آئمہ نے توثیق کی اور امام مسلم نے "صحیح مسلم" میں اس سے استدلال کیا۔

اہم نوٹ: اس حدیث کو البانی نے چند امور کی وجہ سے ضعیف کہا ان میں ایک فضیل بن مرزوق کے ضعف کی تصریح ہے اس نے حمایت بھی کی ہے۔ اس نے (الضعیفہ ۱/۳۲۳) میں اس کے بارے میں تشدد سے کام لیا۔ تضاد سے کام لیتے ہوئے اس کی حدیث کو (الصحیحہ ۳/۴۲۷) میں "حسن" قرار دیا۔

علت ثانیہ: علت ثانیہ یہ کہ عطیہ بن سعد عوفی میں کلام ہے جس نے عطیہ کے بارے میں کلام کیا وہ دو قسموں پر ہے۔

۱۔ کہ اس نے جرح مبہم اور غیر مفسر کی۔

۲۔ کہ اس پر جرح کا سبب ذکر کیا، اور عطیہ عوفی کے بارے میں کلام تین اسباب کی طرف لوٹتا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ تدلیس (اپنے شیخ کا نام چھوڑ کر اوپر والے شیخ کا نام اس انداز سے لینا جیسے اسی سے سماع کیا ہے۔

۲۔ تشیع (اہل تشیع میں سے ہونا)

۳۔ اس کی روایت پر کچھ انکار ہے۔

قاعدہ: بہرحال جرح مبہم کا رد کرنا اور اس کی طرف کوئی توجہ نہ دینا ہی ضروری ہے اگرچہ وہ انتہا کو ہی پہنچی ہو۔ کیونکہ علوم الحدیث کے قواعد میں سے ایک مسلمہ قاعدہ یہ ہے کہ جس راوی میں جرح و تعدیل ہو اور جرح مبہم غیر واضح ہو تو اس کو رد کرنا، اس پر عمل نہ کرنا اور اس کی طرف کوئی دھیان نہ دینا ہی مناسب ہے اور اس تعدیل کو لیا جائے جو راوی کے بارے میں آئی ہو وہ صحیح ہے اور محدثین کے نزدیک اسی پر عمل صحیح ہے۔

جرح بسبب تدلیس: جنہوں نے اس پر تدلیس کی بنا پر جرح کی

... اکثر ہیں لیکن اس بارے میں ان کا اعتماد اس روایت پر ہے جس میں ... ہے اور (ان کو) متہم بالکذب یعنی محمد بن سائب کلبی نے جمع کیا ... پر اعتماد مناسب نہیں اور اس مسئلہ پر کثرت تقلید اوارد ہوئی ہے ... تقلیداً۔

جرح بسبب تشیع: اور جنہوں نے ان پر تشیع کی وجہ سے جرح کی ہے ان کی جرح حقیقت میں مردود ہے۔ کیونکہ راوی کی عدالت اور صدق بیان کے بعد اس پر جرح بالبدعۃ کی طرف التفات نہیں کیا جاتا خصوصاً جبکہ وہ راوی اپنی بدعت کی طرف داعی نہ ہو یا مروی روایت اس کی بدعت کی تائید نہ کرے اور یہ ثابت نہیں کہ عطیہ عوفی داعی تشیع ہو اور یہ زیر بحث مروی حدیث اس کی تشیع سے کوئی مناسبت بھی نہیں۔ اس بنا پر عوفی پر جس نے تشیع کی وجہ سے کلام کیا۔ اس کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی خصوصاً جب کہ اس کے بارے میں کلام کرنے والا ناصبی ہو جو کہ تشیع (شیعہ) کی ضد ہے۔

کلام بسبب روایت منکر: اس کے بارے میں منکر روایت کی وجہ سے جو کلام ہے تو میں نے کتب رجال پر دسترس حاصل کرنے سے فقط ایک حدیث کے علاوہ اس کے بارے میں ایسی کوئی چیز نہیں پائی جس کو ابن عدی نے ذکر کیا اور اس میں عطیہ کا قول ہی معتبر ہے اور درست ہے کہ وہ اس کی حدیث ہے جیسا کہ عنقریب آ جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس حدیث میں عطیہ نے غلطی کی ہے جس کو ابن عدی نے ذکر کیا تو یہ اس کو ضعیف گرداننے اور اس کی حدیث کو ساقط کرنے کا فائدہ نہیں دیتا کیونکہ راوی کے مقبول الحدیث

ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کی تمام مرویات صحیح اور درست ہوں
یہ واقع سے بالکل بعید ہے۔ کیونکہ انسان سے بھول سرزد ہو جاتی ہے۔
اور اس پر طبیعۃ بشریہ غالب آجاتی ہے اور اس لیے تم کسی امام کو اپنے حفظ
اور قوتِ حافظہ پر اتنا مضبوط نہیں پاؤ گے کہ وہ حدیث میں کوئی وہم نہ
کرے (قاعدہ یہ ہے) کہ جب راوی کی درست (مرویات) اس کی غلطی
سے زیادہ ہوں تو وہ مقبول الحدیث ہے ورنہ نہیں۔

حاصل کلام حاصل یہ ہوا کہ عطیہ عوفی کی حدیث میں بعض غلطیوں کا
ثبوت تمام مرویات میں اس کو مضر نہیں خصوصاً اس
لیے کہ وہ کثیر الحدیث ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

نوٹ :- یہ کلام مجمل ہے۔ آنے والی فصول میں اس کا مفصل بیان
آرہا ہے۔

فصل

اکثر لوگوں نے عطیہ عوفی پر اپنی روایت کے سبب جرح کی ہے کہ اس کی
تدلیس شیوخ کی تدلیس ہے۔ ابن حبان نے المجروحین (۲/ ۱۷۶) میں کہا کہ
یہ حضرت ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) سے احادیث کی سماعت کرتے
تھے جب ان کا وصال ہو گیا تو یہ کلبی کے حلقۂ مجلس میں بیٹھے اور ان سے واقعات
سننے شروع کئے تو جب کلبی کہتے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کذا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا) تو وہ اسے یاد کر لیتے
اور اس نے ان کی کنیت ابو سعید رکھی اور انہیں سے روایت کرتا تو جب
اسے کہا جاتا کہ یہ تجھ سے کس نے بیان کیا ہے؟ تو وہ کہتا کہ مجھ سے ابو سعید نے

[illegible] لوگوں کو وہم ہوتا کہ یہ ابو سعید خدری مراد لے رہے ہیں حالانکہ ان کی
[illegible]
اور میں نے عطیہ عوفی پر شیوخ کی تدلیس سے متہم کیا ہے۔ اس نے اس
[illegible] کیا ہے کہ عبد اللہ بن احمد نے کہا میں نے اپنے باپ سے عطیہ عوفی کا
[illegible] انہوں نے کہا کہ وہ ضعیف الحدیث ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ عطیہ
[illegible] کے پاس آکر تفسیر اخذ کرتا اور ان کو ابو سعید کنیت سے یاد کرتا ہے اور
کہتا ہے کہ ابو سعید نے کہا "میرے والد نے کہا کہ ہشیم عطیہ کی حدیث کو
[illegible] قرار دیتا ہے۔
اور عبد اللہ بن احمد نے کہا کہ ہم سے میرے باپ اور ان سے ابو احمد زبیری نے
[illegible] اور میں نے ثوری کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے کلبی کو یہ کہتے ہوئے
[illegible] عطیہ نے میری کنیت ابو سعید رکھی ہے۔
اور میں نے اپنے والد کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ سفیان ثوری، عطیہ عوفی
[illegible] کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔
دیکھیں العلل ومعرفۃ الرجال (۱/ ۱۲۲) الجرح والتعدیل (۶/ ۳۸۳)
[illegible] للعقیلی (۳/ ۳۵۹) اور ابن عدی کی الکامل (۵/ ۲۰۰۸) میں ہے۔
اور ابن حبان کی المجروحین (۲/ ۱۷۶) میں ہے کہ میں نے مکحول کو یہ
[illegible] ہوئے سنا کہ میں نے جعفر بن ابان کو کہتے ہوئے سنا کہ ابن نمیر کہتے
[illegible] ہم سے ابو خالد احمر نے کہا کہ مجھے کلبی نے کہا کہ مجھے عطیہ نے کہا کہ
[illegible] نے تمہاری کنیت ابو سعید رکھی ہے اور میں کہتا ہوں "حدثنا ابو سعید"

تبصرہ اے قاری منصف جب تم تحقیقی نگاہ سے دیکھو گے تو معلوم
ہو گا کہ احمد نے عطیہ عوفی کی تضعیف کی پھر اس کی تضعیف

میں کلبی کے بیان کو دلیل ٹھہرایا اور یہی عطیہ میں ہشیم کے کلام کا سبب
اور احمد نے عطیہ کے لیے ثوری کی تضعیف کو بیان کیا اس کے بعد کہ
ثوری کے طریق سے پہنچے اور عطیہ عوفی کی تضعیف میں ثوری کے اعتماد کی
بنیاد بھی کلبی کی حکایت ہی ہے۔

اور ابن حبان نے اس کو المجروحین (۲/۱۷۶) میں شامل کیا محض
کے کلام پر اعتماد کرتے ہوئے اور اس کے علاوہ کوئی چیز ذکر نہیں کی اور
جناب نے اپنی عادت کے مطابق جرح میں مبالغہ کرنا نہیں چھوڑا۔

جس پر ان لوگوں نے اعتماد کر کے یہ کہا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس
کوئی سند صحیح نہیں کیونکہ اس کا دارومدار محمد بن سائب کلبی پر ہے جس
حال مشہور و معروف ہے کہ وہ سخت کوتاہی کرنے والا اور متہم بالکذب
پس جس سند میں یہ شخص ہو اس کی طرف نظر نہیں کی جائے گی اور نہ ہی
بات میں اس پر اعتماد کیا جائے گا اور اس کے باوجود کچھ لوگوں نے اس
مقولہ اور اس حکایت پر اعتماد کر لیا جب کہ کمال تو اللہ ہی کے لیے
ہے اور معصوم اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہے۔

شیوخ کی تدلیس کے سبب عطیہ عوفی کے رد میں اس روایت ساقط
پر بعض کا اعتماد اگر قابل تعجب ہے تو اس سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ کچھ
حضرات نے اس جرح مردود کا اعتبار کر لیا، بعد والوں نے محض تقلید کرتے
ہوئے اس روایت ساقطہ پر اعتماد کیا ہے۔ باوجودیکہ ان کا قول دلیل سے
خالی ہے، انھوں نے کوئی ایسی چیز ذکر نہیں کی جو ان کے دعویٰ کی تائید کرے
اور ان کے موقف کو درست ثابت کرے اگر وہ کوئی ایسی چیز پاتے تو
ان میں سے خصوصاً متاخرین ہی اس کو ذکر کر دیتے جبکہ ہم نے ایسی کوئی بات

معلوم ہوا کہ متاخرین نے متقدمین کی محض تقلید کی ہے اور قطعاً
ہوگیا اور ایسی مثالیں کتب رجال میں بیشمار ہیں۔

فالحمد للہ علی توفیقہ۔

کلبی کے علاوہ اس غلطی پر تنبیہ کرتے ہوئے ہم نے کسی کو نہیں دیکھا۔
ابو الفرج عبدالرحمن بن رجب الحنبلی نے شرح علل الترمذی (ص۴۶۷)
کی "العلل و معرفۃ الرجال" سے اصل حکایت نقل کرنے کے
کلبی کی اس روایت پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔"

سید احمد بن صدیق غماری نے "الھدایۃ فی تخریج احادیث
(۶/۱۷۲) میں عطیہ عوفی کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ
کلبی سے عطیہ کے بارے میں حکایت میں تدلیس کو نقل کیا
اسے صحیح نہیں سمجھتا۔"

البانی کو اپنی عادت کے مطابق اضطراب ہوا التوسل ص۹۷، ۹۸
روایت شاذۃ کے سبب عطیہ عوفی کے درپے ہوا اور اس نے
پر طعن کیا جس نے اس حدیث کو صحیح کہا، حالانکہ یہ ایسا کلام
کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اس کے رد کرنے
معقول ہونے کی ضرورت ہے جبکہ اس روایت کا حال معلوم ہو گیا
کی تہمت لگانے والوں کا اصل ذخیرہ اور سرمایہ ہے۔

(واللہ المستعان)

فصل

صاحب "الکشف والتبیین" ص ۵۰ نے ابن رجب حنبلی کے کلام
کرتے ہوئے کہا:

"کہ روایت کلبی پر اعتماد نہ کرنا تو صحیح ہے لیکن دراصل بات یہ ہے
یہاں کوئی مقام نہیں کیونکہ جن علماء نے عطیہ کے بارے میں تقبیح تدلیس
کیا ہے انہوں نے فقط کلبی کے قول پر اعتماد نہیں کیا بلکہ ان کا اعتماد
پر مبنی ہے جس کا سبب اس کی روایات اور ان پر علماء کی تنقید ہے۔"

ہم کہتے ہیں:

۱۔ یہ کلام متناقض ہے اس لیے کہ کلبی پر عدم اعتماد تسلیم کیا گیا ہے
اس کے یہاں کارآمد ہونے کی نفی کی گئی پھر اسی کا اُلٹ ثابت کرتے
کہ جن علماء نے عطیہ کو تدلیس سے متصف کیا ہے۔ انہوں نے فقط کلبی
پر اعتماد نہیں کیا بلکہ اپنے تجربات کی بنا پر کہ اس کی مرویات ہی ایسی
کا مفہوم یہ ہوا کہ وہ کلبی پر اور اس کے علاوہ دوسرے علماء پر بھی
ہیں، حالانکہ یہ ایک ہی امر کی نفی کرنا اور پھر اسے ثابت کرنا ہے اور
ہے جس طرح کہ شیخ کی عادت ہے۔

۲۔ جس نے بھی عطیہ عوفی کے بارے میں تدلیس الشیوخ کا اور اس
کی کنیت ابوسعید رکھنے کا ذکر کیا ہے۔ اس نے فقط کلبی کی یہی روایت
کیا ہے۔ کتب رجال ہمارے سامنے ہیں۔ وہ ایک ہی روایت ذکر
جس میں فقط کلبی کا متہم بالکذب ہونا ہے اور عطیہ عوفی کے بارے
اور چیز کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا۔ تو کلبی کے بارے میں یہ کیسے کہا جا

یہاں کوئی مداخلت نہیں۔"

یہ ایسا دعویٰ ہے جس پر نہ دلیل ہے نہ سند اور ہر وہ روایت جس
وہ مردود ہوتی ہے اس کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی کیونکہ
فرماتے ہیں۔

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ

محبوب! فرما دو کہ دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو۔"

اپنے دعویٰ پر دلیل پیش نہ کرے اس کا کلام محل نظر ہوتا ہے
کا اثبات کہ ان کے اعتماد کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اس کی
علماء نے تنقید کی۔"

ہیں: جب کسی نے بھی اس مقولہ کی تصریح نہیں کی تو وہ اس
دلالت کرتا ہے کہ ان کا اعتماد فقط ظن مرجوح پر ہے اور ظن حق بات
نہیں کر سکتا اور فقط ظن پر اعتماد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر
پاس اپنے دعویٰ کے تائید میں کوئی دلیل ہوتی تو ضرور بیان کر دیتا
قول اور رائے کی تائید اور نصرت ہو جاتی جبکہ اس نے ایسا نہیں
الکذب الحدیث کے باب سے ہے۔ (واللہ اعلم)

لیے یہ کہنا ضروری ہے کہ عطیہ عوفی کے بارے میں ان کا کلام کہنا
روایات کی تحقیق پر مبنی ہوتا تو وہ اس کو ضرور بیان کرتے اور
کی کتابوں میں اس کو نقل کرتے، حالانکہ تم اس ایک مثال کے
دلیل نہیں پاؤ گے جس کو صاحب دعویٰ پیش کر سکے۔

دعویٰ صحیح نہیں تو فقط کلبی کی روایت کی طرف ہی معاملہ لوٹے گا۔
نص کے بغیر شیوخ کی تدلیس معروف نہیں ہوتی تو عطیہ عوفی کا

فصل

صاحب "الکشف والتبیین" صفحہ ۵۸ نے ابن رجب حنبلی کے کلام [پر تبصرہ] کرتے ہوئے کہا:

"کہ روایت کلبی پر اعتماد نہ کرنا تو صحیح ہے لیکن در اصل بات یہ ہے کہ یہاں کوئی مقام نہیں کیونکہ جن علماء نے عطیہ کے بارے میں تدلیس ذکر کی ہے انہوں نے فقط کلبی کے قول پر اعتماد نہیں کیا بلکہ ان کا اعتماد اس پر مبنی ہے جس کا سبب اس کی روایات اور ان پر علماء کی تنقید ہے۔"

ہم کہتے ہیں:

۱- یہ کلام متناقض ہے اس لیے کہ کلبی پر عدم اعتماد تسلیم کیا گیا ہے اس کے یہاں کار آمد ہونے کی نفی کی گئی پھر اسی کا الٹ ثابت کرتے ہوئے کہ جن علماء نے عطیہ کو تدلیس سے متصف کیا ہے انہوں نے فقط کلبی پر اعتماد نہیں کیا بلکہ اپنے تجربات کی بناء پر کہ اس کی مرویات ہی ایسی … کا مفہوم یہ ہوا کہ وہ کلبی پر اور اس کے علاوہ دوسرے علماء پر بھی اعتماد … ہیں، حالانکہ یہ ایک ہی امر کی نفی کرنا اور پھر اسے ثابت کرنا ہے اور یہ … ہے جس طرح کہ شیخ کی عادت ہے۔

۲- جس نے بھی عطیہ عوفی کے بارے میں تدلیس الشیوخ کا اور اس کی کنیت "ابو سعید" رکھنے کا ذکر کیا ہے۔ اس نے فقط کلبی کی بناء پر روایت کیا ہے، کتب رجال ہمارے سامنے ہیں، وہ ایک ہی روایت ذکر کرتے ہیں جس میں فقط کلبی کا متہم بالکذب ہونا ہے اور عطیہ عوفی کے بارے میں اور چیز کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا۔ تو کلبی کے بارے میں یہ کیسے کہا جا …

… یہاں کوئی مداخلت نہیں۔"

۳- یہ ایسا دعویٰ ہے جس پر نہ دلیل ہے نہ سند اور ہر وہ روایت جس کی سند مردود ہوتی ہے اس کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ

"اے محبوب! فرما دو کہ دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو۔"

جو کوئی اپنے دعویٰ پر دلیل پیش نہ کرے اس کا کلام محل نظر ہوتا ہے … کا کہنا کہ ان کے اعتماد کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اس کی … پر علماء نے تنقید کی۔"

ہم کہتے ہیں: جب کسی نے بھی اس مقولہ کی تصریح نہیں کی تو وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا اعتماد فقط ظن مرجوح پر ہے اور ظن حق بات پر … نہیں کر سکتا اور فقط ظن پر اعتماد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر … پاس اپنے دعویٰ کے تائید میں کوئی دلیل ہوتی تو ضرور بیان کر دیتا … قول اور رائے کی تائید اور نصرت ہو جاتی جب اس نے ایسا نہیں … الحدیث کے باب سے ہے۔ (واللہ اعلم)

ہمارے لیے یہ کہنا ضروری ہے کہ عطیہ عوفی کے بارے میں ان کا کلام … روایات کی تحقیق پر مبنی ہوتا تو وہ اس کو ضرور بیان کرتے اور … تواریخ کی کتابوں میں اس کو نقل کرتے، حالانکہ تم اس ایک مثال کے … دلیل نہیں پاؤ گے جس کو صاحب دعویٰ پیش کر سکے۔

۴- جب دعویٰ صحیح نہیں تو فقط کلبی کی روایت کی طرف ہی معاملہ لوٹے گا۔

… تصریح و نص کے بغیر شیوخ کی تدلیس معروف نہیں ہوتی تو عطیہ عوفی کا

کلبی کی کنیت ابوسعید رکھنا، ابوسعید خدری سے تمیز نہیں کر سکتا تو یہ

توقیف ہے لہٰذا اس کا اعتبار اس کے بغیر نہیں ہوتا تو مرویات کا حوالہ

فائدہ نہیں دیتا جبکہ اس کے ساتھ کنیت رکھنے کی حکایت ہی

نص نہ ہو۔

۶۔ اس قبیح تدلیس کو ثابت کرنے کے لیے ایسا مجہول حیلہ کرنا

عذاب ہے اگر یہ طریقہ صحیح ہے تو حجت، برہان اور دلیل پر اللہ تعالیٰ

رہی ہو۔ اس کی مثال ایسے شخص کی مانند ہے جس نے کسی امر کے

میں مکذوب کی حدیث پر اعتماد کیا جب کوئی اور آدمی اس سے

اور اس کا کذب واضح کیا جس پر اس نے اعتماد کیا تھا تو یہ آدمی

کے موافق ہوگیا۔ لیکن وہ اس امر کو ثابت کرنا چاہتا ہے جو اس کے

میں ہے، تو وہ اس سے کہتا ہے کہ میں نے اس کا کذب تو تسلیم کر

پر میں نے اعتماد کیا تھا۔ لیکن بیان اور دلائل ہیں اور پھر وہ خاموش

تو اگر وہ ان کو جانتا ہوتا تو ضرور بیان کرتا۔

اس طریقے سے تو ہر باطل اور منکر امر کو ثابت کرنا اور موضوع

اعتماد کرنا ممکن ہو جائے گا۔ (واللہ المستعان)

۷۔ قاعدہ ہے کہ سکوت کرنے والے کی طرف قول منسوب نہیں

اور علماء نے کلبی کی روایت کے علاوہ اس بارے میں سکوت کیا

تو جس نے حفاظ کی طرف کلبی کی حکایت کے علاوہ کو منسوب

نے ساکت کی طرف قول کو منسوب کیا اور وہ کہہ دیا جو انہوں نے

کہا تھا۔

واللہ المستعان

اہم نوٹ :۔ البانی نے (التوسل صفحہ ۹۵) میں عطیہ کے کلبی

والی حکایت ذکر کرنے کے بعد کہا (دھی تنالفتۃ) جیسا کہ گذر گیا۔

ہمارے نزدیک یہ ایک ہی کافی ہے جو عطیہ کی عدالت کو ساقط کر دیتی ہے

ہم کہتے ہیں یہ بات دو وجوہ سے غلط ہے

حافظ جلال الدین السیوطی نے (تدریب الراوی ۱/۲۲۱) میں تدلیس کی

اقسام بیان کرتے ہوئے کہا کہ ایک شخص کو دوسرے مشہور آدمی کا نام تشبیہ

دے دینا بھی ہے۔ اس کو ابن سبکی نے جمع الجوامع میں ذکر کرتے

ہوئے کہا، جیسے ہمارا قول "اخبرنا ابو عبداللہ الحافظ" یعنی ذہبی، بیہقی سے

تشبیہ دیتے ہوئے جہاں یہ کہتے ہیں اور اس سے مراد امام حاکم ہوتے ہیں۔

اللہ یہ ہرگز نہیں کیونکہ یہ معاریقی کے قبیلہ سے ہے کہ کذب سے

ابن آمدی نے "الاحکام" اور ابن دقیق نے "الاقتراح" میں بیان کیا۔

۲۔ یہ جو ذکر کیا کہ عطیہ عوفی نے کلبی کی کنیت رکھی۔ ایسا تو عادل اشخاص

کی ایک جمعیت نے کیا ہے۔

ابن حبان نے المجروحین: (۲/۲۵۳) میں کہا: محمد بن سائب کلبی کی

کنیت اہل کوفہ کے ہاں "ابوالنضر" ہے اور امام ثوری اور محمد بن اسحاق اس

سے روایت کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں: "حدثنا ابوالنضر" جبکہ یہ

معروف نہیں۔

ہم کہتے کہ ان دونوں (ثوری اور محمد بن اسحاق) کے شیوخ میں سالم

ابن امیہ کی کنیت بھی ابوالنضر ہے جو کہ تابعی اور ثقہ ہیں جس کو ایک پوری

جماعت نے حجت بنایا۔

جیسا کہ (التہذیب: ۳/۴۳۱) میں ہے۔

اور ہشیم بن بشیر واسطی ثقہ حافظ ہے (جس نے عطیہ عوفی کے بارے

میں کلام کیا وہ بھی ایسا ہی کرتا ہے۔

امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ اس نے ابو اسحاق سبیعی سے ملاقا[ت]
نہیں کی اور وہ ابو اسحاق کوفی سے روایت کرتا ہے جس کا نام عبداللہ [بن]
میسرۃ اور کنیت ابو عبد الجلیل ہے اور ہشیم نے اس کی اور کنیت رکھی [ہے]
(التہذیب: ۱۱/۶۲)

ہم کہتے ہیں: کہ عبداللہ بن میسرۃ ضعیف ہے۔

ابن ابی خیثمہ نے ابن معین سے بیان کیا ہے کہ مروان ناموں کو تبدیل
کر دیتا ہے تاکہ لوگوں پر مخفی رہے۔ ہم سے وہ حکم بن ابی خالد سے بیان کر[تا]
ہے۔ حالانکہ وہ حکم بن ظہیر ہے اور مروان ثقہ حافظ معاویۃ فزاری کا بیٹا
ہے اور حکم سے تدلیس کرتا ہے جو متروک اور متہم ہے اور اس کے باوجود
ابن معین مروان کو ثقہ کہتے ہیں۔

پس یہ چار بڑے حفاظ ہیں جو شیوخ کی تدلیس کو ضعفاء سے رکھتے ہیں
اے منظرِ انصاف دیکھنے والو تم ان کی عدالت کا اقرار کرتے ہو اور نہ ہی
اس قول سے اعراض کر سکتے ہو۔ اگر تم اس کے بعد بھی عطیہ عوفی کے بارے
میں کلام کرو اور اس کی عدالت کو ساقط کرو تو یہ تمہاری سخت تہمت کی بات ہے
اور حدِ انصاف سے کوسوں دوری ہے اور اپنے آپ کو ایسی آمیزش میں تب[دیل]
کرنا ہے جس کا دفع کرنا مشکل ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے حفظ و امان کی دعا کر[تے ہیں]

فصل

جنہوں نے عطیہ میں شیعہ ہونے کے سبب سے کلام کیا جیسا کہ جوز
جانی نے (احوال الرجال ص ۵۶ میں کہا: "مائل"

جوزجانی ناصبی ہونے میں مشہور و معروف ہے۔ دیکھئے اسی کی کتاب
[...] کہ اس کے بارے میں حافظ نے (معارضة اللسان ۱/۱۶) میں کہا کہ
ایک محقق آدمی ابو اسحاق جوزجانی کا اہل کوفہ کو عیب لگانا تعجب سمجھتا
[ہے] اس کا سبب جوزجانی کا تعصب ہیں شدتِ انحراف اور اہل کوفہ کا تشیع
مشہور ہونا ہے۔

علاوہ ازیں جوزجانی کا قول اس کی کم عقلی کے باوجود، دراصل عطیہ عوفی
کی توثیق میں ہے۔ کیونکہ جب اس نے عوفی کی حدیث میں کوئی منکر چیز نہ پائی
اور کوئی شیعی ہے تو اس نے تشیع کے علاوہ کچھ نہ پایا جس کو ذکر کرتا تو کہا
مائل۔ اگر جوزجانی کوئی چیز پالیتا تو اس کے اظہار میں بہت جلدی کرتا اس لیے
[کہ] اس کو اہل کوفہ سے سخت عداوت ہے۔

اور نواصب سارے مجروح ہیں اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

"لَا یُحِبُّكَ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا یُبْغِضُكَ اِلَّا مُنَافِقٌ"

(تجھ سے محبت نہیں کرے گا مگر مومن اور تجھ سے بغض نہ رکھے گا مگر منافق)
تو نواصب کی جرح قبول نہ کرنے میں ہی سلامتی ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

عقیلی نے الضعفاء (۳/۳۵۹) میں سالم مرادی سے روایت نقل کی ہے کہ اس
نے کہا عطیہ عوفی شیعہ ہے۔

اور ذہبی نے یہ منقول المیزان (۳/۷۹) میں درج کیا
یہ کلام جرح میں کچھ مفید نہیں۔ مرادی عبدالواحد کوفی کا بیٹا ہے نہ وہ حفاظ
[اور] ضعف میں شامل ہے اور نہ ہی ان نقاد میں ہے جن کے قول پر جرح و تعدیل

میں آدمی کو اعتماد ہوتا ہے۔ جبکہ وہ خود بھی عطیہ عوفی کی طرح شیعہ ہے۔
عطیہ عوفی اس کے مشائخ میں سے ہیں اور عطیہ عوفی پر تنقید سے کوسوں
یہ تنبیہ ہم نے شیخ حماد انصاری پر تعاقب کرتے ہوئے کی ہے
انھوں نے اپنے رسالہ (تحفة القاری فی الرد علی الغماری ص۶۳) میں
مراد کو ان نقاد میں شمار کیا ہے جو عطیہ عوفی کی تضعیف کرتے ہیں۔
ان کے کلام میں دو وجہ سے خطا ہے۔

۱۔ یقیناً سالم مرادی نقاد کی صف میں شامل نہیں بلکہ وہ عطیہ عوفی کے
میں فقط ایک امر کو نقل کرتا ہے۔

۲۔ اس کا کلام جرح میں کچھ مفید نہیں، تو شیخ حماد انصاری کس طرح ان
عطیہ عوفی کی جرح کرنے والوں میں شمار کرتے ہیں۔ لگتا ہے شیخ حماد
تو بغیر کسی غور و فکر کے عطیہ عوفی پر جرح کرنے والوں کو جمع کرنے
رکھتا ہے۔

اور اسی طرح ساجی کا قول عطیہ عوفی کے بارے میں حجت نہیں کہ وہ
علی المرتضیٰ کو سب پر مقدم سمجھتا ہے۔" (التہذیب: ۷/۲۲۶)
کیونکہ ساجی بصری ہے اور بصریوں میں نصب کثرت سے پایا جاتا
حافظ نے (اللسان: ۳/۴۳۹) میں کہا: کثیر اہل بصرہ میں نصب مشہور
اور وہ لوگ (شیعوں) کے بارے میں افراط سے کام لیتے ہیں۔ کیونکہ
عثمانی ہیں خصوصاً اس کے بارے میں جو ان میں موجود ہوا (التہذیب: ۱/۳
اور ساجی رحمہ اللہ تعالیٰ شدید متعصب ہے۔ لہذا کوفیوں کے بارے
میں اس کی جرح میں تحقیق کرنا چاہئے۔ اور وہ آدمی پر جرح مذہب کے سبب
سے کرتا ہے۔ جس طرح کہ یہاں عطیہ عوفی کے بارے میں اس نے کیا۔

بحجة" (وہ حجت نہیں) پھر اس نے اپنے قول کا سبب واضح کیا۔
حضرت علی المرتضیٰ کو سب پر مقدم ٹھہراتا ہے۔
تو جب آدمی شیعہ ہو اور حضرت علی المرتضیٰ کو سب پر مقدم مانتا ہو تو
ہے کہ وہ مخالف کے نزدیک مجروح ہوگا جیسا کہ اس نے کہا (وہ حجت
علاوہ ازیں تشیع وغیرہ، جرح مردود ہوتی ہے۔ اس کی طرف کوئی التفات
جاتی، اعتماد راوی کے صدق سے ہے نہ کہ مذہب سے۔ کتنے ہی شیعہ
خوارج راوی ہیں، جن کی حدیث کو صحیحین میں نقل کیا گیا ہے اور اسی طریقہ
عمل ہے۔[1]

ان کا عطیہ عوفی میں زیادہ جرح کرنا اس سبب سے ہے کہ وہ حضرت علی بن
طالب علیہ السلام سے محبت رکھنے والے ہیں اور ناصبیوں نے ان کو
حضرت علی پر سب و شتم یا برا بھلا (کہنے) پر (مجبور کیا) تو انہوں نے انکار کیا تو یہ تو ان کی مدح
ہونی چاہیئے۔ لیکن نواصب میں شدت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔
ابن سعد نے (الطبقات: ۶/۳۰۴) میں کہا کہ
عطیہ نے ابن اشعث کے ساتھ خروج کیا تو حجاج نے محمد بن قاسم کو لکھا

---

[1] اہل بدعت کی روایت قبول کرنے کے بارے میں حافظ سید احمد بن
صدیق غماری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کتاب "فتح الملك العلي بصحة حديث
باب مدينة العلم علي" دیکھو جس میں بے شمار فوائد اور مناقشات ہیں جو کسی اور
کتاب میں نہیں۔ [2] اہل بیت کو (علیہ السلام) کہنا متقدمین خصوصاً محدثین کا طریقہ
ہے میں نے اپنی کتاب "بشارة المؤمن بتصحيح حديث اتقوا فراسة المؤمن" میں
اس مسئلہ پر کچھ دلائل ذکر کئے ہیں۔ لہذا نواصب کے انتہائی تعصب اور فساد انگیزی
کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جائے گی۔

کہ اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے پر آمادہ کرے، اگر وہ ایسا نہ کرے
تو اس کو چار سو کوڑے مارو اور اس کی داڑھی مونڈ دو۔ تو اس نے عطیہ
سے اس امر کے بارے میں کہا تو انہوں نے سب و شتم کرنے سے انکار کر دیا تو اس
ان پر حجاج کا حکم نافذ کر دیا۔

اب تم عطیہ پر کوڑوں کا برسنا اور ان کا علی کرم اللہ وجہہ سے محبت
دیکھو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے
میں یہ فرمان صحت کے ساتھ ثابت ہے۔

لَا يُحِبُّكَ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضُكَ إِلَّا مُنَافِقٌ

فصل

جس نے عطیہ میں اس سبب سے کلام کیا ہے کہ اس کی روایت
پھر انکار ہے تو ہم نے کسی کو بھی عطیہ عوفی کے حالات میں اس دعویٰ کی
تصریح کرتے ہوئے نہیں پایا، ماسوائے ابن عدی کے کہ اس نے ایک
حدیث (الکامل: ۵/۲۰۰۷) سے اس کے حالات میں نقل کی ہے۔ اس
نے بھی اپنے دعویٰ کی تائید میں دلیل کی طرف اشارہ کیا ہے اور تصریح نہیں کی
ابن عدی نے کہا: ہم سے ابو العلاء محمد بن احمد کوفی نے مصر میں بیان کیا
ان سے محمد بن صباح دولابی نے، ان سے ابراہیم بن سلیمان بن رزین نے (جو کہ
ابو اسماعیل مؤدب ہے) ان سے عطیہ عوفی نے ۱۱ھ میں حضرت ابو سعید
خدری سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:
إِنَّ أَهْلَ عِلِّيِّينَ لَيَرَاهُمْ مَنْ تَحْتَهُمْ كَمَا تَرَوْنَ الْكَوْكَبَ
الَّذِي بِالْأُفُقِ، وَإِنَّ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ مِنْهُمْ وَأَنْعَمَا۔

اہل علیین کو نچلے طبقے والے یوں دیکھیں گے جیسے تم اُفق پر چمکتے
ستارے کو دیکھتے ہو اور بلاشبہ ابو بکر اور عمر ان میں سے صاحب نعمت ہیں۔
میں کہتا ہوں کہ حضرت ابو سعید خدری کی حدیث صحیحین (الفتح ۶/۳۲۰،
مسلم ۲۱۷۰) میں بایں الفاظ درج ہیں۔

إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ يَتَرَاءَوْنَ أَهْلَ الْغُرَفِ مِنْ فَوْقِهِمْ كَمَا يَتَرَاءَوْنَ الْكَوْكَبَ الدُّرِّيَّ الْغَابِرَ فِي الْأُفُقِ مِنَ الْمَشْرِقِ أَوِ الْمَغْرِبِ لِتَفَاضُلِ مَا بَيْنَهُمْ، قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ تِلْكَ مَنَازِلُ الْأَنْبِيَاءِ لَا يَبْلُغُهَا غَيْرُهُمْ، قَالَ بَلَى وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ رِجَالٌ آمَنُوا بِاللَّهِ وَصَدَّقُوا الْمُرْسَلِينَ۔

بیشک اہل جنت اپنے سے اوپر محلات میں رہنے والوں کو ایسے دیکھیں گے جیسے تم مشرقی یا مغربی کنارے پر چمکتے ہوئے تارے کو دیکھتے ہو اس لیے کہ ان کے مابین فضیلت ہے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ انبیاء کے مقامات ہونگے، غیر نبی تو وہاں نہیں پہنچے گا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ہاں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے وہ لوگ ہوں گے جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی۔

ان کو امام احمد نے المسند: ۳/۵۰، ۷۲، ۹۳) اور فضائل الصحابہ: (...) میں نقل کیا (ابو داؤد: ۳۹۸۷) الترمذی (تحفۃ: ۱۰/۱۳۱-۱۳۲) (... ۱/۳۶۷) (الحمیدی: ۲/۳۳۳) عبد بن حمید کی (المنتخب ص ...) (... الموصلی (۲/۳۹۹ - ۴۰۰) ابن ابی عاصم کی (السنۃ: ۲/۶۱۷) اور خیثمہ بن ... الاطرابلسی کی (جزء الفضائل ص ۲۰۰) اور ... ابن الجعد ص ۳۵۹ میں درج ہے۔

ان تمام نے عطیہ کے طریق سے حضرت ابو سعید خدری سے بطور مرفوع روایت کیا ہے۔ اسی طریق سے جس کو ابن عدی روایت کیا۔

گویا ابن عدی نے عطیہ کے اس جملہ کو منکر کہا "وَإِنَّ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ مِنْهُمْ وَأَنْعَمَا۔" کیونکہ اصل حدیث صحیحین میں وارد ہے جیسا کہ گزرا۔

ہم کہتے ہیں! یہ اضافہ ثابت ہے۔ اس میں عطیہ عوفی متفرد نہیں اس کو احمد نے (المسند ۲۶/۳) (فضائل الصحابہ ۶۹/۱) اور ابو یعلی نے (المسند ۴۶۱/۲) میں اس کو مجالد عن أبي الوداك عن أبي سعيد الخدري طریق سے بطور مرفوع نقل کیا ہے۔

مجالد میں کلام ہے۔ لیکن متعدد ثقہ نے اس کی متابعت کی ہے اور ابو وداک ثقہ تابعی ہیں۔ اضافہ مذکورہ کے ثبوت کے بعد واضح ہوا کہ عطیہ عوفی کی جرح کا دعویٰ محتاج دلیل ہے۔

پھر ایک اور حدیث امام بخاری نے "التاریخ الصغیر ص۱۲۴" میں نقل کرتے ہوئے کہا کہ امام احمد نے حدیث عبد الملک کی عطیہ سے۔ انھوں نے ابو سعید خدری سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

تَرَكْتُ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ" کے بارے میں کہا کہ کوفیوں کی یہ احادیث مناکیر ہیں۔

نکارت کے معانی

ہم کہتے ہیں نکارت کے چند معانی ہیں۔

۱۔ شاذ کے مترادف۔

۲۔ ضعیف راوی کی اپنے سے ثقہ کی مخالفت ہو۔

۳۔ وہ ضعیف ایسا متفرد ہو جس کے تفرد کو قبول نہ کیا جائے اور نہ ہی اس کے کوئی تابع ہو اور نہ شاہد۔

...ب اور اصول کے مخالف ہو اور اس کے ساتھ الفاظ ...بھی ہوں۔

...ی متفرد ہو۔ اگرچہ کسی وجہ سے ہو۔

تحقیق مقام

پہلی اور دوسری قسم تو عطیہ عوفی نے کسی کی مخالفت نہیں کی، نہ متن میں نہ سند میں تو یہ شاذ نہیں۔

...ی قسم کہ حدیث فرد نہیں، لہذا کوئی بات اس پر چسپاں نہیں ہوگی۔

...ی قسم اس کی مکمل نفی ہے۔ کیونکہ اس کے اور غیر کے درمیان کوئی تعارض ...ہیں۔ بلکہ وہ علم کے لیے مفید ہے۔

...ا رہی پانچویں وجہ جو کہ مطلق تفرد ہے۔ عطیہ کے ابو سعید خدری سے ...کی جہت سے تو اس وجہ پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالے کے ...معمول کرنا ضروری ہے۔

فصل

...ابو زرعہ کا "کوفی لین" اور ابو حاتم الرازی کا "ضعیف یکتب حدیثہ" کہنا ...مبہم غیر مفسر ہے جو مردود ہوتی ہے جیسا کہ قواعد حدیث میں مسلم ہے ...اس پر عمل جاری وساری ہے تو اس کے مقابلہ میں اس تعدیل کو ...ہوگا جو عطیہ عوفی کے حق میں وارد ہوئی۔

لیکن اس مقام پر بھی دو اہم امور ہیں۔

...مذکورہ جرح کوئی ایسی شدید جرح نہیں جو ایک راوی کو تعدیل سے ...کر اور درجہ کی طرف منتقل کرے جہاں اس کی حدیث معتبر نہ ہے بلکہ ...ضعیف سے ہے جو ایسے متعدد راویوں میں پائی جاتی ہے جن کی

صحت کو حفاظ نے مانا اور صحیح میں ان کی حدیث کو نقل کیا۔

۲- بلاشبہ یہ جرح غیر مفسر بھی حقیقت میں ان دو امور کی طرف ہی راجع ہے جن کے سبب یہ ظلم ڈھایا گیا اور وہ دو امور تشیع اور تدلیس ہیں۔

اور حافظ نے نتائج الافکار (۱/۲۷۱) میں کہا ہے کہ "عطیہ کا ضعف تشیع اور تدلیس کے سبب سے ہی ہے۔

تشیع اور تدلیس جو عطیہ کوفی کے بارے میں منقول ہیں ان پر مفصل کلام گذر گیا ہے۔

باقی تمہیں معلوم ہو جانا چاہیئے کہ ابو حاتم رازی سے بھی عطیہ عوفی کی توثیق منقول ہے۔ جس کا عنقریب بیان آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

فصل

ابن عدی کا الکامل (۵/۲۰۰۷) میں کہنا کہ "اس کے ضعف کے باوجود اس سے حدیث لکھ لی جائے۔

تو ابن عدی نے عطیہ عوفی کے حالات میں چند امور پر اعتماد کیا، جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱- ابن ابی مریم کی یحییٰ بن معین سے روایت کہ انہوں نے عطیہ عوفی کے بارے میں کہا کہ

"ضعیف ہے مگر اس کی حدیث لکھی جا سکتی ہے۔

۲- کلبی کی تدلیس والی حکایت کے سبب امام احمد، ثوری اور ہشیم کا ضعیف قرار دینا۔

۳- جوزجانی کا کہنا: "مائل"

۴- وہ حدیث جو اس نے بطور استشہاد ذکر کی، جس پر کلام گذر گیا ہے

ابن عدی کا اعتماد

ظاہر بات ہے کہ ابن عدی آخری تین امور پر قانع نہ ہوئے اور صرف یحییٰ بن معین کے قول "ضعیف (إلا أنه) یکتب حدیثه" کو پسند کیا جس کو ابن مریم نے روایت کیا ہے۔ (اور وہ) اس منقول میں یحییٰ بن معین کے تابع ہے۔ بلکہ اس کی عبارت نقل کرتے ہوئے ترجمہ کو ان الفاظ پر ختم کیا۔

"مع ضعفه یکتب حدیثه"

ابن عدی کا امور ثلاثہ پر اکتفا نہ کرنا تو درست ہے، کیونکہ احمد، ثوری اور ہشیم کا ضعیف کہہ دینا تو اسی تدلیس کی حکایت کی طرف راجع ہے جو صحیح (نہیں) کیونکہ اس میں محمد بن سائب کلبی منفرد ہے۔ جس کا حال ضعف (میں) معروف ہے اور جوزجانی کے قول (جواب کے) سے بھی ہم فارغ ہو (چکے) ہیں اور مذکورہ حدیث کو دوبارہ لانے کی ضرورت نہیں۔ (احتمال) اس (حدیث) کے سبب تضعیف کا فتویٰ دینا بے جا تشدد ہے تو باقی رہا اس کا اعتماد کرنا یحییٰ بن معین کے قول پر تو وہ اس کا تابع ہے یا مقلد کہہ لو جیسے قاری مرضی۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ عطیہ عوفی کے بارے میں جس روایت پر ابن عدی نے اعتماد کیا وہ ابن ابی مریم کی روایت ہے جو یحییٰ بن معین کی ان تمام مرویات کے مقابلہ میں مرجوح ہے جن میں عطیہ عوفی کی توثیق ہے۔

جب ابن عدی کے اعتماد والی روایت ہی مرجوح ہے تو اس کا اپنا قول بھی اسی کی مانند ہی ہوگا

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

فصل

عطیہ عوفی کے بارے میں جرح کی حقیقت ظاہر ہوجانے کے بعد مسئلہ عیاں ہوگیا کہ ایسی جرح راوی کو مضر نہیں اور نہ ہی اس کے کسی امر کو کمزور کرتی ہے۔ کیونکہ تحقیق کے ساتھ واضح ہوا کہ ایسی جرح کی طرف نہ التفات ہوتا ہے اور نہ ہی اس پر عمل۔

تو اب ضروری ہے کہ رجل (عطیہ عوفی) کی عدالت و صداقت، اس کی حدیث پر ائمہ کا عمل احکام میں اسے بطور حجت قبول کرنا اور ابواب میں اس کی تخریج واضح کی جائے۔

عطیہ عوفی کی توثیق

ایک جماعت نے اس (عطیہ) کی توثیق وتعدیل کرتے ہوئے اس کی حدیث کو قبول کیا ہے مثلاً

ابن سعد نے (الطبقات الکبریٰ: ۳۰۴/۶) میں کہا

"وکان ثقة إن شاء الله وله أحادیث صالحة ومن الناس من لا یحتج به"۔

(رجل ثقہ ہے ان شاء اللہ اور اس کی احادیث صالحہ ہیں اور بعض نے اس کو حجت نہیں مانا)

صاحب "الکشف والتبیین" نے اس توثیق کو رد کرنے کا قصد کرتے ہوئے رسالہ مذکورہ (ص ۳۹) میں کہا:

"اس قسم کی توثیق اکثر ائمہ سے اس (عطیہ) کی تضعیف کے مقابل نہیں ہوسکتی جیسا کہ اس کی تفصیل گذر گئی اور خصوصاً ابن سعد کی توثیق کا اعتماد غالباً واقدی پر ہے جو کہ قابل اعتماد ہے ہی نہیں۔

جیسا کہ حافظ ابن حجر نے (ھدی الساری ص ۴۱۴) اور ص ۴۴۳، ۴۴۷)

... سکتے ہیں :- ــــــ اگر ہر جرح کو قبول کیا جائے جو کسی امام یا غیرہ سے ... روایت کا دروازہ بالکل بند ہوجائے گا تم کوئی ایسا راوی نہیں پاؤ گے ... سالم ہو۔ لیکن ماہر عاقل وہ ہے جو جانچ پڑتال کرے اگر جرح مناسب ہو ... ورنہ ترک کردے اور جنہوں نے عطیہ میں جرح کی ان کی جرح کا سبب ... تشیع یا بعض روایات کا انکار ہے۔ تدلیس معتبر نہیں کیونکہ اس کا ... صاحب پر ہے جو تالف اور متہم بالکذب ہے اور تشیع کی جرح مردود ... بعض کا انکار کرنے پر کلام گذر گیا جس میں صواب عطیہ کے ساتھ ہے ... یا اس کا کہنا کہ ابن سعد کا اعتماد غالباً واقدی پر ہے جس کی تصریح ... ابن حجر کی۔ لیکن یہ علی الاطلاق صحیح نہیں اس لیے کہ ابن سعد کا عطیہ پر ... سے واضح ہوجاتا ہے کہ وہ اس کے احوال، اس کی احادیث اور اس ... میں لوگوں کے کلام سے اچھے خاصے واقف ہیں تو یہاں واقدی کی ... والنت نہیں ہوگی۔

... سعد کا کلام، عوفی کا کلام، عراقی کے بارے میں ہے حالانکہ ان دونوں ... فرق ہے جو حافظ ابن حجر نے (مقدمة الفتح ص ۴۴۳) میں ابن سعد کا کلام ... کا سبب بیان کرتے ہوئے کہا:

... واقدی کی تقلید کرتا ہے اور واقدی اہل مدینہ کے طریقہ پر اہل عراق ... ف ہے۔ پس اس کو سمجھ لے تو تو ہدایت پا جائے گا۔ ان شاء اللہ

... جب تم ابن سعد کی کسی عراقی پر جرح پاؤ تو قبول کرنے سے پرہیز ... لیکن جب ابن سعد کسی عراقی کوفی کی توثیق کرے تو ضروری ہے کہ اس کو

دل کی اتھاہ گہرائیوں سے قبول کرو کیونکہ مد مقابل کی شہادت سب سے مضبوط اور پختہ ہوتی ہے۔

پھر ابن سعد کا قول "کان ثقۃ إن شاء اللہ تعالیٰ ولہ احادیث صالحۃ ومن الناس من لا یحتج بہ" چند امور کا فائدہ دیتا ہے۔

۱- اس میں عطیہ عوفی کی توثیق ہے۔

۲- عطیہ عوفی کی احادیث صالحہ مقبولہ ہیں۔

۳- ان کی توثیق کی زیادہ تاکید ان کے اس مال سے ہوتی ہے کہ انہوں نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس کی حجت نہیں تسلیم کرتے تو اس کے باوجود انھوں نے اپنے قول پر اکتفا نہیں بلکہ کمل اعراض کرتے ہوئے اس (عطیہ) کی توثیق کو ترجیح دی حالانکہ وہ ان کو خوب پہچانتے ہیں۔ جب ان پر واضح ہوا کہ یہ جرح حقیقت میں جرح ہی نہیں تو اس کو ترک کر دیا۔ اگر جرح ہوتی تو اس کی حدیث کو رد کرتے اور عدم توثیق کی تصریح کرتے۔

خلاصۂ کلام خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ یقیناً ابن سعد کا عطیہ عوفی کی توثیق کرنا مقبول ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فصل

جرح و تعدیل کے امام یحییٰ بن معین نے اس (عطیہ) کی توثیق کی اور متعدد بار نقل کیا ہے۔

(سوالات الدوری میں ص ۴۰/ ۲، ۲۴۳ میں ہے: یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا عطیہ کی حدیث کیسی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: "صالح" [1]

---

[1] صاحب کشف والتبیین (ص ۳) نے عطیہ عوفی کے بارے میں

حاشیہ یحییٰ بن معین کے قول کے متعلق کہا کہ اس کا قول تاریخ الدوری میں "صالح" کمزور تعدیل (کمزوری) ہے کیونکہ اس (عطیہ) میں کلام ہے، جیسا کہ حافظ نے الہدیٰ (ص ۴۳۱) پر تصریح کی۔

میں کہتا ہوں :۔ —— اس عبارت کا قائل ابن حبان ہے نہ کہ حافظ اس پر ظاہر ہے جس نے ہدی الساری (ص ۴۳۱) میں عبدالرحمن بن سلیمان المعروف بابن الغسیل کے حالات کو پڑھا۔ وہاں اس نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ ان ابن حبان کی (المجروحین ۲/ ۵۷) پر ملے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ قواعد حدیث میں ضابطہ ہے کہ جب ناقد پرکھنے والا راوی کے حال کو اسے کسی رجل کی حدیث کے بارے میں پوچھا جائے تو جواب میں "صالح" کہہ دے، تو وہ تعدیل کے درجہ میں معتبر ہوتا ہے۔ یہ رجل (عطیہ) اس قول سے توثیق شدہ ہوا کیونکہ وہ صالح الحدیث ہے لیکن یہ مراد نہیں ہوگی کہ یہ توثیق کے اعلیٰ درجہ میں ہے۔ فقط اس کی حدیث حسن ہوگی۔

اگر یہ کہا جائے کہ عبارت کمزور ہے تو ممکن ہے کہ کہا جائے، یہ جرح نہیں بلکہ صورت یہ ہوگی کہ وہ توثیق کے اعلیٰ درجے کی نسبت سے کمزور ہے جبکہ اور نسبت سے کمزور مانا گیا ہے جو کلام نسبی ہے اور جب تو اس کے جرح ہونے کا اعتبار کرے تو یہ غلط فہمی ہے۔ جس پر اس کے صاحب کا کوئی احسان نہیں ہوگا۔

تیسرا امر یہ ہے کہ ماہرین آئمہ میں سے امام حافظ ابن قطان السلجماسی کا ابن معین کے کلام کو سمجھنے میں فہم صحیح ہے۔ جنہوں نے کہا: جیسا کہ نصب الرایۃ (۹۱/ ۲) میں ہے کہ عطیہ عوفی کی تضعیف کی گئی ہے اور ابن معین نے اس کی

اور اسی میں ہے کہ میں نے یحیٰی بن معین سے عطیہ اور اَبو نضرۃ کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے کہا "اَبو نضرۃ" مجھے زیادہ پسند ہے"۔

اِسی نص سے عطیہ کی توثیق ہوتی ہے کیونکہ اَبو نضرۃ یحیٰی بن معین کے نزدیک ثقہ ہے جیسا کہ "التھذیب" میں ہے کہ درحقیقت میں دو ثقہ راویوں کے درمیان تفاوت ہے۔

اور ابن اَبی خیثمہ نے کہا: "ابن معین سے سوال ہوا کہ عطیہ اَبو وداک کی مثل ہے؟ انھوں نے جواب دیا نہیں۔ پھر پوچھا گیا: اَبو ہارون کی مثل ہے؟ فرمایا اَبو وداک ثقہ ہے اس کی اور اَبو ہارون کی مثل نہیں"۔ (التھذیب ۲/...)

دیکھئے ابن معین کا اَبو وداک ثقہ کے ساتھ عطیہ کے شمول کو پسند کرنا بھی اس کی توثیق ہے۔

ثقہ راویوں کے درمیان امتقارن ہونے کی امثلہ کتب جرح و تعدیل میں بے شمار ہیں۔ اور یحیٰی بن معین عطیہ عوفی کو پسند کرتے ہیں۔ لیکن ابو نضرۃ اس سے بھی زیادہ پسند ہے۔

اور یحیٰی بن معین اَبو خالد الدقاق (صـ۲۵) کی روایت میں کہا ہے۔

<u>بقیہ حاشیہ</u>: حدیث کو "صالح" کہا ہے تو نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی حدیث "حسن" ہے۔

غور کریں! اس امام نے ابن معین کے قول "صالح" پہ اعتماد کرتے ہوئے عطیہ عوفی کی حدیث کی تحسین کی ہے اور یہ حافظ ہیثمی ہیں جو متاخرین میں سے ہیں جس نے ابن معین کی توثیق پر اعتماد کر لیا ہے جیسا کہ مجمع الزوائد ۷/۱۳۱ میں ہے۔ اسی طرح عطیہ عوفی کی تحسین (مجمع الزوائد ۱۰/...) میں بھی کی گئی ہے۔

"عطیہ عوفی سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں"

ہم کہتے ہیں یہ عطیہ عوفی کے بارے میں جرح و تعدیل کے امام کی توثیق ہے اور یحیٰی ابن معین نے تصریح کی ہے۔ وہ جس کے بارے میں "لا باس بہ" کہیں "فھو ثقۃ" (وہ ثقہ ہوتا ہے)۔ یہ ان کا اپنا قول اور تصریح ہے اور نص کے ہوتے ہوئے اجتہاد مقبول نہیں ہوتا۔

ابن معین سے مروی یہ نص متعدد کتابوں میں موجود ہے۔ مثلاً ثقات ابن شاہین (صـ۲۷) مقدمۃ ابن الصلاح، اور مقدمۃ اللسان ۱/۱۳ وغیرہ

اور ابن الجنید نے ابن معین کے حوالے سے کہا، عطیہ اور عمر بن ابی قیس سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ میں نے پوچھا وہ دونوں ثقہ ہیں فرمایا ان دونوں ثقہ ہیں (التھذیب ۶/۲۰۷) اور یہ دو لفظوں کے ترادف سے ظاہر ہے۔ پس یہ یحیٰی بن معین کی مخصوص اصطلاح ہے جس پر کوئی اعتراض نہیں۔

صاحب الکشف والتبیین صـ۳۸ نے کہا کہ

ابن معین "لیس بہ باس" یا "لا باس بہ" کہتے ہیں جس سے حتمی طور پر نہ توثیق سمجھی جا سکتی ہے نہ جرح، کیونکہ اکثر وہ اس طرح کے الفاظ ثقات کے بارے میں کہتے ہیں لیکن یہ مطلق نہیں۔ اس لیے کہ ان کا "لا باس بہ" یا "لیس بہ باس" کہنا ضعیف لوگوں کے حق میں بھی وارد ہے۔

دیکھیں اس کی مثالیں (میزان الاعتدال ۱/۳۴۱، ۴۳۵) (الجرح والتعدیل ۳/۱۱) اور (تقریب التھذیب ۱/۹۳) میں

ہم کہتے ہیں کہ اس کلام میں چند وجوہ سے نظر ہے۔

۱۔ لامحالہ امام ابن معین نے تصریح کر دی ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا کہ

"ذ باس بہ" کا معنی ان کے نزدیک یہ ہے کہ رجل ثقہ ہے تو ان کے قول کو ایسے قول سے بدلنا جو انہوں نے نہیں کہا جائز نہیں۔

۲۔ جب ابن معین ایک رجل کو "لا باس بہ" کہہ دیں اور فی الواقع وہ ضعیف بھی ہو تو مضر نہیں۔ اس لیے کہ کتنے ہی رجال کی ابن معین نے تنہا توثیق کی ہے اور دیگر نے ان کی تضعیف کی، اور یہ فقط ابن معین کا ہی حال نہیں بلکہ جرح و تعدیل کے تمام ائمہ کا یہی طریقہ ہے۔ تم ضعیف راوی کے حالات میں دیکھو، کوئی ایک اس کی توثیق میں منفرد نظر آتا ہے۔

جب اس کا معنی توثیق مراد نہیں لیا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جرح و تعدیل کا علم مکمل طور پر ختم ہوا اور اس کے دلائل کھو گئے ہوئے، جن کا اطلاق افراد پر نہیں ہوتا اور یقیناً الفاظ کے قواعد معانی کا اعتبار نہیں۔

۳۔ ان کا یہ قول: کہ ان سے "لا باس بہ" اور "لیس بہ باس" ضعیف لوگوں کے بارے میں بھی وارد ہے۔

ہم کہتے ہیں: ہو سکتا ہے وہ دیگر ائمہ کے نزدیک ضعیف ہوں لیکن ان کے نزدیک ثقہ ہی ہوں تو اس میں کیا حرج ہے؟ اور اس کے مقابل دوسرا قول کہ ضعیف لوگوں کے بارے میں ان کا "ثقہ" کہنا وارد ہے اور کثیر ہے تو بھی کیا ہے؟ ہر ناقد اور مجتہد کی اپنی تحقیق اور رائے ہوتی ہے۔

چار امثلہ پر مصنف کی گفتگو

۴۔ پھر اس نے اپنے مقولہ مردودہ کی تائید میں چار مثالیں ذکر کی ہیں، جن پر ہماری گفتگو بھی سنیے۔

پہلی مثال: بکار بن محمد بن عبد اللہ بن محمد بن سیرین السیرینی (المیزان ۳۴۲/۱) کے بارے میں یحییٰ بن معین نے کہا "کتبت عنہ، لیس بہ باس"

(میں نے) اس سے حدیث لکھی ان میں کوئی حرج نہیں اور دیگر ائمہ نے ان کی تضعیف (کی ہے۔ یہ) مثال دعوے کے لیے کچھ مفید نہیں اور نہ ہی اس سے ابن معین کا (راوی) کو ضعیف کہنا ثابت ہوتا ہے اور یہ کیسے ہو جب کہ وہ کہتے ہیں (کتبت عنہ) "میں نے ان سے لکھا" اور وہ آپ کے اساتذہ میں سے ہیں (اور) وہ دیگر کے نزدیک ضعیف ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ (ابن معین) (کے نزدیک) بھی ضعیف ہوں یا وہ فی الواقع ضعیف ہوں تو لازم باطل ہے۔ (ہر) آدمی اپنے اساتذہ سے دوسروں سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔

دوسری مثال: الحارث بن عبد اللہ الأعور الشیعی الکوفی، حالانکہ (یہ) مثال دعوے کو جڑ سے اکھیڑ کر رکھ دیتی ہے۔ امام یحییٰ بن معین نے اس (کے بارے) میں بروایۃ الدوری میں فرمایا "لیس بہ باس" ان میں کوئی حرج (نہیں)۔ شیخ عثمان الدارمی کہتے ہیں، میں نے یحییٰ بن معین سے حارث (کے) متعلق سوال کیا تو آپ نے کہا: "ثقہ ہے"۔ اس امام کے توافق اور (اتفاق) کو دیکھیے کہ ان کی توثیق ابن معین سے متعدد لوگوں نے بیان کی ہے (ان میں) سے ابن شاہین نے اس جزء میں جو تاریخ جرجان (۱۵۵، ۶۵۶) کے ساتھ ہے (نقل) کیا ہے۔

(ایک) غلط فہمی کا ازالہ

اگر یہ کہا جائے کہ عثمان بن سعید الدارمی نے ابن معین سے اس کی حکایت کرنے کے بعد کہا کہ اس پر یحییٰ کا کوئی متابع نہیں۔

تو ہم کہتے ہیں کہ یہ دارمی کا مبلغ علم ہے جبکہ اس کی توثیق احمد بن صالح المصری نے کی ہے اور ابن معین نے کہا "ما زال المحدثون یقبلون حدیثہ" ہمیشہ محدثین اس کی حدیث قبول کرتے رہے۔ امام الجرح والتعدیل

یہ نہایت معتدل اور درست قول ہے۔

اور السہسوانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم نہیں کہ ابو حاتم کا ایک [illegible]
قول بھی ہے جو عطیہ عوفی کی توثیق کا فائدہ دیتا ہے۔ عنقریب اس [illegible]
آجائے گا (انشاء اللہ تعالیٰ)

امام ابن شاہین ابن شاہین نے عطیہ عوفی کو الثقات (۱۰۲ [illegible]
کیا ہے تو وہ اس کی توثیق کرنے والوں میں سے [illegible]
اگر یہ کہا جائے کہ اس کو الضعفاء میں بھی ذکر کرتے ہوئے اس نے [illegible]
ہے کہ "احمد اور یحییٰ نے اس کی تضعیف کی"

تو ہم کہتے ہیں توثیق ہی قابل ترجیح ہے۔ جبکہ تمہیں معلوم ہوا کہ امام [illegible]
کا اعتماد محمد بن السائب الکلبی کی روایت پر ہے اور وہ روایت ساقط [illegible]
جس پر اعتماد نہیں کیا جائے گا اور یقیناً یحییٰ بن معین اس (عطیہ) کی [illegible]
کرنے والوں میں سے ہیں، جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

امام ابو بکر البزار جنہوں نے اس (عطیہ) کو تشیع میں شمار کرتے ہوئے [illegible]
کہا کہ "روی عنہ جلة الناس"
(اس سے عظیم المرتبت لوگوں نے روایت کی) (التہذیب: ۷/ ۲۲۶)

یہ صیغہ تعدیل ہے جو کہ ان کے قول "صالح الحدیث، مقارب ال[illegible]
وغیرہ" کی برابری میں ہے، جیسا کہ قواعد حدیث میں معلوم ہے۔

اور البزار کے قول کی وضاحت خوب ہوئی جو کہ مشہور و معروف [illegible]
"التہذیب" میں موجود ہے، ہم نے کسی کو بھی اس حدیث کی تضعیف [illegible]
کوشش کرتے ہوئے نہیں دیکھا، جس کو ابو بکر البزار کے قول کے لیے [illegible]
کیا جائے جو کہ عطیہ عوفی کی تعدیل کا فائدہ دیتا ہے۔ (والحمد للہ علی [illegible]

[illegible] ابو حاتم الرازی ابن ابی حاتم نے کہا ہے کہ میرے والد سے ابو نضرہ
اور عطیہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے
[illegible] مجھے زیادہ پسند ہے۔

[illegible] اصل یہ دو ثقہ راویوں کے درمیان مقارنت ہے تو بلاشبہ ابو نضرہ
[illegible] مالک العبدی ثقہ ہے۔

[illegible] یحییٰ بن سعید القطان انہوں نے ابو وداک جبیر بن نوف کے
متعلق کہا ہے کہ "یہ مجھے عطیہ سے زیادہ
[illegible] (التہذیب ۲۱/ ۶۰)

[illegible] کہتے ہیں، یہ بھی دو ثقہ راویوں کے درمیان مقارنت ہے۔

[illegible] ابن خزیمہ انہوں نے حدیث کو اپنی صحیح میں نقل کیا۔
امام بوصیری نے مصباح الزجاجة ۱/ ۹۷ میں کہا "رواہ
[illegible] فی صحیحہ من طریق فضیل بن مرزوق فهو صحیح عنده"
[illegible] نے اپنی صحیح میں فضیل بن مرزوق کے طریق سے روایت
[illegible] اس کے نزدیک صحیح ہے۔

[illegible] کہتے ہیں: حدیث کی تصحیح کا دارومدار اس کے رجال کی توثیق پر۔
[illegible] اور ان میں عطیہ عوفی بھی ہے۔
[illegible] صاحب الکشف والتبیین کے لیے کوئی راستہ نہیں کہ وہ صحیح
[illegible] کو اپنا نشانہ بنائے اور حافظ ابن حجر نے "النکت" میں کلام نقل
[illegible] (۱/ ۲۹۱، ۲۹۰/۱، ۲۷) جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔
[illegible] ابن خزیمہ صحیح اور حسن میں تفریق نہیں کرتا تو جو کچھ اس کے نزدیک صحیح
[illegible] وہ سب صحیح نہیں بلکہ اس میں حسن بھی ہے جو صحیح ہی کا درجہ ہے۔

۲- حافظ نے کہا: ابن خزیمۃ کی کتاب میں درج احادیث کا حکم یہ ہے
وہ حجت ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں، اس لیے کہ وہ صحیح اور حسن ہیں
ہیں جب تک کہ کسی میں علت قادحہ ظاہر نہ ہو۔

ہم کہتے ہیں: کہ حافظ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ ابن خزیمۃ کی
دو قسم پر ہیں:

۱- صحیح یا حسن

۲- وہ جس میں علت قادحہ ظاہر ہو، یہ بہت قلیل ہیں۔

لیکن یہ غیر کی نظر میں ہے نہ کہ امام الائمۃ ابن خزیمۃ کی نظر میں جنھوں
نے اپنی کتاب کا نام "المسند الصحیح المتصل بنقل العدل عن العدل
فی المسند ولا جرح فی النقلۃ" رکھا۔

جب رجال پر حکم کے بارے میں تحقیقات مختلف ہیں تو مقصود
ثابت کرنا ہے کہ ابن خزیمۃ کا اس حدیث کی تصحیح کرنا، رجال کی توثیق
ہے اور ان رجال میں عطیہ عوفی بھی ہے تو وہ ابن خزیمۃ کے نزدیک
ثقہ ہوا۔ واللہ اعلم۔

امام ابو عیسیٰ الترمذی انھوں نے اس کے افراد سے متعدد احادیث
کو حسن قرار دیا ہے بلکہ چند ایسی احادیث کو حسن
کہا جن میں فضیل بن مرزوق، عطیہ عوفی سے روایت کرنے میں منفرد ہے
جس طرح اسی حدیث میں ہے جس پر ہم کلام کر رہے ہیں۔ دیکھیں
تحفۃ الاشراف میں۔ اور اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ امام ترمذی کے
نزدیک "صدوق" ہے جیسا کہ حافظ نے "تعجیل المنفعۃ" میں اس
کی صراحت کی ہے۔ (تعجیل المنفعۃ ص ۱۵۳)

معلوم ہوا کہ عطیہ عوفی امام ترمذی کے نزدیک "صدوق" ہے اور یہ
حسن کی شرط ہے، یہاں امام ترمذی پر تساہل کا فتویٰ لگا دینا بہت
مشکل ہے، کیونکہ امام ترمذی عطیہ عوفی کی تعدیل میں منفرد نہیں، اس کی
تعدیل ابن سعد، ابن معین، بزار، ابو حاتم رازی، ابن شاہین اور یحییٰ بن
سعید القطان سے ثابت ہے۔ جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ چنانچہ امام ترمذی
ایسے حافظ ہیں، جن کو اس فن کے امام محمد بن اسماعیل البخاری کہا
کرتے تھے۔

"...ت كثيرًا ممّا ... منّا" — ہم نے تم سے زیادہ استفادہ کیا ہے جتنا کہ تم نے ہم سے کیا۔

امام ترمذی کے قول پر جرح و تعدیل میں ائمہ کا اعتماد ہے، اور اس کا حکم
دیگر ائمہ کی طرح ہے۔ اگر کوئی چیز ظاہر ہو جائے جہاں وہ قول اور حکم میں
منفرد ہوں تو وہ دیگر ائمہ کی طرح ہیں اور ان کے قول اور حکم کو قبول کرتے ہیں
اس میں کوئی اندیشہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ معصوم نہیں
اور کتنی احادیث ہیں جو ضعیف ہیں، جن کو امام ترمذی نے حسن قرار دیا۔
تو کیا اس جہت سے ان کو متشدد قرار دیا جائے گا؟
اور جامع الترمذی پر کلام کرتے ہوئے ابن دحیۃ الکلبی نے ادھر ادھر

ابن دحیۃ الکلبی الاندلسی کا حافظہ متقن ہونا اتنا ہی ہے جتنا علامہ ذہبی
نے تذکرۃ الحفاظ ۴/۱۴۲۱ میں فرمایا کہ وہ بے تکی باتوں اور کھوکھلے دعووں
والا ہے، کثرت علم اور فضائل میں معروف ہے اور اس کے حالات
عجیب و غریب واقعات پر مشتمل ہیں۔

کے کلمات حذف کر کے اس پر احکام اور اوہام کو مبنی کیا یا دوں کہہ لیں کہ ایک متاخر نے مردود و متروک قول کی پیروی کرتے ہوئے جامع الترمذی میں نظر کی اور اس سے اپنے غلط فہم کی بنا پر امام ترمذی کا تساہل ثابت کرنے کی کوشش کی۔

یہ کلام محتاج تفصیل ہے۔ جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ لیکن پھر بھی مناسب ہے کہ یہ مقام اس مثال سے خالی نہ رہے۔ جس کو صاحب الکشف والتبیین (ص۴۹) نے امام ترمذی کے تساہل پر استدلال کرنے کے لیے ذکر کرتے ہوئے کہا۔

حدیث سمرۃ حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ

"صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ کُسُوْفٍ لَا نَسْمَعُ لَہٗ صَوْتًا"

ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسوف (سورج گرہن) میں نماز پڑھائی تو ہم نے آپ کی کوئی آواز نہ سنی۔

اس کو امام ترمذی نے روایت کیا اور اس کو صحیح کہا اور حافظ ابن حجر نے اس کی تصحیح "التلخیص الحبیر" میں نقل کی۔ لیکن ابن حزم نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے "ثعلبہ بن عباد" کی جہالت کے سبب اسے معلل کیا اور ابن المدینی نے اس (ثعلبۃ) کے بارے میں کہا "مجہول ہے۔"

ہم کہتے ہیں: کہ یہ مصنف یا تو سمجھتا نہیں یا قصداً مذاق بناتا ہے۔ حالانکہ دونوں اُمر کڑوے ہیں تو صواب امام ترمذی کے ساتھ ہے اور انہیں کا قول معتبر ہے۔

درج ذیل بات کو بھی دیکھئے۔ ثعلبۃ بن عباد کی حدیث کی تصحیح میں امام ترمذی منفرد نہیں، بلکہ اس پر ان کی موافقت (المستدرک ۱/۳۳۰) میں امام حاکم نے اور ابن حبان نے کی ہے"

اور اس حدیث کو درج ذیل تمام محدثین نے ثعلبہ کے طریق سے نقل کیا

امام النسائی (۳/۱۴۰)، ابو داؤد (۱/۷۰۰)

ابن ماجہ (۱/۴۰۲)، امام احمد فی المسند (۵/۱۶)

امام طحاوی فی شرح معانی الآثار (۱/۳۲۹) امام بیہقی فی السنن الکبریٰ (۳/۳۳۵) امام ترمذی، حاکم اور ابن حبان کا حدیث کو صحیح کہنے کا مقتضا یہ ہے کہ اس کے تمام رجال ان کے نزدیک ثقہ ہیں اور ابن حبان نے ثعلبہ کو ثقات لوگوں میں درج کیا ہے (الثقات ۴/۹۸) تو یہ رجل بصورت اقتصار سنن مذکورہ میں اس کی حدیث کو نقل کرنا ثعلبہ کے حال کی تقویت ظاہر کرتا ہے۔

تردید وہم اگر کہا جائے کہ ابن المدینی اور ابن القطان نے اس کو مجہول کہا ہے تو ہم کہیں گے جاننے والا نہ جاننے والے پر حجت ہوا کرتا ہے۔

امام تقی الدین کی تفریع امام تقی الدین بن دقیق العید نے اس شخص کو بہت برا بھلا کہا ہے جو ایک راوی کی جہالت کے سبب ترمذی کی تصحیح کی تردید کرتا ہے اور امام رحمہ اللہ تعالیٰ (نصب الرایۃ ۱/۱۴۹) نے فرمایا:

"تعجب ہے کہ ابن القطان نے عمرو بن بجدان کے حال کی معرفت میں ترمذی کی تصحیح پر اکتفا نہیں کیا۔ باوجود اس کے کہ وہ حدیث میں منفرد ہے اور کلام یوں نقل کیا۔

"هٰذا حدیث حسن صحیح تو کیا فرق ہے" ھو ثقۃ" کہتے ہیں یا یصحح لہ حدیثا انفرادبہ" کہتے ہیں؟ اگر وہ اس سے واقف ہے کہ اس سے ابوقلابہ کے علاوہ کسی نے بھی روایت نہیں کی، تو یہ اس کے مذہب کا تقاضا نہیں، کیونکہ جہالت حال کی نفی میں کثیر راویوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی اور اس طرح ایک آدمی کے انفراد سے جہالت حال لازم نہیں ہوتی جبکہ اس کی تعدیل کا بھی تقاضا موجود ہو، اور تعدیل کا تقاضا جامع الترمذی کی تصحیح ہے۔"

اور حافظ ذہبی نے الموقظۃ ص۸۰ میں کہا: "ثقہ راویوں میں سے کچھ ایسے ہیں جن کی حدیث صحیحین میں نقل نہیں کی گئی اور انھیں میں سے ہیں جن کی تصحیح امام ترمذی اور ابن خزیمہ نے کی پھر ان سے روایت امام نسائی اور ابن حبان نے کیا۔"

تو اس کی توثیق پر غور کرو جن کی امام ترمذی نے تصحیح کی اور امام نسائی اور ابن حبان نے جن سے روایت کیا۔

ضروری بات ہے کہ اگر تم محدثین کے طریقے پر چلنا چاہتے ہو تو ان کے قواعد کی پیروی کرو اور ائمہ کے کلام کو بطور سند پیش کرتے ہوئے ان کی مثل ہی بیان کرو اور امام ترمذی کی اتباع کرو۔ نہ ہو کہ ثعلبۃ بن عباد کی توثیق سے اعراض نہ کرو، کیونکہ امام ترمذی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ چہ جائیکہ امام حاکم اور ابن حبان کی تصحیح اور امام نسائی کا اس کی حدیث کو نقل کرنا۔

الحافظ العلم امام ترمذی پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو اور اس پر بے جا تنقید کرنے کا وبال اسی پر ہوگا جس نے بلا دلیل و برہان تنقید کی ہے۔

(والحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات)

اگر اللہ عزوجل نے توفیق بخشی تو نیت ہے کہ ایک مستقل مقالہ میں اس مسئلے پر مکمل سیر حاصل بحث کروں گا۔ اللہ رب العزت اس امر کو آسان بنائے اور خصوصی مدد فرمائے۔

فصل

پہلے کلام کا خلاصہ

مذکورہ کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ عطیہ عوفی کی یحییٰ بن سعید القطان، ابن سعد، ابن معین، ترمذی، بزار، اور ابن شاہین نے تعدیل[1] کی ہے اور بعض متاخرین ان کے تابع ہیں (نصب الرایۃ ۲/۴۷۲) میں ہے کہ

"ابن قطان نے عطیہ عوفی کو "ضعیف" اور ابن معین نے "صالح"[1] کہا ہے اور حدیث حسن ہے۔

حاصل کلام: جنھوں نے عطیہ عوفی میں کلام کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کلام تین وجوہ سے تھا۔

---

[1] الموضوعات میں ابن جوزی کا قول "ضعفہ الکل" اسی لیے اس کی تضعیف کی (المغنی) اور الدیوان میں ذہبی کا قول "مجمع علی ضعفہ" (اس کے ضعف پر اجماع ہے) اور مختصر المستدرک (۴/۳۲۲) میں اس کا قول "واہ" (لغو) اور مصباح الزجاجۃ میں بوصیری کا قول "متفق علی ضعفہ" اس کے ضعف پر اتفاق ہے، اور واضح غلطی ہے اور اس رجل پر ظلم ہے۔ یہ اقوال واقعہ کے خلاف ہیں لہٰذا ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جائے گی کیونکہ رجل نہ لغو ہے اور نہ ہی اس کے ضعف پر اجماع ہے، اگر اہل علم کتب رجال میں گہری نگاہ سے دسترس حاصل نہیں کریں گے تو بھٹک جائیں گے۔ واللہ المستعان۔

"ھٰذا حدیث حسن صحیح" تو کیا فرق ہے؟ "ھو ثقۃ" کہتے ہیں
یا "یصحح لہ حدیثا انفرادبہ" کہتے ہیں؟ اگرچہ اس سے واقف ہے
کہ اس سے ابوقلابہ کے علاوہ کسی نے بھی روایت نہیں کی، تو یہ اس کے
مذہب کا تقاضا نہیں، کیونکہ جہالت حال کی نفی میں کثیر راویوں کی طرف کوئی
توجہ نہیں دی جاتی اور اس طرح ایک راوی کے انفراد سے جہالت حال لازم
نہیں ہوتی جبکہ اس کی تعدیل کا بھی تقاضا موجود ہو، اور تعدیل کا تقاضا جامع
الترمذی کی تصحیح ہے۔"

اور حافظ ذہبی نے الموقظۃ (ص ۸۱) میں کہا: "ثقہ راویوں میں سے
کچھ ایسے ہیں جن کی حدیث صحیحین میں نقل نہیں کی گئی اور انھیں میں سے ہیں
جن کی تصحیح امام ترمذی اور ابن خزیمہ نے کی پھر ان سے روایت امام نسائی اور
ابن حبان نے کیا۔"

تو اس کی توثیق پر غور کرو جن کی امام ترمذی نے تصحیح کی اور امام نسائی
اور ابن حبان نے جن سے روایت کی۔

ضروری بات ہے کہ اگر تم محدثین کے طریقے پر چلنا چاہتے ہو تو ان کے
قواعد کی پیروی کرو اور ائمہ کے کلام کو بطور سند پیش کرتے ہوئے ان کی مثل
ہی بیان کرو اور امام ترمذی کی اتباع کرو۔ تو ہوسکتا ہے ثعلبہ بن عباد کی توثیق
سے اعراض نہ کرو، کیونکہ امام ترمذی نے اس کی تصحیح کی ہے چہ جائیکہ امام
حاکم اور ابن حبان کی تصحیح اور امام نسائی کا اس کی حدیث کو نقل کرنا۔

الحافظ العلم امام ترمذی پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو اور اس جیسے بے جا
تنقید کرنے کا وبال اسی پر ہوگا جس نے بلادلیل و بغیر تنقید کی ہے۔

(والحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات)

اگر اللہ عزوجل نے توفیق بخشی تو نیت ہے کہ ایک مستقل مقالہ میں
اس مسئلے پر مکمل سیر حاصل بحث کروں گا، اللہ رب العزت اس امر کو آسان
بنائے اور خصوصی مدد فرمائے۔

فصل

پہلے کلام کا خلاصہ: مذکورہ کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ عطیہ عوفی کی یحییٰ
بن سعید القطان، ابن سعد، ابن معین، ترمذی
بزار، اور ابن شاہین نے تعدیل[1] کی ہے اور بعض متاخرین ان کے تابع
ہیں (نصب الرایۃ ۴/۶۷) میں ہے کہ
"ابن قطان نے عطیہ عوفی کو "ضعیف" اور ابن معین نے "صالح" کہا
ہے لہٰذا حدیث حسن ہے۔"

حاصل کلام: جنہوں نے عطیہ عوفی میں کلام کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ
[illegible] وغیرہ سے تھا

---

[1] الموضوعات میں ابن جوزی کا قول "ضعفہ الکل" (سب نے اس کی تضعیف
کی) الدیوان میں ذہبی کا قول "مجمع علی ضعفہ" (اس کے ضعف پر اجماع ہے)
اور مختصر المستدرک (۴/۳۲۲) میں اس کا قول "واہ" لغو اور مصباح الزجاجۃ
میں بوصیری کا قول "متفق علی ضعفہ" (اس کے ضعف پر اتفاق ہے) واضح
غلطی ہے اور اس رجل پر ظلم ہے۔ یہ اقوال واقع کے خلاف ہیں لہٰذا ان کی طرف
کوئی توجہ نہیں کی جائے گی کیونکہ رجل نہ معنو ہے اور نہ ہی اس کے ضعف
پر اجماع ہے اگر اہل علم کتب رجال میں گہری نگاہ سے دسترس حاصل نہیں کریں گے
تو بے شک جان لیں گے۔ واللہ المستعان۔

۱- تدلیس، حالانکہ یہ دعویٰ قطعی طور پر صحیح نہیں) ۲- تشیع

۳- اس کی روایت میں کچھ کلام ہے۔

جن تین اُمور کے سبب عطیہ پر کلام کیا گیا ہے۔ تم پر واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ تینوں اُمور حدیث کی قبولیت سے مانع نہیں۔

تو اس کی حدیث کو قبول کرنا اور اسے حسن لذاتہ سے اختیار کرنا درست ٹھہرا۔ اس توضیح و تطبیق عمل حافظ ابن حجر عسقلانی نے "امالی الاذکار (۱/۱۷۲) میں کہا کہ عطیہ میں ضعف تشیع اور تدلیس کی جہت سے وارد ہے حالانکہ وہ رجل فی نفسہ "صدوق" ہے۔"

جب تم پر واضح ہو گیا کہ تدلیس کا دعویٰ صحیح ہی نہیں اور تشیع کو اس کی روایت میں دخل ہی نہیں تو رجل بہ صورت صدوق ہے۔

اور حافظ ابن حجر نے عطیہ عوفی کے صدوق ہونے پر اصرار کیا ہے اور جو مدلسین کے نام علی بن الصلاح نے (النکت ۲/۶۴۳) میں جمع کیے ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے یعنی مدلسین کی دو قسمیں ہیں۔

۱- وہ جو صدوق ہونے کے باوجود تدلیس سے موصوف ہیں۔

۲- جن کی تضعیف تدلیس کے علاوہ کسی اور وجہ سے کی گئی ہے۔

پھر اس نے عطیہ عوفی کو پہلی قسم میں ذکر کیا (۶۴۶/۲) یعنی جو اپنے صدق کے باوجود تدلیس سے موصوف ہیں۔ لہذا عطیہ ان کے نزدیک صدوق ٹھہرا۔

اس وضاحت کے بعد بھی جب تم عطیہ عوفی کی تضعیف پاؤ تو جان لو کہ یقیناً یہ درست بات کے مخالف ہے۔

ہم نے عطیہ عوفی کی نصرت میں جو تحریر کیا مناسب ہے تم اس کا نام "القول المستوفی فی الانتصار لعطیۃ العوفی" رکھ لو (واللہ تعالیٰ اعلم)

فصل

علتِ ثالثہ کے بارے میں (۳- موقوف کو مرفوع پر ترجیح دینا)

ابن ابی حاتم نے العلل: ۱۸۴/۲ میں کہا ہے۔

حاشیہ

ا۔ جب حافظ کا کلام عطیہ عوفی میں کلام کے دروازے کو قطعی طور پر بند کرنے والا ہے تو صاحب "الکشف والتبیین" ص ۴۴ کی بات نہیں سنی جائے گی اس نے اپنے قصور کے اعتراف اور حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ کو تسلیم کرنے کی بجائے اس سے چشم پوشی کی اور حافظ کی امالی الاذکار پر تنقید کرنے لگا جیسا کہ ان لوگوں کی عادت ہے کہ مخالفت کے وقت کتابوں پر تنقید کرتے ہیں تو جب وہ حافظ کی تصحیح یا تحسین کا رد کرنا چاہتے ہیں تو اس پر تساہل کی تہمت لگا دیتے ہیں کہ اس کی کتاب "ایسی ویسی" یا "یہ" ہیں اور جب وہ ایسی صحیح حدیث پر واقف ہوتے ہیں جو امت سے الگ ان کے عقائد و اعمال کے موافق نہیں ہوتی تو یوں کہتے ہیں "یہ صحیحین میں نہیں، اس کو نہ امام احمد نے نقل کیا نہ موطا نے اور نہ ہی سنن اربعہ میں ہے بلکہ یہ ان کتابوں میں ہے جن کو ضعیف لوگوں نے روایت کیا ہے۔ جیسے دارقطنی اور بزار ... الخ اور یہ کلام خود بخود غلط ہے جس کو غلط قرار دینے کی ضرورت نہیں آج تم انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ کلام کرتے ہوئے امالی الاذکار پر طعن کرتے ہیں، حالانکہ یہ ایک جرأت قبیحہ (بے ہودہ جرأت) ہے جو بغیر ہتھیار کے جنگ پر اتر آنے کے مترادف ہے (یعنی بلا دلیل دعویٰ ٹھونس دینا) اور ایسی کتاب پر جھگڑنا ہے جو اس فن کی معتبر کتاب ہے جس پر کبار حفاظ متقدمین فخر کرتے ہیں لیکن فتنی سے جاہل اس سے عداوت رکھتا ہے۔ واللہ المستعان۔

میں نے اپنے والد سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا جس کو یحییٰ بن صالح بن مسلم نے فضیل بن مرزوق سے انہوں نے عطیہ سے انہوں نے حضرت ابوسعید سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"إذا خرج الرجل من بيته فقال، اللهم بحق السائلين عليك وبحق ممشاي (الحديث)

اور اس کو ابونعیم نے فضیل سے انہوں نے عطیہ سے انہوں نے حضرت ابوسعید سے موقوف روایت کیا تو میرے والد نے کہا "موقوف أشبه"

(اس کا موقوف ہونا مختار ہے)

اور علامہ ذہبی نے (المیزان) میں اس کی تائید کی۔

ہم کہتے ہیں کہ محض تقلید کی بناء پر موافقت کے اعلان میں جلدی نہ کرو جیسا کہ چند لوگوں نے ایسا کیا۔ مثلاً

بشیر السہسوانی "صیانۃ الانسان" میں البانی "الضعیفۃ" (۱/۳۰) میں حماد الانصاری "المفہوم الصحیح للتوسل" میں، وغیرہم۔

کیونکہ حدیث کی روایت میں فضیل بن مرزوق پر اختلاف ہے تو یہ بطور مرفوع بھی روایت ہے اور موقوف بھی۔

مرفوع روایت کرنے والے محدثین اس حدیث کو مرفوع روایت کرنے والے چھ محدثین ہیں۔

۱۔ یحییٰ بن ابی بکیر۔

اسے امام بغوی نے حدیث علی بن الجعد (صـ ۳۶۲) میں اور امام بیہقی الدعوات الکبیر (۳۷ ح) میں نقل کیا۔

۲۔ محمد بن فضیل بن غزوان۔

اسے ابن خزیمہ نے التوحید (۱۷) میں ذکر کیا۔

۳۔ سلیمان بن حیان أبو خالد الأحمر

اس کو بھی ابن خزیمہ نے التوحید (صـ ۱۸) میں بیان کیا۔

۴۔ عبداللہ بن صالح العجلی۔

اس کو شیخ طبرانی نے (الدعاء ۲/۹۹۰) اور ابن السنی نے صـ ۴۰ میں ذکر کیا

۵۔ الفضل بن الموفق۔

اس کو ابن ماجہ (۱/۲۵۶) نے نقل کیا۔

۶۔ یزید بن ہارون۔

امام احمد نے المسند (۳/۲۱) امام بغوی نے حدیث علی ابن الجعد ۳۶۲ اور محمد بن منیع نے (جیسا کہ مصباح الزجاجۃ (۱/۹۹) میں ہے)

یزید بن ہارون کے طریق سے روایت کیا کہ ہم کو فضیل بن مرزوق نے خبر دی عطیہ عوفی سے انہوں نے ابی سعید خدری سے تو میں نے فضیل سے کہا کیا اس کو آپ نے مرفوع کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا "احسب قد رفعہ" (میرے خیال میں مرفوع ہی ہے) پھر حدیث کو مرفوع ذکر کر دیا۔

ہم کہتے ہیں: یہ خیال قابل ترجیح ہے جس کی تقویت حرف (قد) سے ہوئی کیونکہ وہ حرف تحقیق ہے اور یہاں ماضی پر داخل ہو کر اس کو حال کے قریب کر دیا۔ تو اس بناء پر بہر صورت یزید بن ہارون کی روایت مرفوع کی قسم سے ہے اور جن متاخرین حفاظ نے حدیث پر کلام کیا۔ وہ ان کا عمل ہے۔

موقوف روایت کرنے والے محدثین اس حدیث کو دو محدثین نے فضیل بن مرزوق سے موقوف روایت کیا۔

اور العجلی بھی ثقہ ہیں اور امام بخاری کے رجال میں سے ہیں تو انہی کا قول معتبر ہوگا جو اس حدیث کا مرفوع ہونا ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

اس کے بعد اسے موقوف جاننے اور اس کو ترجیح دینے والے کے قول کی طرف ہرگز توجہ نہ دی جائے کیونکہ قواعد حدیث (جو ترجیح دینے والے ہیں) اس کے مرفوع ہونے کو ترجیح دے دی ہے، متعدد احادیث مرفوعاً ایسی ہیں جن کو ابو حاتم رازی نے موقوف بہت سی متصل احادیث کو مرسل اور بہت سی احادیث صحیحہ کو ضعیف قرار دیا، تو اختلافات محدثین کے وقت یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ قواعد حدیث کس کی بات کو مستحکم کر رہے ہیں۔

بہت بڑا المیہ ہے کہ صاحب "الکشف والتبیین" (ص۲۳) نے وکیع الجراح اور فضیل بن غزوان اور عبداللہ بن صالح العجلی اور الفضل بن الموفق کے درمیان اختلاف کو ظاہر کیا اس اعتبار سے کہ وکیع اور فضیل نے حدیث کو موقوف اور عبداللہ اور فضیل نے مرفوع روایت کیا۔

حالانکہ یہ غلطی ہے بلکہ واضح مغالطہ ہے۔ جس کی چند امور سے وضاحت کی جاتی ہے۔

۱۔ فضیل بن غزوان کا یہاں کوئی دخل ہی نہیں۔

۲۔ یحییٰ بن ابی بکیر نے اس کو ترجیح دیتے ہوئے کتاب کے حاشیہ میں نقل کیا اور اس حدیث کے مرفوع ہونے میں متفق محدثین کا ذکر تک نہیں کیا جو واضح مذاق ہے۔

۳۔ صاحب "الکشف والتبیین" نے حدیث کو مرفوع روایت کرنے والے چند محدثین کے نام کو بیان نہیں کیا۔

معلوم نہیں کہ ایسے لوگ تصنیف کی جسارت کیوں کرتے ہیں، خالی

۱۔ ابو نعیم الفضل بن دکین

انہوں نے اس کو (الصلوۃ) میں نقل کیا، جیسا کہ (امالی الاذکار ۱/۳۰۲) میں ہے۔

۲۔ وکیع بن الجراح

اس کو ابن ابی شیبہ نے (المصنف: ۱۰/۲۱۱-۲۱۲) میں ذکر کیا۔

محدثین کے دو مسلک

اس مسئلے میں محدثین کے دو مسلک ہیں، اور دونوں سے ہی اس کے مرفوع ہونے کو تقویت ملتی ہے۔

پہلا مسلک: رفع زیادۃ ثقہ کا اضافہ ہے اور وہ مقبول ہے کیونکہ حکم اس پر ہوتا ہے جو اضافہ لائے، یہ خطیب بغدادی اور فقہ اصول اور حدیث کے ائمہ کی ایک پوری جماعت کا مذہب ہے۔

دوسرا مسلک دوسرا مسلک یہ ہے کہ ترجیح قرائن کے اعتبار سے ہوگی اور یہ بھی مرفوع کے حکم کو مضبوط کرتی ہے کیونکہ حدیث کو مرفوع روایت والے تعداد میں ان سے زیادہ ہیں، جنہوں نے اس کو موقوف روایت کیا۔

اسے مرفوع روایت کرنے والے چھ اور موقوف روایت کرنے والے صرف دو ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ الفضل بن دکین اور وکیع دونوں ثقہ امام ہیں لیکن ان کے مقابلے میں یزید بن ہارون اور یحییٰ بن ابی بکیر بھی انتہائی ثقہ امام ہیں اور ان کی تابعداری میں ابن غزوان بھی ثقہ ہیں جن کو ایک جماعت نے حجت مانا اور اسی طرح سلیمان بن حیان کو بھی جماعت نے حجت تسلیم کیا ہے۔

دھوؤں کیلئے یا بے سود تجارت کے لیے ؟!! واللہ المستعان

ایک غلطی کا تدارک

تعجب ہے البانی پر کہ اس نے الضعیفہ ۱/... میں عطیہ یا ابن مرزوق سے اضطراب کا دعویٰ کیا، کیونکہ وہ مرفوع اور موقوف دونوں طرح لایا ہے جو کہ سخت غلطی ہے۔

کیونکہ اضطراب اس وقت ہوتا ہے جب وجوہات برابر ہوں اور جہاں تساوی نہ ہو تو وہاں ترجیح ممکن ہوتی ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ لہٰذا کوئی اضطراب نہیں، ہم نے اس حدیث پر البانی سے پہلے کسی کی ایسی گفتگو نہیں پائی۔ واللہ اعلم

فصل

حدیث کے لیے ایک اور شہادت جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ابوبکر ابن السنی نے (عمل الیوم واللیلہ صفحہ ۳۹-۴۰) میں کہا۔

ہم سے ابن منیع نے، ان سے حسن بن عرفہ نے، ان سے علی بن ثابت الجزری نے، ان سے وازع بن نافع العقیلی نے، ان سے ابو سلمہ بن عبدالرحمن نے، ان سے جابر بن عبداللہ نے بیان کیا کہ موذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مسجد کو جاتے تو کہتے:-

"بسم اللہ، امنت باللہ، توکلت علی اللہ، لاحول ولا قوۃ الا باللہ، اللھم بحق السائلین علیک، وبحق مخرجی ھذا، فانی لم اخرج اشرا ولا بطرا ولا ریاء ولا سمعۃ، خرجت ابتغاء مرضاتک واتقاء سخطک، اسئلک ان تعیذنی من النار وتدخلنی الجنۃ"

اس روایت کی سند میں وازع بن نافع العقیلی سخت ضعیف ہے۔ اسی لیے الذہبی نے "تلخیص الافکار" (۱/۲۷۱) میں کہا: یہ حدیث سخت ضعیف ہے۔ اس کو امام دارقطنی نے اسی لیے "الافراد" میں نقل کرتے ہوئے کہا اس میں وازع منفرد ہے۔

الیس تحقیق

علامہ شیخ محمد زاہد الکوثری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے "مقالات" (ص ۳۹۴) میں اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے کہا: عطیہ عوفی حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے منفرد نہیں بلکہ ابو الصدیق حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے میں عبدالحکم بن ذکوان کی روایت میں عطیہ کے متابع ہیں اور وہ ابن حبان کے نزدیک ثقہ ہیں، اگرچہ ابو الفرج نے اس کو "العلل" میں اسے معلل کیا۔

تو البانی نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے (الضعیفہ ۱/۳۷) میں کہا کہ شیخ کوثری اس میں اپنے شذوذ کا اعتراف کرتے ہوئے ابن حبان کی توثیق پر اعتماد کی جانب لوٹ آئے جیسا کہ ان کے بارے میں ذکر گذرا۔ ابن معین کا قول ابن ذکوان کے بارے میں یہ ہے "لا أعرفه" (میں اسے نہیں جانتا) تو جب جرح و تعدیل کے امام اس کو نہیں جانتے تو ابن حبان اسے کس طرح معروف کہتے ہیں؟

تو واضح ہوا کہ جہالت راوی کے سبب اس متابع کی کوئی وقعت نہیں تو ابو الفرج کا حدیث کو معلل کہنا حق ہے جس پر مصنف کے ہاں کوئی غبار نہیں۔

اوہام کا مجموعہ

ہم کہتے ہیں: یہ کلام کئی اوہام پر مشتمل ہے۔

یہ متابعت ہے ہی نہیں اور یہ عبدالحکم ابن عبداللہ القسملی ہیں نہ کہ ابن ذکوان اور امام ابن جوزی نے العلل المتناہیہ ۱/۴۱۰

میں کہا ہے۔

أنبأنا علی بن عبید اللہ قال

أنبأنا علی ابن محمد البنداس

قال: نا الحسن بن عثمان بن بکر

قال: نا عبد اللہ بن عبد الرحمن

العسکری، قال: نا عبد الملک بن

محمد قال: نا سهل بن سعید

ابن أبی تمام بن رافع قال: نا

عبد الحکم القسملی عن أبی الصدیق

عن أبی سعید عن النبی صلی اللہ

علیہ وسلم قال

بشّر المشائین فی الظلم إلی المساجد

بالنور التام یوم القیامة.

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اندھیرے میں مسجد جانے والوں کو قیامت کے دن نور تام کی خوشخبری دو۔

اور اسی کو عبد الحکم بن عبد اللہ قسملی کی روایت سے أبو یعلی نے المسند (۳۶۱/۲) میں نقل کیا۔

اور ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (۲/۳۰) میں کہا کہ اس کو أبو یعلی نے روایت کیا اور اس میں عبد الحکم بن عبد اللہ ہے جو ضعیف ہے اور اسی رجل کو ابن حبان نے "المجروحین" (۱۴۳/۲) میں ذکر کرتے ہوئے کہا کہ:

"اس کی حدیث لکھنا جائز نہیں مگر بطور تعجب"۔ اور بھی ائمہ نے اس کی تضعیف کی۔

۲۔ علاوہ ازیں البانی کے نزدیک ابن الحکیم سے مراد عبد الحکم ابن

البانی پر جو تو بھی لازم ہے کہ حدیث کی تحسین کرے۔ کیونکہ اس کا کہنا ہے کہ عبد الحکم بن ذکوان کی ابن حبان نے توثیق کی اور اس سے اہل بصرہ نے روایت کیا اور ان کے ساتھ تین ثقہ حفاظ کرام بھی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

امام أبو داؤد الطیالسی، مروان بن معاویۃ الفزاری اور أبو عمر حفص بن عمر الحوضی یا الحرضی اور ابن أبی حاتم نے "الجرح والتعدیل" (۳۶/۶) میں اس کی روایت میں کہا:

میں نے والد سے اس کے بارے میں پوچھا تو کہا بصری ہے۔ میں نے کہا کیس وہ زیادہ محبوب ہیں یا عبد الحکم القسملی صاحب أنس؟ تو کہا ہذا أحب (اسے اولیٰ، یہ زیادہ مجہول ہے)

اور حافظ بوصیری نے "زوائد ابن ماجہ" (۱۷۵/۳) میں اس کی حدیث کی تحسین کی۔

حاصل یہ ہوا کہ رجل کی حدیث اگر حسن لذاتہ نہ بھی ہو تو حسن لغیرہ ضرور ہوگی، اگرچہ سخت تعصب سے بھی دیکھا جائے، اور البانی اس معاملے میں ملزم ہے۔ (واللہ اعلم)

۳۔ البانی کا قول کہ "جب امام الجرح والتعدیل کے ہاں وہ معروف نہیں تو ابن حبان کے ہاں کیسے معروف ہوگا؟"

ہم کہتے ہیں: اس کو ابن حبان سے قبل حافظ کبیر ابو حاتم رازی نے بھی معروف کہا ہے، عالم جاہل پر حجت ہوتا ہے، اور البانی کا یہ مقولہ کسی ایک نے بھی نہیں بیان کیا، یہاں تک کہ اس فن کا ابتدائی طالب علم بھی ایسا نہیں کہہ سکتا۔

۴۔ البانی کا قول کہ "راوی کی جہالت کے سبب اس متابعت کی کوئی

وقعت نہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ غلطی اور بے تکی بات ہے اور ائمہ کے قول "لا نعرفہ" میں
"نہیں جانتا" اور "راوی پر جہالت کے حکم" کے درمیان بہت بڑا فرق ہے، و[illegible]
نے "اللسان" (۱/۴۳۲) میں اسماعیل الصفار کے حالات میں بیان کیا [illegible]
ائمہ کی عادت ہے کہ وہ ایسے الفاظ سے تعبیر کرتے رہتے ہیں کہ "لا
نعرفہ" (ہم اسے نہیں جانتے) یا "لا نعرف حالہ" (ہم اس کے حال
سے واقف نہیں) اور کسی پر جہالت کا حکم زائد عبارت کے علاوہ واقع نہیں
ہوتا۔ ہاں اس پر اطلاع پانے والا یا من گھڑت کہہ دینے والا ہی ایسا کر[illegible]
اب یہی کلام کافی ہے (ہم اللہ تعالیٰ سے حفظ و امان کی بھیک مانگتے ہیں)

خلاصۂ کلام

حاصل کلام یہ ہے کہ جس علتِ واحدۃ کے سبب اس
حدیث "اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ ..."
کو معلل کیا گیا ہے، وہ غیر مقبول ہے اور یہ قواعد حدیث کے سامنے ایسی ایک
علت نہیں ٹھہر سکتی۔

اب ہر انصاف پسند پر یوں کہنا لازم ہوگا کہ جن حفاظ نے حدیث کو
حسن کہا ہے، مثلاً دمیاطی، مقدسی، عراقی اور عسقلانی اور ان سے پہلے امام
الائمہ ابن خزیمہ نے کہا اور اس کی تصحیح کی ہے۔ یقیناً ان سب کی بات حق
اور درستگی ان کی حلیف ہے اور قواعد حدیث انہی کی تائید میں ہیں۔

(واللہ عزوجل اعلم بالصواب)

حدیث

إِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّةُ أَحَدِكُمْ بِأَرْضٍ فَلَاةٍ فَلْيُنَادِ يَا عِبَادَ اللّٰهِ

جب تم میں سے کسی کا جانور جنگل میں گم ہو جائے تو وہ یوں پکارے

احْبِسُوا عَلَيَّ فَإِنَّ لِلّٰهِ فِي الْأَرْضِ حَاضِرًا سَيَحْبِسُهُ عَلَيْكُمْ۔

يَا عِبَادَ اللّٰهِ احْبِسُوا عَلَيَّ، اے اللہ کے بندو! مجھے وہ لوٹا دو تو یقیناً زمین
میں اللہ کا بندہ موجود ہوتا ہے جو جلد
ہی وہ تمہیں لوٹا دے گا۔

طبرانی نے "المعجم الکبیر (۱۰/۲۶۷)" میں کہا:

بیان سند

ہم سے ابراہیم بن نائلۃ الاصبہانی نے، ہم سے حسن بن عمر
[بن ش]قیق نے، ہم سے معروف بن حسان السمرقندی نے، سعید بن ابی عروبۃ
[سے] قتادۃ سے، عبد اللہ بن بریدۃ سے بیان کیا کہ عبد اللہ بن مسعود نے کہا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"إِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّةُ أَحَدِكُمْ ۔۔۔۔۔ الخ"

اور اس کو ابو یعلیٰ نے "المسند (۹/۱۷۷)" میں، اور ابن السنی نے
"عمل الیوم واللیلۃ ص ۱۶۲" میں اسی طریق سے روایت کیا اور ہیثمی نے
"مجمع الزوائد (۱۰/۱۳۲)" میں اس حدیث کو ابو یعلیٰ اور طبرانی کی طرف منسوب
کرنے کے بعد کہا: "اس کی سند میں معروف بن حسان ضعیف ہے۔"
اور حافظ ابن حجر نے "تخریج الاذکار (شرح ابن علان: ۵/۱۵۰)" میں
اس حدیث کو ابن السنی اور طبرانی کی طرف منسوب کرنے کے بعد کہا "سند
میں ابن بریدۃ اور ابن مسعود کے درمیان انقطاع ہے۔"
اس کے باوجود بھی حدیث کے درج کئی اور طرق ہیں جو حدیث کو
تقویت دیتے ہیں اور اس کو ضعف سے ایسے حسن کی طرف منتقل کرتے
ہیں جو مقبول اور معمول بہ ہے۔
طبرانی نے "المعجم الکبیر (۱۷/۱۱۷)" میں عبد الرحمن بن شریک کے طرق سے

عمل کرتے ہوئے کہا:

حدثني أبي عن عبد الله بن عيسى عن زيد بن علي عن عتبة بن غزوان عن نبي الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا أضل أحدكم شيئا أو أراد أحدكم عونا وهو بأرض ليس بها أنيس فليقل: يا عباد الله أعينوني أغيثوني، فإن لله عبادا لا نراهم.

(مجھ سے میرے باپ نے عبداللہ بن عیسیٰ سے، ان سے زید بن علی نے، ان سے عتبہ بن غزوان نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی آدمی کوئی چیز گم کر بیٹھے یا مدد لینے کا ارادہ کرے جبکہ وہ ایسی جگہ پر ہے جہاں اس کا کوئی غمخوار نہیں تو یوں کہے یا عباد اللہ اعینونی اغیثونی "اے اللہ کے بندو! مدد کرو اور میری فریاد سنو، یقیناً اللہ کے ایسے بندے ہیں جنکو ہم نہیں دیکھتے اور یہ مجرب ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی سند میں ضعف اور انقطاع ہے۔

حافظ ہیثمی نے (مجمع الزوائد ۱۰/۱۳۲) میں کہا "اس کو طبرانی نے روایت کیا اور اس کے رجال کی توثیق ہے مگر بعض میں ضعف ہے۔ اس کے علاوہ یزید بن علی نے عتبہ کو بھی نہیں پایا۔"

حافظ ابن حجر نے اس کے اعلال میں فقط انقطاع پر اکتفا کیا اور تخریج الاذکار میں کہا: "اس کو طبرانی نے منقطع سند کے ساتھ عتبہ بن غزوان سے مرفوعاً نقل کیا۔"

۲- ابن ابی شیبہ نے المصنف (۱۰/۴۲۴: ۴۲۵) میں نقل کیا۔

ہم سے یزید بن ہارون نے بیان کیا کہ ہمیں محمد بن اسحاق نے ابان بن صالح سے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إذا نفرت دابة أحدكم أو بعيره بفلاة من الأرض لا يرى بها أحدا فليقل: أعينوني عباد الله، فإنه سيعان.

(جب تم میں سے کسی کا جانور یا اونٹ ایسے جنگل میں بھاگ گیا کہ وہ وہاں کسی کو نہیں دیکھتا تو یوں کہے "اعینونی عباد اللہ" (اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو) تو یقیناً جلد ہی اس کی مدد کی جائے گی۔

میں کہتا ہوں: یہ مرسل ہے۔ اگر محمد بن اسحاق کا عنعنہ (عن سے روایت) نہ ہوتا تو حدیث حسن الاسناد ہوتی۔

ایک شبہ کا ازالہ

البانی نے مذکورہ حدیث کو الضعیفہ (۲/۱۰۹) میں اعضال سے معلل[1] کیا۔ یعنی اس کو معضل[2] کہا۔ حالانکہ یہ صریح غلطی ہے کیونکہ ابان بن صالح چھوٹی عمر کے تابعین میں سے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

۳- البزار نے اپنی مسند میں نقل کیا (کشف الاستار ۴/۳۳-۳۴)

حدثنا موسى بن إسحاق ثنا منجاب

---

[1] معلل وہ حدیث ہے جو بظاہر علت سے محفوظ ہوتی ہے کیونکہ اس میں صحت کی تمام شرطیں موجود ہوتی ہیں۔ لیکن اس میں کوئی علت خفیہ قادحہ ہوتی ہے جس پر فن حدیث کے ماہر علماء ہی واقف ہوتے ہیں

[2] معضل وہ حدیث ہے جس کی سند سے صحابی سے پہلے مسلسل دو یا دو سے زیادہ راوی ساقط ہوں جیسے امام مالک کہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کا دوسرا نام منقطع ہے۔

بن الحارث ثنا حاتم بن
إسماعيل عن أسامة بن زيد
عن أبان بن صالح عن مجاهد
عن ابن عباس أن رسول الله
صلى الله عليه وسلم قال
"إن لله ملائكة في الأرض سوى
الحفظة يكتبون ما يسقط من
ورق الشجر فإذا أصاب أحدكم
عرجة بأرض فلاة فليناد
أعينوني عباد الله".

بے شک زمین میں حفظہ کے سوا بھی اللہ کے فرشتے ہیں جو درختوں سے گرنے والے پتوں کو لکھتے ہیں تو جب تم میں سے کسی کو جنگل میں کوئی مصیبت آن پہنچے تو یوں پکارے أعينوني عباد الله اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔

حافظ ہیثمی نے (مجمع الزوائد ۱۰/۱۳۲) میں کہا "اس کو بزار نے روایت کیا اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

حافظ ابن حجر نے تخریج الاذکار (شرح ابن علان ۵/۱۵۱) میں "حسن الاسناد غریب جداً" کہا۔ حافظ کا اس کی تحسین پر اکتفا کرنے کا سبب یہ ہے کہ اسامۃ بن زید اللیثی اس سند میں موجود ہے جس میں اختلاف ہے۔

اور امام بیہقی نے بھی شعب الایمان میں ابن عباس سے بھی اس کو نقل کیا ہے لیکن وہ موقوف ہے جو کہ جعفر بن عون کے طریق سے ہے کہ ہم سے اسامۃ بن زید نے اُبان بن صالح سے، انہوں نے مجاہد سے انہوں نے ابن عباس سے اس کو بیان کیا۔

البانی کی غلطی اور اس کا محاسبہ

البانی نے (الضعیفہ ۲/۱۱۲) میں ابن عباس کے مرفوع طریق کو اس موقوف کے سبب معلل کیا اور کہا، جعفر بن عون، حاتم بن اسماعیل سے زیادہ ثقہ ہے۔ اور مخالفت کے سبب حدیث میرے نزدیک معلول ہے اور راجح اس کا موقوف ہونا ہی ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ قاعدہ غلط ہے جس کی وضاحت دو امور میں کی جاتی ہے۔

۱۔ علم حدیث میں یہ اصول مقرر ہے کہ جب مرفوع اور موقوف میں تعارض ہو تو حکم مرفوع کے لیے ہوتا ہے۔ امام نووی نے مقدمہ شرح مسلم ۱/۳۲ میں کہا۔

"جب ایک روایت کو بعض ثقہ ضابط لوگ متصل روایت کریں اور بعض مرسل، یا بعض موقوف اور بعض مرفوع، یا وہ اسے کبھی موصول مرفوع اور کبھی مرسل یا موقوف روایت کریں تو صحیح وہی ہے جو محققین محدثین نے فقہا اور اصحاب اصول نے کہا اور خطیب بغدادی نے بھی اس قاعدہ کو صحیح جانا کہ

أن الحكم لمن وصله أو رفعه سواء كان المخالف له مثله أو أكثر وأحفظ لأنه زيادة ثقة وهي مقبولة

حکم اسی کے لیے ہوگا جس نے اس کو موصول یا مرفوع روایت کیا ہے چاہے اس کا مخالف اس کی مثل یا اکثر اور احفظ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ وہ ثقہ کا اضافہ ہے جو مقبول ہے۔"

اور ابن عبد الہادی نے "التنقیح" (۱/۳۵۰ طبع مصر) میں اسی کی تصریح

کی ہے۔

۲۔ حاتم بن اسماعیل حدیث کو مرفوع روایت کرنے میں منفرد نہیں، بلکہ محمد بن اسحاق اس کے موافق ہے۔ جس کی مرفوع روایت کی ہوئی حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی پہلی حدیث پر بطور شاہد گزر چکی ہے۔

اس مقام پر یوں کہنا ہی مناسب ہوگا کہ ابان بن صالح کبھی حدیث کو مرفوع روایت کرتے ہیں اور کبھی رفع کا ذکر نہیں کرتے۔ اس طرح کی مثالیں ملتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

البانی کا مرفوع طریق کو موقوف کے سبب معلل قرار دینا ایک ناکام کوشش ہے اور کوئی ایسی علت قابل سماعت نہیں جس سے وہ رفع ... اور اس کے حکم سے بری ہونے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ اگرچہ قواعد کی مخالفت ہی کیوں نہ ہو جائے۔ (فاللّٰھم غفرانك)

حاصل کلام مذکورہ بیان سے واضح ہو گیا کہ حدیث جید مقبول ہے اور خصوصاً تیسری حدیث جو بطور شاہد پیش کی گئی ہے" وہ بہر صورت "حسن الاسناد لذاتہ" ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ جب حدیث سند ضعیف سے وارد ہو تو وہ اس وقت مقبول ہو جاتی ہے جب امت اسے قبول کرے اور وہ صحیح اور حسن سے عام ہوتی ہے اور جب اس پر بعض ائمہ کا عمل بھی ہو تو ان کے عمل سے حدیث کو تقویت ملتی ہے (جیسا کہ ہماری پیش کردہ مذکورہ حدیث)

حافظ بیہقی نے (السنن الکبریٰ ۳/۵۲) میں صلوۃ التسبیح والی حدیث بیان کرنے کے بعد کہا: کہ "عبداللہ بن مبارک اس کو پڑھا کرتے تھے اور صالحین ایک دوسرے سے اس کو سیکھا کرتے تھے۔ تو اس وجہ سے

حدیث مرفوع کی تقویت ہوئی۔"

اور بیہقی کے شیخ امام حاکم نے بھی (المستدرک ۱/۳۲۰) میں اسی طرح کہا اور اس حدیث پر آئمہ نے عمل بھی کیا ہے اور تجربہ بھی۔ دیکھئے ذیل میں:

۱۔ "المسائل" "شعب الایمان" از حافظ بیہقی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن امام احمد نے کہا کہ میں نے اپنے والد محترم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

حججت خمس حجج منها اثنتين راكبا، وثلاثة ماشيا، أو اثنتين ماشيا وثلاثة راكبا، فضللت الطريق في حجة، وكنت ماشيا فجعلت أقول يا عباد الله دلونا على الطريق، فلم أزل أقول ذلك حتى وقعت على الطريق	"میں نے پانچ حج کئے جن میں سے دو سواری پر اور تین پیادہ، یا دو پیادہ اور تین سواری پر تو میں ایک پیادہ حج کے سفر میں راستہ بھول گیا تو میں یوں پکارنے لگا: اے اللہ کے بندو! ہمیں رستہ بتاؤ تو میں یہی کہتا رہا یہاں تک کہ مجھے رستہ مل گیا۔"

أو كما قال أبي۔

۲۔ ابو القاسم الطبرانی نے (المعجم الکبیر ۱۷/۱۱۷) میں حدیث نقل کرنے کے بعد کہا: "وقد جرب ذلك" (یہ مجرب ہے)

۳۔ امام نووی نے (الاذکار ص ۲۳۱) میں حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا کہ مجھ سے ایک بہت بڑے علامہ شیخ نے بیان کیا کہ اس کا خچر گم ہو گیا اور وہ اس حدیث کو جانتے تھے تو انہوں نے وہی (حدیث والے الفاظ) کہے تو اللہ نے اسی وقت ان کو ملا دیا اور میں ایک مرتبہ جماعت کے ہمراہ تھا تو ایک چار پایہ گم ہو گیا اور لوگ اس کی تلاش سے آ گئے تو میں نے وہی حدیث والے الفاظ پڑھے تو چار پایہ مل گیا۔

حالانکہ ان الفاظ کے علاوہ کچھ بھی نہیں کہا تھا۔"

خلاصہ حاصل کلام یہ ہے کہ تحقیق کرنے والے کے لیے اس حدیث کی تقویت میں دو صورتیں ہیں۔

۱۔ اس کی تقویت شواہد سے ہو تو بلاشبہ یہ حدیث حسن ہو گی۔

۲۔ امت کے عمل سے اس کی تقویت ہو۔

اور دونوں صورتیں ایک دوسرے سے قوی ہیں واللہ اعلم بالصواب۔

حدیث ۸

لیأتین علی الناس زمان یخرج الجیش من جیوشهم فیقال هل فیکم احد صحب محمدا؟ فتستنصرون به فتنصروا ثم یقال هل فیکم من صحب محمدا فیقال لا فمن صحب اصحابه؟ فیقال لا فیقال من رأى من صحب اصحابه؟ فلو سمعوا به من وراء البحر لأتوه۔

لوگوں پر ایک زمانہ ضرور ایسا آئے گا کہ ان میں سے ایک گروہ نکلے گا تو کہا جائے گا کہ کیا تم میں سے کوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی ہے جس کے توسل سے تم مدد طلب کرو اور تمہاری مدد کی گئی ہو؟ پھر کہا جائے گا کیا تم میں سے کوئی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے؟ تو جواب ملے گا نہیں، یا کوئی ایسا ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی صحبت حاصل ہو؟ کہا جائے گا نہیں، پھر پوچھا جائے گا کوئی ایسا ہو جس نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی صحبت

پانے والے کو دیکھا ہو؟ اگر وہ لوگ سمندر کے دوسرے کنارے بھی ایسے شخص کے متعلق سن لیں تو اس کو لے آئیں۔"

ابو یعلی الموصلی نے اپنی (المسند لابی یعلی ۴/۱۳۲) میں کہا:

حدثنا عقبه، حدثنا یونس، حدثنا سلیمان الاعمش عن ابی سفیان، عن جابر، أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال "لیأتین علی الناس زمان یخرج الجیش ..... الخ

توثیق سند اس کی سند صحیح ہے۔

اعمش اگرچہ مدلس[1] ہے۔ لیکن ان کے مرتبہ ثانیہ میں ان کا شمار ہوتا ہے جن کی حدیث مقبول ہے چاہے سماع کی تصریح کریں یا نہ کریں۔

اور ابو یعلی نے (المسند ۴/۲۰۰) میں ملتے جلتے الفاظ سے ایک اور روایت کی۔

حدثنا ابن نمیر، حدثنا محاضر، عن الاعمش عن ابی سفیان عن جابر قال، سمعت رسول الله صلی الله وسلم یقول۔

یبعث بعث فیقال لهم: هل فیکم احد صحب محمدا؟ فیقال: نعم فیلتمس فیوجد

ایک ایسا گروہ نکلے گا جن سے کہا جائے گا کیا تم میں کوئی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے؟ جواب ملے گا

---

[1] مدلس ایسے راوی کو کہتے ہیں جو حدیث بیان کرتے وقت اپنے شیخ کا نام نہ لے بلکہ اوپر والے شیخ کا نام اسطرح لے جیسے اس نے خود ان سے سماع کیا ہو۔

الرجل فيستفتح فيفتح عليهم ثم يبعث بعث فيقال، هل فيكم من رأى أصحاب محمد؟ فيلتمس فلا يوجد حتى لو كان من وراء البحر لأتيتموه. ثم يبقى قوم يقرؤن القرآن لا يدرون ما هو.“

جی ہاں، تلاش کرنے سے ایک آدمی ملے گا جو فتح مانگے گا تو انھیں فتح نصیب ہوگی، پھر ایک اور گروہ نکالا جائے گا تو پوچھا جائے گا کیا تم میں کوئی ہے جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کو دیکھا ہو؟ تلاش کریں گے لیکن نہیں ملے گا یہاں تک کہ اگر وہ دریا کی دوسری طرف بھی ہو تو اسے لے آئیں۔ پھر ایک باقی رہ جائیں گے جو قرآن پاک تو پڑھیں گے لیکن مفہوم سے آگاہ نہیں ہوگی۔ یہ سند بھی صحیح ہے۔

ہیثمی نے (مجمع الزوائد: ۱۸/۱۰) میں کہا کہ

اس کو ابو یعلی نے دو طریق سے روایت کیا اور دونوں کے رجال ”صحیح“ کے رجال ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے جس سے نیک لوگوں کے ساتھ توسل کا مستحب ثابت ہوتا ہے۔

حدیث ——— ۹

”كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يستفتح بصعاليك المهاجرين.“

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقراء مہاجرین کے سبب سے فتح طلب کیا کرتے تھے۔“

طبرانی نے المعجم الکبیر (۲۹۲/۱) میں کہا۔

حدثنا محمد بن إسحاق بن راهويه، ثنا أبي ثنا عيسى بن يونس حدثني أبي عن أبيه عن أمية بن عبد الله بن خالد بن أسيد، قال: ”كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يستفتح بصعاليك المهاجرين“.

پھر ایک اور سند میں یوں بیان کیا۔

حدثنا عبد الله بن محمد بن عبد العزيز البغوي ثنا عبيد الله بن عمر القواريري ثنا يحيى بن سعيد عن أبي إسحاق عن أمية بن خالد قال، كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يستفتح بصعاليك المهاجرين“

پھر اس کو قیس بن الربیع عن ابی اسحاق عن المهلب بن ابی صفرة عن أمية بن خالد کے طریق سے اسی طرح مرفوع روایت کیا۔

حافظ ہیثمی نے (مجمع الزوائد ۲۶۲/۱۰) میں کہا کہ:

”اس کو طبرانی نے روایت کیا اور یہی روایت کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

مصنف کی رائے امیہ بن عبد اللہ بن خالد تابعی ہے اور اس کو صحیح میں نقل نہیں کیا گیا، لیکن یہ ثقہ ہے اگر ابو اسحاق السبیعی کا عنعنہ نہ ہو جس کا مدلسین کے تیسرے درجے میں ذکر کرتا ہے۔ تو حدیث مرسل صحیح الاسناد ہوگی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حدیث ——— ۱۰

لا تبکوا علی الدین إذا ولیه أهله، ولکن أبکوا علیه إذا ولیه غیر أهله.

دین پر مت رویا کرو جب اس کا والی اہل دین ہو لیکن اس وقت دین پر نالہ زاری کرو جب اس کا والی نااہل ہو۔

امام احمد نے (المسند ۵/۴۲۲) میں کہا۔

بیان حدیث

ثنا عبدالملک بن عمرو ثنا کثیر بن زید عن داود بن أبي صالح قال: أقبل مروان یوماً فوجد رجلاً واضعاً وجهه علی القبر فقال أتدري ما تصنع؟ فأقبل علیه فإذا هو أبو أیوب فقال نعم جئت رسول الله صلی الله علیه وسلم ولم آت الحجر سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: لا تبکوا علی الدین إذا ولیه أهله، ولکن أبکوا علیه إذا ولیه غیر أهله.

ہم سے عبدالملک بن عمرو نے کہا ہم سے کثیر بن زید نے، داؤد بن ابی صالح سے بیان کیا کہ اس نے کہا کہ ایک دن مروان آیا تو اس نے ایک شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر پر اپنا چہرہ رکھے ہوئے پایا تو اس نے کہا کیا تو جانتا ہے کہ تو کیا کر رہا ہے؟ انہوں نے توجہ کی تو وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے تو انہوں نے کہا ہاں میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا ہوں نہ کہ پتھر کے پاس۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:۔

لا تبکوا علی الدین إذا ...... الخ

اس روایت کو امام حاکم نے اسی طریق سے (المستدرک ۴/۵۱۵) میں نقل کیا اور کہا: یہ صحیح الاسناد ہے اور امام ذہبی نے اس کو تسلیم کیا۔

سند کی توثیق عبدالملک بن عمرو جو کہ قیسی ابو عامر عقدی ہے، ثقہ ہے جس کو ایک پوری جماعت نے حجت مانا جبکہ کثیر بن زید نے حدیث کو درجہ حسن میں رکھا۔

اور داؤد بن ابی صالح کے بارے میں امام ذہبی نے (المیزان ۹/۳۱) میں کہا کہ "وہ معروف نہیں ہے" اور ابن ابی حاتم الرازی نے اس کے بارے میں سکوت کیا (الجرح ۳/۴۱۶)

حافظ ابن حجر نے اس کا علیحدہ ذکر کرتے ہوئے "التقریب" میں کہا مقبول ہے۔ "اگر تم تشدد کے کام کو اور امام حاکم کی تصحیح اور امام ذہبی کی موافقت سے اعراض بھی کرو کیونکہ حدیث کو صحیح قرار دینا راوی کی توثیق ہوتی ہے تو پھر بھی اسناد میں جو تھوڑا سا ضعف ہے وہ متابعت سے ختم ہو جاتا ہے۔

دیکھیے داؤد بن ابی صالح کی مطلب بن عبداللہ بن حنطب نے متابعت کی ہے جس کو طبرانی نے المعجم الکبیر (۴/۱۸۹) الاوسط (۱/۱۹۹) اور ابو الحسین یحیی ابن الحسن نے "اخبار المدینۃ" میں نقل کیا ہے جیسا کہ شفاء السقام ص ۱۵۲ میں ہے۔

مطلب بن عبداللہ بن حنطب صدوق ہے اور تدلیس کرتا ہے۔ ایسی صورت میں متابعت کی صلاحیت ہوتی ہے چاہے وہ سماع کی تصریح کرے یا نہ کرے ان کی ابو ایوب سے ملاقات پائی یا نہ پائی۔

اس سند کی غرض یہ ہے کہ اس میں ایسا انقطاع پایا جاتا ہے جو متابعت سے ختم ہو جاتا ہے۔

اس متابعت کے ساتھ حدیث ثابت ہو گئی اور حسن لغیرہ قسم میں رہی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک غلطی کا ادراک

البانی کا یہ مشن ہے کہ حدیث کو ضعیف ثابت کرے تو دیکھئے، اس کی تضعیف میں اس نے کیا کیا؟

اس نے محض امام احمد اور امام حاکم کی روایت پر اکتفا کیا جس میں داؤد بن ابی صالح ہے اور اس وجہ سے حدیث کو ضعیف قرار دیا جبکہ یہ اس کی کم علمی کی دلیل ہے کیونکہ داؤد بن ابی صالح کا متابع معلوم ہو چکا ہے۔

پھر البانی نے الحافظ العلم نورالدین الہیثمی پر خطا کی اور کہا کہ حافظ ہیثمی نے داؤد بن ابی صالح کی علت سے ذھول کیا کہ انہوں نے (مجمع الزوائد ۵/۲۴۵) میں کہا کہ

اس کو امام احمد نے اور طبرانی کبیر اور اوسط میں روایت کیا اس میں کثیر بن زید ہے جس کی امام احمد وغیرہ نے توثیق کی اور امام نسائی وغیرہ نے تضعیف کی ہے۔"

یہ البانی کی خطا ہے کہ اس نے ہیثمی کو ذھول اختیار کیا ہے کیونکہ جب حافظ ہیثمی نے امام احمد و طبرانی کے اسناد کو دیکھا اور جب اس کا متابع یعنی داؤد بن ابی صالح کا پایا گیا جو مطلب بن عبد اللہ بن حنطب ہے تو اس پر کلام کی کثیر بن زید کے علاوہ کوئی گنجائش نہیں تو انہوں نے اسے مختلف فیہ کہا تو اس طرح کی حدیث کو درجہ حسن میں شمار کیا جائے گا۔

حافظ ہیثمی نے فقط کثیر بن زید پر کلام کیا جو درست ہے۔

البانی کی خطا کا دار و مدار متابعت سے ناواقفیت پر مبنی ہے جو کہ یا شک و شبہ کو زائل کرتا ہے۔

اس قصور کا بیان یوں ہے کہ جب طبرانی سے حدیث سامنے آئی تھی تو طبرانی کی سند پر خوب غور و خوض سے کام لینا چاہیے تھا۔ یہی ناقدین محدثین کا نظریہ ہے لیکن البانی نے ایک سند کو ہی سامنے رکھا اور حدیث کو ضعیف قرار دے دیا باوجودیکہ دوسرا طریق موجود تھا یہ بلاشبہ خطا ہے۔ البانی کے اس عمل کی مثالیں اس کی کتابوں میں متعدد ہیں۔

مسئلہ اس حدیث میں ایک صحابی کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر شریف کی طرف رجوع کرنا ثابت ہے۔

حدیث ـــــــــــ ۱۱

اللھم أنت أحق من ذکر وأحق	اے اللہ! تو ہی زیادہ حقدار ہے جس کا
من عبد وأنصر من ابتغی وأرأف	ذکر کیا جائے اور زیادہ حقدار ہے جس
من ملك وأجود من سئل، و	کی عبادت کی جائے اور مددگار ہے
أوسع من أعطی، أنت الملك لا	جس سے مدد مانگی جائے اور زیادہ مہربان
شریك لك والفرد لا تھلك	ہے کہ بادشاہ ہو اور زیادہ سخی ہے جس
کل شیء ھالك إلا وجھك	سے سوال کیا جائے اور زیادہ وسعت
لن تطاع إلا بإذنك ولن تعصی	والا ہے جو عطا کرے تو بادشاہ ہے کہ
إلا بعلمك تطاع فتشکر وتعصی	تیرا کوئی شریک نہیں اور ایسی ذات ہے

فتغفر، أقرب شهيد، وأدنى
حفيظ، حلت دون الثغور،
وأخذت بالنواصي، وكتبت
الآثار، ونسخت الآجال، القلوب
لك مفضية، والسر عندك
علانية، الحلال ما أحللت،
والحرام ما حرمت، والدين
ما شرعت، والأمر ما قضيت
والخلق خلقك، والعبد عبدك
وأنت الله الرؤوف الرحيم
أسألك بنور وجهك الذي
أشرقت له السماوات والأرض
بكل حق هو لك، وبحق
السائلين عليك أن تقبلني
في هذه الغداة أو في هذه
العشية، وأن تجيرني من النار
بقدرتك ۔

جس پر ہلاکت نہیں، تیری ذات کے
علاوہ ہر چیز نے ہلاک ہونا ہے، کسی کی
اطاعت نہیں ہوگی مگر تیرے اذن سے
اور نہ ہی نافرمانی ہوگی مگر تیرے علم
سے، تیری فرمانبرداری کی جائے تو تو
شکر قبول کرتا ہے اور تیری اگر نافرمانی
ہو جائے تو تو بخش دیتا ہے، تو سب سے
قریب رہنے والا اور اعلیٰ حفاظت
کرنے والا ہے، قیودات سے تو پاک
ہے اور پیشانیوں سے تیری گرفت ہے
اور تو نے آثار (نشانیاں) کو لکھا اور
آجال (مدتوں) کو مٹا دیا، سب دل تیری
طرف جھکنے والے ہیں اور بھید تیرے
نزدیک ظاہر ہے، حلال وہ ہے جسے
تو نے حلال کیا، حرام وہ ہے جسے تو نے
حرام ٹھہرایا اور دین وہ ہے جسے تو نے
جائز کیا اور امر وہ ہے جس کا تو نے
فیصلہ کیا اور مخلوق وہ ہے جسے تو نے
پیدا کیا اور بندہ وہ ہے جو تیری عبادت
کرے اور تو اللہ ہی مہربان اور رحم والا
ہے، میں تجھ سے تیری ذات کے نور سے

جس کے لیے زمین و آسمان روشن ہو گئے اور
ہر حق کے ساتھ جو تیرے لیے ہیں اور
تمام سائلین (سوال کرنے والوں) کے
حق کے ساتھ سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے
اسی صبح یا شام میں قبول کرے اور اپنی
قدرت کے ساتھ مجھے جہنم سے پناہ
عطا فرما۔"

بیان سند: طبرانی نے المعجم الکبیر (۸/ ۲۶۳) میں کہا:

حدثنا أحمد بن علي بن الأبار البغدادي، ثنا العباس بن الوليد النرسي، ثنا هشام بن هشام الكوفي، ثنا فضال بن جبير عن أبي أمامة الباهلي قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أصبح وأمسى دعا بهذه الدعوات:

اللهم أنت أحق من ذكر، وأحق من عبد، وأنصر من ابتغي وأرأف من ملك .... وأن تجيرني بقدرتك (مذکورہ حدیث)

میں کہتا ہوں: اس سند میں فضال بن جبیر ہے۔

ابن عدی نے الکامل (۶/ ۲۰۴۷) میں کہا کہ:

"فضال بن جبیر کی ابو امامہ سے تقریباً دس احادیث ہیں جو ساری کی ساری غیر محفوظ ہیں۔"

ابن حبان نے المجروحین (۲/ ۲۰۴) میں کہا کہ:

"ابو امامہ سے جو روایت کرتا ہے وہ اس کی حدیث نہیں اور اس کے ساتھ کسی حال میں بھی استدلال درست نہیں، اسی لیے حافظ ہیثمی نے

(مجمع الزوائد ۱۰/۱۱۷) میں کہا کہ :

اس کو طبرانی نے روایت کیا اور اس سند میں فضال بن جبیر ہے جو کہ ضعیف ہے اور اس کے ضعف پر اجماع ہے۔

میں کہتا ہوں، اگر فضال بن جبیر میں قوت ضعف نہ ہوتی تو اس کے سلسلے حدیث "اللھم انی اسئلک بحق السائلین علیک ..... (الحدیث) کے لیے استشہاد جائز ہوتا۔

حدیث ۱۲

اِذَا طَنَّتْ اُذُنُ اَحَدِکُمْ فَلْیَذْکُرْنِیْ وَلْیُصَلِّ عَلَیَّ

"جب تم میں سے کسی کے کان گونجنے لگیں تو وہ میرا ذکر کرے اور مجھ پر درود شریف پڑھے۔"

طبرانی نے المعجم الکبیر ۲/۱۲۰ میں کہا۔

حدثنا نصر بن عبد الملك السنجاري بمدينة سنجار سنة ۲۷۸ ثمان وسبعين ومائتين حدثنا معمر بن محمد بن عبيد الله بن أبي رافع صاحب النبي صلى الله عليه وسلم حدثنا أبي محمد عن أبيه عبيد الله عن أبيه أبي رافع قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

ہم سے نصر بن عبدالملک سنجاری نے شہر سنجار میں ۲۷۸ھ کو ان سے معمر بن محمد بن عبیداللہ بن ابی رافع صحابی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ان کے باپ محمد نے اپنے باپ عبیداللہ سے اپنے باپ رافع سے بیان کیا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

[illegible] ..... ولیصل علیّ"

ابو رافع سے یہ حدیث اس سند کے علاوہ نہیں ملتی اور اس میں معمر بن [illegible] منفرد ہے۔

میں کہتا ہوں، اس میں معمر بن محمد منفرد نہیں جیسا کہ اس کا بیان ان شاء اللہ آئے گا۔

اس روایت کو اسی طریق سے بزار نے اپنی مسند (کشف الاستار ۴/۳۲۴۹)، امام بیہقی نے "الدعوات" میں اور ابو یعلی نے، ابن عدی نے الکامل (۶/۲۴۲۳) میں اور عقیلی نے (الضعفاء ۴/۲۶۱) میں نقل کیا اور عقیلی نے کہا (۴/۳۰۲) "اس کی کوئی اصل نہیں" اسی لیے اس نے اس کو ابن [illegible] کے طریق سے نقل کیا (الموضوعات ۳/۷۶) اور اس کو ابن طاہر [illegible] نے تذکرۃ الموضوعات صفحہ ۳۲ میں ذکر کیا۔

"معمر بن محمد بن عبیداللہ بن ابو رافع اور اس کا باپ دونوں ضعیف ہیں اور معمر کذاب ہے۔ امام بخاری نے کہا: منکر الحدیث ہے اور محمد بن عبیداللہ بن ابو رافع کے بارے میں بھی امام بخاری نے "منکر الحدیث" کہا [illegible] امام [illegible] نے ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث اور دارقطنی نے متروک کہا۔

باوجود اس کے ابن حبان نے اس کو "الثقات" میں ذکر کیا اور حافظ [illegible] "التقریب" میں اس کی تضعیف پر اکتفا کیا، حالانکہ معمر بن محمد بن عبیداللہ بن ابی رافع اس میں منفرد نہیں جیسا کہ طبرانی نے کہا بلکہ اس کا [illegible] طریق ہے، لیکن اس کا علت اس کے والد محمد بن ابی رافع پر ہے اور [illegible] میں اس کی قوت معلوم ہے۔

اس کو ابن خزیمہ نے "الصحیح"، خرائطی نے مکارم الاخلاق صفحہ ۸۔

ابن السنی نے "عمل الیوم واللیلۃ ص ۴۶۹"، طبرانی نے المعجم الکبیر (۲۳۰/۴) "ابن عدی نے "الکامل ۶/۲۱۶۶" اور ابن حبان نے المجروحین (۲/۱۰۰) میں نقل کیا۔

اور حافظ ہیثمی نے "مجمع الزوائد: ۱۰/۱۳۸" میں کہا "طبرانی کی سند المعجم الکبیر میں "حسن" ہے"

جب متفرد راوی کا ضعف واضح ہو گیا بلکہ ضعف میں اس کی قوت ظاہر ہو گئی تو ابن خزیمہ کا اسے "الصحیح" میں نقل کرنا عجیب ہے۔

اور حفاظ نے اس پر تنقید کی ہے اور امام سخاوی نے "القول البدیع فی الصلوۃ علی الحبیب الشفیع" ص ۲۲۵ میں کہا کہ

ابن خزیمہ کا اسے صحیح میں نقل کرنا بڑا عجیب ہے کیونکہ اس کی اسناد منکر ہے اور اس کے ثبوت میں نظر ہے۔

اور اسی طرح ابن کثیر نے اپنی تفسیر ۶/۲۶۷ میں کہا اور امام مناوی نے فیض القدیر: (۱/۳۹۹) میں ابن خزیمہ اور ہیثمی کی تقلید کی اور حق بات سے دور ہو گئے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

حدیث ——— ۱۳

لَمَّا اقْتَرَفَ آدَمُ الْخَطِيئَةَ قَالَ: يَا رَبِّ أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لَمَا غَفَرْتَ لِي، فَقَالَ اللَّهُ: يَا آدَمُ وَكَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَلَمْ أَخْلُقْهُ؟ قَالَ: يَا رَبِّ لِأَنَّكَ لَمَّا خَلَقْتَنِي بِيَدِكَ وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُوحِكَ رَفَعْتُ رَأْسِي فَرَأَيْتُ عَلَى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوبًا لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَمْ تُضِفْ إِلَى اسْمِكَ إِلَّا أَحَبَّ الْخَلْقِ إِلَيْكَ، فَقَالَ اللَّهُ: صَدَقْتَ يَا آدَمُ إِنَّهُ لَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَيَّ، ادْعُنِي بِحَقِّهِ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ، وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ.

"جب حضرت آدم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لغزش کا ارتکاب کیا تو عرض کی اے میرے رب میں تجھ سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تو نے کس طرح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچان لیا حالانکہ میں نے اسے پیدا نہیں کیا تو عرض کی: اے میرے پروردگار! جب تو نے مجھے پیدا کیا اپنے دست قدرت سے اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھایا تو عرش کے ستونوں پر یہ لکھا ہوا دیکھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" تو میں جان گیا کہ یقیناً جس کو تو نے اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے وہ مخلوق میں سب سے زیادہ تجھے محبوب ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تو نے سچ کہا: بیشک یہ مجھے تمام مخلوق سے زیادہ عزیز ہے تو نے اس کے وسیلے سے مجھے پکارا تو میں نے تجھے معاف کر دیا اگر محمد نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا

بیان سند

امام حاکم نے المستدرک (۲/۶۱۵) میں کہا۔

ہم سے ابو سعید عمرو بن محمد بن منصور العدل نے، ان سے ابو الحسن محمد بن اسحاق بن ابراہیم الحنظلی نے ان سے ابو الحارث عبد اللہ بن مسلم الفہری نے ان سے اسماعیل بن مسلمۃ نے بیان کیا کہ ہمیں عبد الرحمن بن زید بن اسلم نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے دادا سے انہوں نے حضرت

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"لما اقترف آدم الخطيئة ..... ما خلقتك" الحدیث
یہ حدیث صحیح الإسناد ہے اور یہ پہلی حدیث ہے عبد الرحمن بن
زید بن اسلم کی جس کا میں نے اس کتاب میں ذکر کیا۔"
اور اس کو امام آجری نے الشریعۃ ص ۴۲۷ میں اسی طریقہ سے فہری
اور اس کے شیخ کے درمیان ایک آدمی کے اضافہ کے ساتھ روایت کی
لیکن وہ موقوف ہے۔
امام بیہقی نے اس کو دلائل النبوۃ (۵/۴۸۹) میں امام حاکم سے نقل کیا اور کہا
اس طریقے سے عبد الرحمن بن زید بن اسلم منفرد ہے اور وہ ضعیف ہے۔
لیکن ذہبی نے تلخیص المستدرک ۲/۶۱۵ میں کہا کہ اس کا حکم آشد ہے
اور یہ موضوع ہے اور عبد الرحمن لغو ہے۔ اس کو عبد اللہ بن مسلم الفہری نے
روایت کیا اور مجھے نہیں معلوم کہ اسماعیل بن مسلمۃ سے اس (عبد الرحمن)
کی روایت والا کون ہے؟
لیکن امام ذہبی نے عبد اللہ بن مسلم کے حالات میں کہا (المیزان ۲/۵۰۴)
کہ اس نے اسماعیل بن مسلمۃ بن قعنب سے، عبد الرحمن بن زید بن اسلم
سے خبر باطل کو روایت کیا جس میں "یا آدم لولا محمد ما خلقتك"
بھی ہے۔ اس کو امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا اور حافظ نے
اس کو اللسان (۳/۳۶۰) میں ذکر کیا۔ لیکن عبد اللہ بن مسلم اس میں
منفرد نہیں اس لیے کہ اس کا تابع موجود ہے۔
دیکھئے طبرانی نے المعجم الصغیر (۲/۸۲) میں کہا:
ہم سے محمد بن داؤد بن اسلم الصدفی المصری نے، ان سے احمد بن

سعید المدنی الفہری نے، ان سے عبد اللہ بن اسماعیل المدنی نے، عبد الرحمن
بن زید بن اسلم سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے اپنے دادا سے
انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔
"جب حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی کی ہوئی لغزش کا اعتراف
کیا تو اپنا سر عرش کی طرف اٹھایا اور عرض کی میں تجھ سے محمد صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کے توسل سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے معاف فرما دے، تو اللہ
تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ کیا محمد اور کون محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔
عرض کی تیرا نام برکت والا ہے جب تو نے مجھے پیدا کیا میں نے اپنا سر
تیرے عرش کی طرف اٹھایا تو اس میں یہ لکھا ہوا پایا۔ لا إله إلا الله
محمد رسول الله۔ تو میں جان گیا کہ تیرے نزدیک قدر و منزلت
میں اس سے بڑھ کر کوئی بھی نہیں ہو سکتا ـــــــ جس کا نام
تو نے اپنے نام کے ساتھ ملا رکھا ہے تو اللہ تعالیٰ عز وجل نے ان پر وحی
کی اے آدم بے شک یہ تیری اولاد سے آخری نبی ہیں اور ان کی امت
تیری اولاد کی آخری امت ہے۔ اگر یہ نہ ہوتے اے آدم تو میں تجھے پیدا
نہ کرتا۔"
طبرانی نے کہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت اسی اسناد سے کی
جاتی ہے اور اس میں احمد بن سعید منفرد ہے۔

مصنف کی رائے

میں کہتا ہوں کہ معاملہ اس طرح نہیں جیسے طبرانی نے
کہا اس لیے کہ احمد بن سعید کا متابع ہے جیسا کہ
امام حاکم کے حوالے سے گزر گیا۔ لیکن اس سند میں ایسے لوگ ہیں جن کے

تراجم ہم نے نہیں پائے۔

حافظ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (۸/۲۵۳) میں کہا کہ

"اس کو طبرانی نے "الاوسط" اور "الصغیر" میں روایت کیا اور اس میں وہ لوگ بھی ہیں جن کو میں نہیں پہچانتا۔"

حاصل کلام اس روایت میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم متفرد ہے جو کہ ضعیف ہے جیسا بیہقی نے کہا، "سب نے اس کی تضعیف کی سوائے ابن عدی کے"۔ اس نے اس کی باوجود منکر روایات (الکامل ۴/۱۵۸۵) میں کہا "اس کی احادیث حسن ہیں اور یہ ان میں سے ہے جسے لوگوں نے قبول کیا اور بعض نے اس کو "صدوق" کہا اور یہ ان میں سے ہے جن کی حدیث لکھی جاتی ہے۔"

اور بعض نے اس کے بارے میں تشدد سے کام لیا ہے اور اس کی تصحیح پر امام حاکم کے تساہل کے سبب حافظ نے (النکت علی ابن الصلاح ۱/۳۱۸) میں کہا۔

"تعجب ہے امام حاکم پر کہ انہوں نے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کی روایت نقل کرنے کے بعد کہا: یہ صحیح الاسناد ہے اور یہ عبدالرحمٰن کی پہلی حدیث ہے جس کو میں نے ذکر کیا، باوجودیکہ انہوں نے اپنی کتاب جس میں ضعفاء کو جمع کیا میں کہا کہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے اپنے باپ سے موضوع احادیث روایت کی ہیں۔ اہل فن پر مخفی نہیں کہ اس روایت کا دارومدار اسی (عبدالرحمٰن) پر ہے۔"

اور اس کتاب کے آخر میں کہا جن کو میں نے ذکر کیا ان پر جرح بھی مجھ پر ظاہر ہے کیونکہ جرح کو میں محض تقلید کی بنا پر جائز نہیں سمجھتا۔

ہاں اس کا شاہد موقوف ہے لیکن ضعیف ہے۔ اس کو آجری نے "الشریعۃ" (۴۲۲-۴۲۵) میں نقل کیا:

ہمیں ابو حامد ہارون بن یوسف بن زیاد التاجر نے خبر دی کہ ہم سے ابو مروان العثمانی نے بیان کیا کہ مجھ سے ابی عثمان بن خالد نے عبدالرحمٰن بن ابی الزناد سے انہوں نے اپنے باپ سے بیان کیا کہ

"وہ کلمات جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کی وہ یہ ہیں کہ انہوں نے عرض کیا "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ عَلَيْكَ" (اے اللہ! میں تجھ سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں سوال کرتا ہوں۔

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا اے آدم تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیونکر جان لیا؟ تو عرض کی اے میرے پروردگار! میں نے اپنا سر اٹھایا تو تیرے عرش پر لکھا ہوا پایا "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" تو میں جان گیا کہ یہ تمام مخلوق سے بڑھ کر تجھے عزیز ہے۔

ہم کہتے ہیں:

ابو مروان العثمانی میں کلام ہے اور اس کا والد عثمان بن خالد متروک ہے اس کے باوجود وہ معضل اور موقوف بھی ہے، اور اس کا دوسرا شاہد مرسل موقوف ہے لیکن اس کے الفاظ میں نکارت ہے۔

ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں نقل کیا جیسا کہ الدر المنثور (۱/۶۰) میں ہے محمد بن باقر بن علی بن حسین علیہم السلام سے مروی ہے کہ:

"جب حضرت آدم علیہ السلام نے خطا کی تو ان کو بہت زیادہ تشویش ہوئی اور سخت ندامت کا سامنا کرنا پڑا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے

پھر کہا: اے آدم کیا میں تجھے توبہ کا دروازہ بتاؤں جس دروازے سے اللہ تعالیٰ تیری توبہ قبول کرے گا، تو آپ نے کہا: ہاں جبریل! جناب امین علیہ السلام نے کہا: اپنے اس مقام پر کھڑے ہو جاؤ جہاں اپنے رب سے مناجات (سرگوشیاں) کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور مدح بیان کرو۔ اللہ تعالیٰ کو مدح سے بڑھ کر کوئی چیز پسند نہیں، تو آپ نے کہا: اے جبریل وہ کیا ہے؟ تو جبریل نے کہا: تو کہہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی حمد ہے۔ وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ایسا زندہ ہے جس کو موت نہیں۔ اس کے ہاتھ میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

پھر تو اپنی غلطی سے رجوع کر اور کہہ۔ اے اللہ تو پاک ہے اور تمام تعریفیں تیری ہیں۔ اے میرے پروردگار تیرے سوا کوئی معبود نہیں بیشک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں نے غلطی کو جان لیا۔ بس مجھے بخش دے۔ یقیناً تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشتا۔ اے اللہ میں تجھ سے تیرے بندے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و عظمت کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری غلطی کو بخش دے۔ آدم علیہ السلام نے ایسا کیا، تو اللہ تعالیٰ نے کہا: اے آدم! تجھے یہ کس نے سکھایا؟ تو عرض کی اے اللہ! جب تو نے مجھ میں روح پھونکی تو میں ایک آدمی کی حیثیت سے کھڑا ہوا جو سننے والا دیکھنے والا اور سمجھنے والا ہے تو میں نے تیرے عرش کے پائے پر لکھا ہوا پایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ محمد رسول اللہ۔ جب میں نے تیرے نام کے ساتھ نہ کسی مقرب فرشتے کا نام دیکھا نہ ہی مرسل نبی کا۔ سوائے اس نام کے، تو میں جان گیا کہ یہ تمہیں ساری

مخلوق سے عزیز ہے۔ اللہ نے فرمایا: تو نے سچ کہا اور میں نے تیری توبہ قبول کر لی ہے اور تیری خطا کو تیرے لیے معاف کر دیا ہے۔ تو آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی حمد کی اور شکر ادا کیا اور انتہائی سرور و مستی میں واپس لوٹے اس انداز سے کوئی بھی اپنے رب کی بارگاہ سے واپس نہیں لوٹا۔

اور آدم علیہ السلام کا لباس نور تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان دونوں سے لباس اتار لیا جائے تاکہ نورانی کپڑے ان دونوں کو ایک دوسرے کی طرف رہنمائی کریں۔

پھر فرشتے فوج در فوج آئے، مبارک باد دینے کے لیے جو کہتے "تجھے مبارک ہو اللہ نے توبہ قبول کی۔ اے ابو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)"

امام محمد باقر علیہ السلام تک اس کی سند سے آگاہ نہ ہو سکا۔ ہاں وہ جلیل القدر امام ہیں اور ائمہ تابعین اور ثقہ لوگوں کے سرفہرست ہیں لیکن اس روایت کے متن میں واضح نکارت ہے اور وہ ایسی نکارت کی نسبت سے کہیں بالاتر ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ نکارت آپ سے روایت کرنے والوں سے ہو۔ (واللہ اعلم)

حضرت آدم علیہ السلام اور وسیلہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

گذشتہ تحریر کے بعد ہم ایک اور حدیث قارئین کی نظر کرتے ہیں۔ جس میں حضرت آدم علیہ السلام نے حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑا۔ یہ حدیث مبارک اس باب میں انتہائی قوی دلیل ہے۔

حافظ ابو الحسن بن بشران نے نقل کیا ہے کہ ہم سے ابو [illegible] محمد بن عمرو نے، احمد بن اسحاق بن صالح نے، محمد بن سنان عوقی نے، ابراہیم بن طہمان نے، بدیل بن میسرہ نے بیان کیا ہے کہ عبد اللہ بن شقیق[1] فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ منصب نبوت پر کب فائز ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْأَرْضَ وَاسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَخَلَقَ الْعَرْشَ كَتَبَ عَلَى سَاقِ الْعَرْشِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ خَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ وَخَلَقَ الْجَنَّةَ الَّتِي أَسْكَنَهَا آدَمَ وَحَوَّاءَ فَكَتَبَ اسْمِي عَلَى الْأَبْوَابِ وَالْأَوْرَاقِ وَالْقِبَابِ وَالْخِيَامِ وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ فَلَمَّا أَحْيَاهُ اللّٰهُ تَعَالَى نَظَرَ إِلَى الْعَرْشِ

جب اللہ نے زمین کی تخلیق فرمائی اور آسمانوں کا قصد کیا تو سات آسمانوں میں ان کو برابر کیا اور عرش کو پیدا فرمایا تو عرش کے پائے پر یہ تحریر فرمایا "محمد رسول اللہ خاتم الانبیاء" اور جنت کو پیدا فرمایا جس میں آدم و حوا کو سکونت بخشی، تو میرا نام جنتی دروازوں، پتوں، گنبدوں اور محلات پر تحریر فرمایا، اس وقت آدم (علیہ السلام) ابھی روح

[1] فتاوی ابن تیمیہ (۲/۱۵۰) میں "عبد اللہ بن سفیان" کا نام درج ہے جبکہ درست نام "عبد اللہ بن شقیق" ہے۔ ان ائمہ کی یہی تصریح ہے جنہوں نے اس حدیث کو نقل کیا مثلاً امام حاکم (۲/۶۰۸) البیہقی فی الدلائل (۱/۸۵، ۲/۱۲۹) ابو نعیم فی الحلیہ (۹/۵۳) التاریخ الکبیر للبخاری (۷/۳۷۴، ترجمہ نمبر ۱۶۰۹) اور السنہ لابن ابی عاصم (۱/۱۷۹) ہمارے شیخ غماری نے الرد المحکم المتین (ص ۱۳۹) میں درست بات کو بے غبار ثابت کیا ہے۔

فَرَأَى اسْمِي فَأَخْبَرَهُ اللّٰهُ أَنَّهُ سَيِّدُ وَلَدِكَ، فَلَمَّا غَرَّهُمَا الشَّيْطَانُ، تَابَا وَاسْتَشْفَعَا بِاسْمِي إِلَيْهِ۔

اور جسم کے درمیان تھے جونہی اللہ تعالیٰ نے انہیں لذتِ حیات سے سرشار فرمایا، تو انہوں نے بجانب عرش نظر اٹھائی اور میرا نام دیکھا تو اللہ نے انہیں خبردار کیا کہ یہ تیری اولاد کے سردار ہیں۔ جب شیطان لعین نے انہیں بہکایا تو انہوں نے توبہ کی اور بارگاہِ ایزدی میں میرے نام کو حصولِ شفاعت کیلئے پیش کیا۔"

اس روایت کو محدث ابن جوزی نے "الوفا" میں فضائل مصطفی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ضمن میں ابن بشران کے طریق سے نقل کیا ہے، اور انہی سے ہی ابن تیمیہ نے "الفتاوی: ۲/۱۵۰" میں بطور شاہد نقل کیا۔

ہمارے شیخ علامہ محقق السید عبد اللہ بن الصدیق الغماری نور اللہ مرقدہ "الرد المحکم المتین: ۱۳۸-۱۳۹" میں اس حدیث کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اسناد هذا الحديث قوي (اس حدیث کی سند مضبوط ہے) اور یہ نہایت مضبوط دلیل ہے۔ میں عبد الرحمن بن زید کی حدیث کیلئے اس پر واقف ہوا۔" اور حافظ ابن حجر کا بھی یہی کہنا ہے۔

ہم کہتے ہیں اس کی سند میں مسلسل ثقہ راوی ہیں ماسوا ایک راوی کے، اور وہ بھی صدوق ہے۔ جن کی ترتیب حسب ذیل ہے۔

(۱) ابو جعفر محمد بن عمرو بن البختری رزاز ہیں جو کہ ثقہ ثبت ہیں ان

کے حالات تاریخ بغداد (۴/۱۳۲)
میں موجود ہیں۔

(۲) احمد بن اسحاق بن صالح، یہ ابوبکر وزان ہیں۔ یہ بھی صدوق ہیں اور ان کے حالات بھی تاریخ بغداد (۴/۲۹) میں موجود ہیں۔

(۳) محمد بن صالح، یہ ابوبکر انماطی ہیں جو کہ کیلجہ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ بھی ثقہ حافظ اور "تہذیب" کے رجال میں سے ہیں اور ممکن ہے کہ یہی محمد بن صالح واسطی کعب

الذراع ہوں، یہ بھی ثقہ ہیں [illegible] تاریخ خطیب (۵/۳۶۰) میں [illegible] کے حالات بھی موجود ہیں اور [illegible] کے تعیین میں اختلاف مضر نہیں [illegible]

(۴) محمد بن سنان عوقی وہ ثقہ ہیں جن کی تائید میں "تہذیب" کے ثقہ لوگ ہیں۔

حق بات یہ ہے کہ یہ اسناد [illegible] کی ہر شرط پر پوری اترتی ہے اور [illegible] حفاظ اس کی تصحیح کرتے ہیں جو [illegible] کو بھی صحیح ہی میں شمار کرتے ہیں

حدیث ـــــــ ۱۴

من أراد أن يوعيه الله حفظ القرآن وحفظ العلم فليكتب هذا الدعاء في إناء نظيف بعسل ثم يغسله بماء مطر يأخذه قبل أن يقع إلى الأرض

"جو شخص ارادہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ اسے حفظ قرآن اور حفظ علم کی دولت سے مالا مال فرمائے تو وہ صاف ستھرے برتن میں یہ دعا شہد کے ساتھ لکھے پھر اس کو بارش پانی سے اس طرح

[illegible] ثم يشربه على الريق ثلاثة [illegible] فإنه يحفظ بإذن الله

دھوئے کہ زمین پر گرنے سے پہلے اس کو سنبھال لے۔ پھر اس کو تھوڑا تھوڑا تین دن تک پیتا رہے، تو یقیناً وہ اللہ کے حکم سے حفظ کر جائے گا (وہ دعا یہ ہے)

[illegible]اللهم إني أسئلك بأنك [illegible] مسؤل لم يسأل مثلك [illegible] أسألك بحق محمد رسولك [illegible] نبيك وإبراهيم خليلك [illegible] صفيك وموسى كليمك [illegible] نجيك وعيسى كلمتك [illegible] وروحك ..." الحديث)

اے اللہ بیشک میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس امر کے ساتھ کہ تجھ سے ہی سوال کیا جاتا ہے تیری مثل کسی سے سوال نہیں کیا جاتا، میں تجھ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق سے سوال کرتا ہوں جو تیرے رسول اور نبی ہیں اور ابراہیم کے حق سے جو تیرے خلیل اور صفی ہیں اور موسیٰ کے حق سے جو تیرے کلیم اور نجی ہیں اور عیسیٰ کے حق سے جو تیرے کلمہ اور روح ہیں....
..... حدیث طویل ہے۔

بیان سند

خطیب بغدادی نے "الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع" (۲/۲۶۱) میں کہا

ہمیں محمد بن حسین بن محمد المتوثی نے خبر دی کہ ان سے عثمان بن احمد الدقاق [illegible] عثمان سے محمد خلف بن عبدالسلام نے ان سے موسیٰ بن ابراہیم المروزی نے ان سے وکیع نے عبیدہ سے شقیق نے انہوں نے ابن مسعود سے بیان کیا کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا :

من أراد أن يؤتيه الله حفظ القرآن وحفظ العلم ...... ذلك

كلمات ورحمات -

میں کہتا ہوں : یہ موضوع ہے اور اس میں موسیٰ بن ابراہیم ابو عمران المروزی متہم

یحییٰ بن معین نے اسے "کذاب" اور دار قطنی وغیرہ نے "متروک" کہا اور

حافظ ذہبی نے المیزان (۴/۱۹۹) میں اس حدیث کو موسیٰ بن ابراہیم کی آفات

میں سے شمار کیا ہے۔

اور اس کو اس (موسیٰ) سے عمر بن صبح الخراسانی کذاب نے چرایا اور اس

کے لیے ایک اور سند ترکیب دی اور وہ وہی ہے جس کو ابن جوزی نے

(الموضوعات ۳/۱۷۴-۱۷۵) میں نقل کیا۔

اور اس کو ابو الشیخ نے "الثواب" میں حسن بن عرفہ کے طریق سے روایت

کیا (جیسا کہ اللآلی : ۲/۳۵۷ میں ہے)

"ہم سے زید بن الحباب نے، ہم سے عبد الملک بن ہارون بن عنترۃ نے

اپنے باپ سے بیان کیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی : کہ

"میں قرآن سیکھتا ہوں تو وہ مجھے بھول جاتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے فرمایا : تو کہہ اے اللہ میں تجھ سے تیرے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

تیرے خلیل ابراہیم تیرے نجی موسیٰ اور تیرے روح عیسیٰ کے توسل سے سوال

کرتا ہوں ...... (الحدیث)

(التوسل والوسیلۃ صفحہ ۸۹) میں یوں ہے کہ

اس کو ابو موسیٰ المدینی نے زید بن الحباب کی حدیث عبد الملک بن ہارون

بن عنترۃ سے روایت کیا، اور کہا یہ حدیث حسن ہے اور باوجود اس کے متصل

نہیں ابو موسیٰ نے کہا :

اس کو محرز بن ہشام نے عبد الملک سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں

نے اپنے دادا سے ، انہوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت

کی ، اور عبد الملک قوی نہیں اور اس کا باپ اور دادا دونوں ثقہ ہیں۔

احمد ، ابن معین ، العجلی اور ابن سعد نے ہارون بن عنترۃ کی توثیق کی ہے۔

اور اس کا باپ یعنی عنترۃ بن عبد الرحمٰن ثقہ تابعی ہیں ، بعض کا یہی خیال

ہے کہ ان کو صحبت (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حاصل ہے اور اس کا اسناد

متصل ہے۔ لیکن اس کی آفت عبد الملک بن ہارون بن عنترۃ ہالک ہے اس

کے بارے میں یحییٰ بن معین نے "کذاب" اور ابو حاتم نے "متروک ذاہب الحدیث"

(حدیث مجہول جانے والا) کہا۔

حاصلِ کلام خلاصہ کلام یہ ہوا کہ حدیث موضوع ہے۔

اور وہ ان لوگوں سے ہے جن کا ذکر ابن جوزی نے "الموضوعات"

میں کیا۔ (واللہ أعلم بالصواب)

حدیث ——————— ۱۵

قحط أهل المدينة قحطا شديدا فشكوا إلى عائشة فقالت انظروا قبر النبي صلى الله عليه وسلم فاجعلوا منه كوى إلى السماء حتى لا

اہل مدینہ ایک سال سخت قحط کا شکار ہو گئے انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس شکایت کی تو انہوں نے کہا کہ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کی زیارت

يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ قَالَ فَفَعَلُوا فَمُطِرْنَا مَطَرًا حَتَّى نَبَتَ الْعُشْبُ وَسَمِنَتِ الْإِبِلُ حَتَّى تَفَتَّقَتْ مِنَ الشَّحْمِ فَسُمِّيَ عَامَ الْفَتْقِ.

کہ اس سے آسمان کی طرف ایک سوراخ اس طرح کرو کہ اس کے درمیان اور آسمان کے درمیان کوئی آڑ باقی نہ رہے تو انھوں نے ایسا ہی کیا تو ہمیں بارش میسر ہوئی یہاں تک کہ نباتات خوب اُگ آئیں اور اونٹ موٹے ہو گئے یہاں تک کہ وہ چربی سے بھرپور ہو گئے اور اس سال کا نام "عام الفتق" رکھا گیا۔

بیانِ سند

حافظ دارمی نے اپنی (السنن ۱/۴۳-۴۴) میں باب "ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ بعد موتہ" کے تحت کہا۔

ہم سے ابو النعمان نے ان سے سعید بن زید نے، ان سے عمرو بن مالک النکری نے ان سے ابوالجوزاء اوس بن عبد اللہ نے بیان کرتے ہوئے کہا۔

"قحط اهل المدينة ..... فسمي عام الفتق" (الحديث)

ہم کہتے ہیں کہ یہ سند حسن ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ابو النعمان، وہ محمد بن الفضل السدوسی ہیں، ان کا لقب "عارم" ہے اور وہ ثقہ و مشہور ہیں۔

اگرچہ انھوں نے آخر عمر میں اختلاط الفاظ و تبدل کیا ہے تو پھر بھی یہاں ان کی حدیث دو امور کے پیش نظر مقبول ہے۔

۱۔ حافظ ابن صلاح نے (المقدمۃ صـ ۳۹۲) میں کہا کہ "عارم محمد بن فضل نے آخر عمر میں اختلاط کیا۔ لیکن ان سے امام بخاری اور محمد بن یحیی الذہلی وغیرہ نے روایات لی ہیں وہ اختلاط سے پہلے کی

اور حافظ عراقی نے (التقیید والایضاح صـ ۴۶۲) میں اس کا تعقب کرتے ہوئے کہا: کہ اس (عارم) سے حدیث بیان کرنے والے اگر امام بخاری اور مسلم کی شیوخ سے بھی ہوں تو پھر بھی روایت قبول ہوگی۔

ہم کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الدارمی، امام بخاری اور مسلم شیوخ میں سے ہیں اور لا محالہ یہ ان لوگوں سے ہیں جنہوں نے محمد بن فضل السدوسی سے اختلاط سے قبل احادیث بیان کی ہیں۔

۲۔ امام ذہبی نے (المیزان ۴/۸) میں عارم کے حالات میں کہا اور دارقطنی نے بھی کہا کہ "وہ آخر عمر میں الفاظ تبدیل کر جاتے تھے اور جو اختلاط کے بعد ان سے ظاہر ہو وہ حدیث منکر ہے۔ حالانکہ وہ خود ثقہ ہیں۔

ہم کہتے ہیں:

کہ یہ قول اس حافظ العصر کا ہے جن کی مثل امام نسائی کے بعد کوئی نہیں آیا تو پھر کیا حیثیت ہے ابن حبان کے قول کی، جو عارم کے بارے میں ہے کہ وہ آخری عمر میں اس قدر تغیر و تبدل کر جاتے کہ انھیں معلوم نہ ہوتا کہ کیا بیان کر رہے ہیں اور ان کی حدیث میں منکرات کثیر واقع ہیں۔ اور ان سے جو متاخرین نے روایات لی ہیں ان کی تحقیق ضروری ہے اور اگر یہ معلوم نہ ہو سکے تو سب کو ترک کیا جائے گا اور اس سے کچھ بھی قابل نہ ہوگا۔

ہم کہتے ہیں کہ

ابن حبان کو یہ قدرت نہیں ملی کہ ان سے کوئی ایک حدیث منکر بیان کر دیں تو پھر ان کی رائے کا کیا مقام ہے؟ اور حافظ عراقی نے بھی التقیید والایضاح صـ ۳۹۶) میں ابن حبان کی جرح میں امام ذہبی کے کلام کو ثابت رکھا ہے۔

امام ذہبی نے الکاشف ۳/۷۹ میں اس بات کی تصریح کی ہے
کہ "وہ قبل از موت متغیر ہو گئے تھے اور حدیث بیان نہ کرتے تھے"
حافظ ذہبی کا کلام جیسے جو انصاف پر دلالت کرتا ہے اور دا[رقطنی]
اس کی تائید کرتے ہیں تو جب رجل نے اختلاط کیا ہے تو جو اس کے
اختلاط کے بعد ظاہر ہو جائے وہ "حدیث منکر" ہے (جیسا کہ دارقطنی نے
اس کی تصریح کی ہے) اور وہ حدیث "یا امیر المومنین" (پس وہ حدیث بیان
کرنے سے رک گئے تھے) تو جو شخص عارم جیسے ثقہ آدمی کی مخالفت کرے
گا اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جانے گی اور بقول شاعر ؎

"اللہ تعالیٰ نے کچھ آدمی میدان جنگ میں لڑنے کے لیے اور کچھ
صرف نان و نفقہ کے لیے پیدا کیے ہیں"۔ واللہ اعلم

اب تو روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ جس کو امام دارمی نے ابو
النعمان محمد بن فضل السدوسی سے روایت کیا وہ مقبول ہے۔ جس میں
شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

البانی کا کارنامہ بڑا حیرت انگیز ہے کہ اس نے اپنی کتاب "التوسل"
ص ۱۲۶ میں نقل کیا کہ "ابن الصلاح نے ابو النعمان کا ذکر مختلطین میں کیا"
پھر اس نے ابن الصلاح کا وہ کلام نقل ہی نہیں کیا جو اس شبہ کو زائل کرتا
ہے اور وہ ابن الصلاح کا وہ قول ہے جس کا ذکر اوپر گزر گیا ہے کہ "اس
سے بخاری اور محمد بن یحییٰ الذہلی وغیرہ نے اختلاط سے قبل اس سے
حدیث لی ہے"۔

امام دارمی بھی کبار حفاظ میں سے ہیں اور امام بخاری اور ذہلی کے شیوخ
میں سے ہیں بعد اس سے بھی بڑھ کر البانی نے اپنی مذکورہ کتاب کے حاشیہ

ص ۱۲۹ میں کہا کہ شیخ غماری نے بھی المصباح ص ۳۲ میں اس ابو النعمان
کے اختلاط والی علت سے غفلت برتی ہے"۔

حالانکہ صواب یہ ہے کہ شیخ البانی کے کلام کا غلط ہونا حق ہے اور
کتنا ہی اچھا کسی شاعر نے کہا ہے ؎

"اور کتنے ہی لوگ صحیح بات کو عیب لگانے والے ہیں اور اس
کی وجہ ان کی غلط سوچ ہوتی ہے"۔

سعید بن زید سعید بن زید میں بھی کلام ہے۔ لیکن ابن معین، ابن سعد،
العجلی، سلیمان بن حرب وغیرہم نے اس کی توثیق کی۔
اور امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں اس کے ساتھ حجت قائم کی۔
اور حافظ ذہبی نے اس کی حدیث قبول کرنے میں جو مفصل قول نقل
کیا ہم کو وہ کافی ہے جو انہوں نے اس کو اجزء من تکلم فیه وهو
موثق" ص ۸۵ میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا اور ان لوگوں کی حدیث امام
(ذہبی) کے نزدیک درجہ حسن سے نیچے نہیں جیسا کہ انہوں نے اس کی تصریح
جزء مذکور کے مقدمہ ص ۲ میں کر دی۔

اے انصاف پسند! اب اس کے قول کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جائے
گی جس نے ویسے ہی شور و غوغا ڈالنے کی کوشش کی اور ان لوگوں کی تضعیف
کی جن سے تخریج "صحیح" میں کی گئی۔

عمرو بن مالک النکری ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے الثقات
۲۲۸/۷ اور کوئی بھی نہیں کہے گا کہ یہ رجل ان
"املاء" سے ہے جن کو اس نے اپنی کتاب "الثقات" میں داخل کیا اور رجل
سے ایک ثقہ جماعت نے روایت لی ہے اور اس رجل کے بارے میں جس کو

ذکر ابن حبان نے "الثقات" میں کیا ہے اس کا کہنا ہے کہ

عمرو بن مالک النکری کی کنیت ابو مالک ہے جو اہل بصرہ سے ہے اس سے ابو الجوزاء روایت کرتا ہے اور اس سے حماد بن زید جعفر بن سلیمان اور اس کے بیٹے یحییٰ بن عمرو نے روایت کی اور اس کی حدیث معتبر ہوتی ہے بشرطیکہ اس کا بیٹا اس سے روایت نہ کرے اور یہ رجل سنہ ۱۲۹ھ میں انتقال کر گئے۔

مزید برآں کہ ابن حبان نے عمرو بن مالک النکری کے حالات مشاہیر علماء الامصار (ص۱۵۵) میں بصرہ کے طبقہ اتباع التابعین کے ضمن میں کیے ہیں اور کہا کہ اس کی حدیث میں مناکیر ہیں جب اس سے روایت اس کا بیٹا کرے اور وہ فی نفسہ صدوق تھے۔

ابن حبان کا فیصلہ

تم نے دیکھا کہ ابن حبان راوی کا نام، کنیت، عصر اور علمی شہرت کو جانتا ہے اور اس سے روایت کرنے والوں کو بھی جانتا ہے اور اس نے اس کی روایات میں تحقیق کی اور مندرجہ ذیل اقوال کو بے دھڑک نقل کر دیا جبکہ ابن حبان جرح میں متشدد بھی ہے۔

۱۔ یعتبر حدیثه من غیر روایة ابنه عنه۔

۲۔ وقعت المناکیر فی حدیثه من روایة ابنه عنه

ابن حبان کی توثیق کو قبول کرنا حق ہے جس میں کوئی شک نہیں اور اس پر حافظ نے بھی اعتماد کرتے ہوئے (التقریب ص۴۲۶) میں کہا "صدوق" ہے اور اس کے لیے اوہام ہے۔

لیکن حافظ کا قول فقط "صدوق" حق ہے اور اس کے حق کا بیان (التہذیب ۸/۹۶) میں واقع ہے کہ میں نے ابن حبان کے کلام سے زیادہ

"ثقات" میں نہیں پایا یعنی "یخطئ و یغرب" یہ کاتب کی غلطی ہے جس پر حافظ نے "له اوهام" کی بنیاد رکھی۔

تو جب یہ اضافہ ختم ہو گیا جس کی ابن حبان کے کلام سے کوئی اصل نہیں تو حافظ کا کلام بھی اٹھ گیا اور عمرو بن مالک کے بارے میں حافظ کا حق اور صحیح قول یہی "صدوق" ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

ایک وہم اور اس کا تدارک

اگر کہا جائے کہ ہم بھی تمہیں دکھاتے ہیں کہ تم نے عمرو بن مالک کے بارے میں احمد کے کلام سے اعراض کیا ہے۔

عبداللہ بن احمد نے اپنے باپ سے (المسائل ص۴۹) میں نقل کیا ہے انہوں نے اس کو گویا ضعیف کہا۔

ہم کہتے ہیں، کہ "کانّ" محض ظن ہے جس کے ساتھ حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ اور اسی طرح حافظ نے حسن بن موسیٰ الاشیب کے حالات میں "مقدمۃ الفتح ص۳۹۷" میں کہا عبداللہ بن علی بن المدینی نے اپنے باپ سے روایت کی کہ حسن بن موسیٰ بغداد میں تھے اور انہوں نے گویا اس کی تضعیف کی۔

میں کہتا ہوں (یعنی حافظ) یہ ظن ہے جس سے حجت قائم نہیں ہوتی۔

ہم اس ظن کو مرجوح قرار دینے میں یہ اضافہ کرتے ہیں کہ یقیناً یہ جرح غیر مفسر ہے جس کا حکم یہ ہے کہ تعدیل کے مقابلے میں رد کر دو جیسا کہ اصول حدیث کا ضابطہ ہے تو اس بیان کے بعد عمرو بن مالک کی توثیق میں کوئی شبہ باقی نہ رہا اور اسی کی تصریح حافظ ذہبی نے (المیزان ۳/۲۸۶) اور (المغنی ۲/۴۸۹) میں کی ہے۔

جب یہ امر واضح ہو گیا کہ عمرو بن مالک النکری ثقہ ہے تو پھر تعجب ہے

البانی کے اس قول پر جو اس نے الضعیفۃ (۱/۳۱) میں حافظ منذری اور حافظ ہیثمی کا تعقب کرتے ہوئے نقل کیا کیونکہ ان دونوں نے عمرو بن مالک النکری کو حسن کہا۔ شیخ البانی کا قول ہے۔

اس کے بارے میں جو دونوں نے کہا وہ محل نظر ہے" ابن حبان کے علاوہ عمرو کی کسی نے توثیق نہیں کی اور وہ توثیق میں تساہل ہے یہاں تک کہ وہ ان کی بھی توثیق کر دیتا ہے جو ائمہ نقاد کی نظر میں مجہول ہیں۔"

ہم کہتے ہیں۔ عمرو کے متعلق ابن حبان کی توثیق کی قبولیت گزر گئی اور البانی سے محل تعجب ہے کیونکہ اس نے "التعلیق علی فضل الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۸۸" میں کہا کہ

عمرو بن مالک النکری ثقہ ہے جیسا کہ حافظ ذہبی نے کہا۔

پھر دوسری مرتبہ اس کی توثیق (الصحیحۃ ۵/۶۰۸) میں کی ......

محل تعجب تو یہ ہے کہ کبھی تصحیح کرتا ہے اور کبھی تضعیف، ہمیشہ اپنی غرض و ہوس کے درپے رہتا ہے۔ اسی لیے تو اکثر یہ تناقض کا شکار رہتا ہے اور قواعد کو ترک کر دیتا ہے۔ ہم حرص و ہوس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

تنبیہ ابن عدی نے (الکامل ۵/۱۷۹۹) میں عمرو بن مالک النکری اور عمرو بن مالک الراسبی کے ذکر کو مخلوط کر دیا اور کہا: "عمرو منکر حدیث اور حدیث چراتا ہے۔ پھر اس نے ترجمہ اس قول پر ختم کیا جو میں نے ذکر کیا اس کے علاوہ عمرو کے لیے احادیث منکرات ہیں کو اس نے قوم ثقات سے چرایا۔"

مگر اس نے ترجمہ کا عنوان عمرو بن مالک النکری قائم کیا اور حق یہ

ہے کہ وہ عمرو بن مالک الراسبی ہے۔

اور ابن عدی کے وہم پر حافظ نے (التہذیب ۸/۹۵) میں تنبیہ کی ہے اور حافظ ذہبی نے ان دونوں کے درمیان (المیزان: ۳/۲۸۶) اور (المغنی ۲/۴۸۹) میں تفریق کی ہے۔

ابن عدی کے غلط ملط سے ایک جماعت نے دھوکا کھایا جن میں سے چند یہ ہیں۔

ابن الجوزی نے (الضعفاء ۲/۲۲۱) اور (الموضوعات ۲/۱۸۴) میں اور ابن تیمیہ نے "التوسل" وغیرہ میں۔

اسی بات کا اثر ہے کہ اس (اثر) حدیث پر موضوع ہونے کا حکم لگایا گیا جو کہ بلاشک و شبہ غلط ہے اور اس کی وجہ محض ابن عدی کی تقلید ہے۔

ابو الجوزاء، اوس بن عبداللہ ابو الجوزاء جو اوس بن عبداللہ بصری ہے۔ وہ ثقہ ہے جس کے ساتھ ایک جماعت نے حجت قائم کی ہے اور اس کے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع میں کلام ہے۔

اور درست بات یہ ہے کہ ان کا سماع ام المؤمنین سے ثابت ہے۔ دلائل میں ملاحظہ کیجیے۔

۱- ابو الجوزاء کی ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی حدیث کو امام مسلم نے اپنی "الصحیح" میں نقل کیا ہے اور یہی حجت (دلیل) کافی ہے۔

۲- امام بخاری نے (التاریخ الکبیر ۲/۱۷) میں کہا کہ

ہم سے مسدد نے ان سے جعفر بن سلیمان نے ان سے عمرو بن مالک النکری نے ان سے ابو الجوزاء نے کہا کہ میں نے ابن عباس اور ام المؤمنین

عائشہ کے ساتھ بارہ سال گزارے، قرآن کی کوئی ایسی آیت نہیں جس کے [متعلق] میں نے ان سے دریافت نہ کیا ہو۔

ایک اور روایت میں ابن سعد نے اس کو (۷/۲۲۳) میں نقل کیا کہ ہمیں عارم بن فضل نے خبر دی کہ ہم سے حماد بن زید نے ان کو عمرو بن مالک نے ان کو ابی الجوزاء نے بیان کیا کہ میں ابن عباس کے ساتھ ان کے گھر میں بارہ سال رہا، کوئی ایسی قرآنی آیت نہیں جس کے متعلق میں نے ان سے دریافت نہ کیا ہو۔

اور اس کی تخریج ابو نعیم نے (الحلیۃ: ۳/۷۹) میں اضافہ کے ساتھ کی کہ میرا ام المومنین سے صبح و شام جھگڑا رہا کہ میں نے کسی عالم [سے] نہ سنا اور نہ ہی اللہ تعالی کو کسی گناہ کے متعلق یوں فرماتے سنا کہ میں کو نہیں بخشوں گا سوائے شرک کے۔

حافظ نے (التہذیب ۱/۳۸۴) میں کہا کہ

"ان کی ام المومنین سے ملاقات کے جواز میں کوئی مانع نہیں بلکہ امام مسلم کے مذہب پر ملاقات کا امکان ظاہر ہے۔"

تو جب ابو جوزاء کی ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات ممکن ہے تو ابو الجوزاء مدلس نہیں اور اس کی ام المومنین سے روایت کا دارومدار سماع پر ہوگا جیسا کہ مذہب ہے امام مسلم کا۔ بلکہ جمہور کا عمل اسی پر جاری ہے (واللہ اعلم بالصواب)

ابو نعیم اصبہانی نے "الحلیۃ" میں ابو الجوزاء کے ترجمہ میں اس کی ام المومنین سے مروی چند احادیث کو صحیح کہا ہے۔

اور ابن قیسرانی کی (الجمع بین الصحیحین ۱/۴۹) میں ہے کہ اس نے

عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماعت کی ہے۔

حاصل کلام تمام تر گفتگو کا لب لباب یہ ہوا کہ یقیناً یہ سند حسن ہے یا صحیح اور اس کے رجال صحیح مسلم کے رجال ہیں، سوائے عمرو بن مالک النکری کے اور وہ بھی ثقہ ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حدیث ——— ۱۶

أثر مالك الدار

أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِي زَمَنِ عُمَرَ فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ اسْتَسْقِ لِأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا فَأُتِيَ الرَّجُلُ فِي الْمَنَامِ فَقِيلَ لَهُ ائْتِ عُمَرَ فَأَقْرِئْهُ السَّلَامَ وَأَخْبِرْهُ أَنَّكُمْ مُسْتَقِيمُونَ وَقُلْ لَهُ عَلَيْكَ الْكَيْسَ عَلَيْكَ الْكَيْسَ فَأَتَى عُمَرَ فَأَخْبَرَهُ فَبَكَى عُمَرُ ثُمَّ قَالَ يَا رَبِّ لَا آلُو إِلَّا مَا عَجَزْتُ عَنْهُ۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لوگ قحط کا شکار ہو گئے تو ایک آدمی روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوا، اور عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی امت کے لیے بارش مانگو، بیشک وہ ہلاک ہو رہے ہیں۔ اس آدمی نے خواب میں دیکھا اسے کہا گیا کہ حضرت عمر کے پاس جا اور سلام کہہ پھر انہیں اطلاع دے کہ تم بارش کے طلبگار ہو اور اسے کہہ دے، تجھ پر ذمہ داری ہے، تجھ پر ذمہ داری ہے تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور آپ کو خبر دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ پھر عرض کی اے میرے

پروردگار! میں رجوع کرتا ہوں جس میں عاجز ہوں۔

بیان سند

ابن ابی شیبہ نے المصنف: ۱۲/۳۱-۳۲ میں کہا
ہم سے ابو معاویہ نے ان کو اعمش نے، ان کو ابو صالح نے، ان کو مالک الدار نے بیان کیا کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خازن طعام نے کہا:

أصاب الناس قحط ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الا ما عجزت عنه (الحدیث)

اس روایت کو اسی طریق سے ابن ابی خیثمہ نے جیسا کہ الاصابۃ ۳/۴۸۴ میں، امام بیہقی نے دلائل النبوۃ: ۷/۴۷ میں، الخلیلی نے الارشاد ۱/۳۱۳-۳۱۴ میں، ابن عبد البر نے الاستیعاب ۲/۴۶۴ میں نقل کیا۔

اور حافظ نے الفتح: ۲/۴۹۵ میں کہا کہ
"سیف نے "فتوح" میں روایت کیا ہے کہ جس شخص نے مذکور خواب دیکھا وہ بلال بن حارث المزنی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔"

اس کا اسناد صحیح ہے۔ حافظ ابن کثیر نے البدایۃ ۷/۱۰۱ میں اور حافظ ابن حجر نے الفتح: ۲/۴۹۵ میں اس کی تصحیح کی ہے نیز ابن کثیر نے جامع المسانید۔ مسند عمر ۱/۲۲۳ میں کہا۔
"اس کی سند جید قوی ہے۔"

ابن تیمیہ نے بھی اقتضاء الصراط المستقیم: ۳۷۳ میں اس کے ثبوت کا اقرار کیا۔

اوہام باطلہ اور ان کا رد

بعض لوگوں نے چند ایسے امور کے ساتھ اس روایت کی تضعیف کی کوشش کی

ہے جو سرے سے قواعد کے ہی مخالف ہیں۔
ہم چاہتے ہیں کہ ان کو بیان کریں، پھر حق واضح کرنے کے لئے ان کی تردید کریں۔

۱۔ اعمش مدلس ہے اور اس نے سماع کی تصریح بھی نہیں کی
۲۔ مالک الدار مجہول ہے۔
۳۔ ابو صالح اور مالک کے درمیان انقطاع کا گمان ہے۔
۴۔ اگر روایت صحیح بھی ہو تو حجت نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کا مدار ایک ایسے شخص پر ہے جس کا ہم معلوم نہیں اور سیف کی روایت میں اس کا نام بلال مذکور ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ سیف کے ضعف پر اتفاق ہے۔
۵۔ مالک مجہول متفرد ہے۔ دیکھئے یہ ایک عظیم حادثہ اور شدید واقعہ تھا کیونکہ لوگ اس وقت سخت مصیبت میں تھے لہذا کوئی ایسا سبب نہیں تھا جس نے ان کو اس واقعہ کی نقل پر ابھارا نہ ہو تو جب انہوں نے اس کو نقل ہی نہیں کیا تو یہ اس امر پر دال ہے کہ امر اس طرح نہیں جس طرح اس کو مالک نے روایت کیا۔ شاید کہ یہ اس کا اپنا ہی ظن ہو۔

تردید بالترتیب

۱۔ پہلا وہم اعمش کی تدلیس کا ہے۔
اعمش اگرچہ مدلس ہے لیکن اس کی حدیث دو امور کی بنا پر یہاں مقبول ہے، چاہے وہ سماع کی تصریح کرے یا نہ کرے۔
۱۔ اعمش کا ذکر مدلسین کے مرتبہ ثانیہ میں ہوتا ہے اور ان لوگوں کی حدیث ائمہ نے قبول کی ہے اور صحیح میں تخریج کی ہے جس کا سبب ان کی روایت

نیز ابن ... کی امامت اور ثقاہت تدلیس سے ... بہ نسبت تمام مرویات کے
لہذا اعمش کی حدیث مقبول ہے چاہے سماع کی تصریح کرے یا نہ کرے۔

۲۔ اگر ہم اعمش کی حدیث تصریح سماع کی وجہ سے قبول کریں، جس طرح اہل علم ثالثہ اور بعد والے مدلسین کا مقام ہے تو پھر بھی اس کی حدیث یہاں مقبول ہے کیونکہ وہ ابو صالح سے روایت کرتا ہے جو کہ "ذکوان السمان" ہے۔ حافظ ذہبی نے المیزان ۲ / ۲۲۴ میں کہا۔

جب اعمش عن سے تو اس کی تدلیس کا احتمال عارض ہو جاتا ہے مگر ان شیوخ میں جن سے وہ اکثر روایت لیتے ہیں جیسے ابراہیم ابن ابی وائل اور ابو صالح السمان کیونکہ اس نوع سے اس کی روایت اتصال پر محمول ہوتی

مالک الدار کا مجہول ہونا

علت ثانیہ یعنی مالک الدار کا مجہول ہونا ... انتہائی ثقہ ہیں۔ یہ محض ان کی تمام خیال ہے

شیخ البانی تو قواعد حدیث سے روگردانی کی انتہا کرتے ہوئے التوسل ۱۲۰ - ۱۲۱ میں کہتے ہیں کہ

مالک الدار کی عدالت یعنی معروف نہیں اور استدلال یوں کیا کہ ابن ابی حاتم نے ابو صالح کے علاوہ ان سے کوئی روایت کرنے والا ذکر نہیں کیا، جس میں اس بات کی خبر ہے کہ وہ مجہول ہے جس کی تائید خود ابن حاتم نے یوں کی کہ اس نے باوجود وسعت حفظ و اطلاع کے اس کی توثیق نہیں کی، لہذا وہ جہالت پر باقی رہا۔ پھر اس کی مزید تائید یہ کہ حافظ منذری نے مالک الدار کی روایت سے قصہ نقل کرتے ہوئے کہا،
"مالک الدار کو میں نہیں پہچانتا" اور ایسے ہی حافظ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" میں کہا :

اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہم کہتے ہیں: مالک الدار ثقہ بلکہ فوق الثقہ ہونے پر اتفاق ہے۔ اس کی کثیر تابعین نے مدح کی ہے۔

اس مسئلہ کو ہم چند طریقوں سے بیان کرتے ہیں۔

پہلا طریقہ

مالک الدار، یہ مالک ابن عیاض حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ ان کا ذکر حافظ ابن حجر نے (وہ اشخاص جنہوں نے جاہلیت اور اسلام کے زمانوں کو دیکھا) میں ذکر کرتے ہوئے کہا (الاصابۃ : ۳/۴۸۴)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات اور سماعت حاصل ہے اور انہوں نے شیخین (حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ) حضرت معاذ اور حضرت ابو عبیدہ سے روایت کی

اور ان سے ابو صالح السمان اور ان کے دونوں بیٹوں عون[1] اور عبداللہ نے روایت کی۔ پھر ان سے روایت کرنے والوں میں کلام کے بعد ذکر کیا کہ عبدالرحمن بن سعید بن یربوع ثقہ ہے۔

اور ابن سعد نے ان کا ذکر اہل مدینہ کے پہلے طبقہ کے تابعین میں کیا ہے (۵/۶) اور کہا "وہ معروف" ہے اور ابو عبیدہ نے کہا (الاصابۃ ۳/۴۸۴)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عیال کی کفالت ان کے سپرد کی اور جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آیا تو انہوں نے تقسیم ان کے حوالے کی۔

ف ۱ اس کی حدیث اپنے والد سے مروی امام طبرانی کی المعجم الکبیر (۳۲/۲) حلیہ اور ابن مبارک کی "الزہد" میں موجود ہے۔

اور اسی الاصابۃ میں ہے کہ اسماعیل القاضی نے علی بن المدینی سے
روایت کی کہ مالک الدار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خازن تھے۔
اور حافظ ابو یعلیٰ خلیلی نے خوب واضح کرتے ہوئے الارشاد (۱/۳۲۳)
میں کہا:
کہ مالک الدار حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ
متفق علیہ قدیم تابعی ہیں جن کی تابعین نے بھی مدح کی"
اور ابن حبان نے الثقات (۵/۳۸۴) میں ان کی توثیق کی۔
اب کونسی شئی باقی ہے جو ان کی حدیث کی تصحیح کے لیے مطلوب ہو؟
اور وہ کونسی حجت ہے جو اس کے بعد بھی رجل کی توثیق کے لیے مطلوب
ہو، ان کے لیے ایک جمعیت کی توثیق موجود ہے خصوصاً یہ کہ جب
معاصرین اور قرن اول کے بعد خیر القرون کے تابعین نے ان کو ثقات
کے گروہ میں شامل رکھا اور حل کی حجت پر لامحالہ اتفاق ہوا جس میں
شک نہیں، جیسا کہ حافظ خلیلی کے کلام سے بھی ظاہر ہے۔
اور ان کے دین اور امانت کی پختہ دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر
اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان کو عامل بنایا۔

دوسرا طریقہ

اگر تم انتہائی تشدد کرتے ہوئے ابن حبان کی توثیق سے
بھی گریز کرو اور خلیلی کا کلام جو قاطع نزاع ہے اس کو بھی
تسلیم نہ کرو تو پھر بھی اس شخص کا عادل ہونا ظاہر ہے اس لیے کہ اس سے
چار ثقہ راویوں نے روایت کیا، مزید برآں یہ کہ اس پر ائمہ صحابہ کا بھی
مستور حال تابعین[1] لوگوں میں سے ہونے کی وجہ سے اس کی تخریج

---

[1] ایسے تابعین جن کے حالات زندگی مکمل طور پر واضح نہ ہوں۔

کی جاتی (یہ کامل تشدد ہے) حالانکہ ایسے لوگوں کی حدیث کو ائمہ نے قبول
کیا ہے۔
ابن الصلاح نے (المقدمۃ صـ ۱۴۵) میں کہا
حدیث کی کثیر کتب مشہورہ میں پائے (یعنی مستور کی حدیث قبول ہے)
پر عمل کرنا موجود ہے۔ یعنی ایسے راوی سے جس کا دور گذر گیا اور اس کی
باطنی پہچان متعذر ہو۔ (واللہ اعلم)
مستور کی روایت قبول کرنے پر سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ امام
بخاری و مسلم نے ان کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔
حافظ ذہبی نے المیزان: ۱/۵۵۶ میں حفص بن بغیل کے حالات
کے تحت کہا۔
"بخاری و مسلم میں اسی طرح کے کثیر لوگ مستور الحال ہیں، نہ ان کی
کسی نے تضعیف کی اور نہ ہی وہ مجہول ہیں"
اور امام ذہبی نے (المیزان ۳/۴۲۶) میں مالک بن الخیر الزبادی کے
حالات بیان کرتے ہوئے کہا:
بخاری و مسلم کے راویوں میں کثیر تعداد ایسی ہے کہ ہمیں معلوم نہیں
کہ کسی نے ان کی توثیق کی تصریح کی ہو اور جمہور مشائخ کا موقف
یہی ہے کہ جس سے ایک جماعت روایت کرے اور وہ کوئی منکر روایت
نہ لایا ہو تو اس کی حدیث صحیح ہے"
ہم کہتے ہیں:
کہ مالک بن الخیر تبع تابعی ہے اور حفص بن بغیل ان کے چھوٹے لوگوں
سے ہے (یعنی کم عمر ہے) تو پھر کہاں یہ لوگ اور کہاں مالک الدار جن کے

دین اور امانت کا اعتراف سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے؛ اور جنہوں نے دونوں ادوار کو پایا۔

یہ امر لازم ہے کہ جب ائمہ نے ایسے لوگوں کی حدیث کو صحیح کہا (یعنی وہ لوگ جن کا ذکر اوپر گزر گیا) تو مالک الدار بن عیاض کی حدیث یقیناً صحیح ہے۔

مزید براں کہ حافظ ذہبی کا المیزان ۲/۳۰۴ میں الربیع بن زیاد الہمدانی کے حالات میں کہنا ہے کہ

"میں نے اس کے بارے میں کسی کی تضعیف نہیں پائی۔ لہذا وہ جائز الحدیث ہے۔"

اور اسی المیزان : ۲/۹۳ میں زیاد بن علاقہ کے حالات میں کہا

"شیخ مستور ما وثق ولا ضعف فهو جائز الحديث"

شیخ مستور جس کی نہ توثیق ہو نہ تضعیف وہ جائز الحدیث ہے۔"

یاد رہے کہ زیاد ان لوگوں سے روایت کرتا ہے جو مالک الدار سے کافی متاخر ہیں جیسے اعمش اور اس کے معاصرین۔

مالک الدار جیسے متقدمین راویوں کی باطنی آشنائی نقاد پر متعذر ہے اور اخبار کا دارومدار راوی کے حسن ظن پر ہے اسی لیے ائمہ نے ایسے لوگوں کی حدیث کو قبول کیا ہے۔

اس قسم کی تصریح امام سخاوی نے شرح الالفیۃ (۱/۲۹۹) میں کی ہے اور وہ یہ کہ ابو الحسن الدارقطنی جو کہ حدیث میں امیر المومنین ہیں فرماتے ہیں جیسا کہ فتح المغیث (۱/۲۹۷) میں ہے

"من روى عنه ثقتان فقد ارتفعت جهالته وثبتت عدالته"

(جس شخص سے دو ثقہ راوی روایت کریں اس کی جہالت ختم اور عدالت ثابت ہو جاتی ہے)

اس آخری جب ائمہ کے گذشتہ اقوال سے مالک بن عیاض جیسے لوگوں کی حدیث کا قبول ہونا معلوم ہو گیا تو اب کسی اور کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی اگر کوئی قول اس کے خلاف ملے بھی تو وہ انصاف و تحقیق سے بعید ہو گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مالک الدار المخضرم[*] کے لیے ادراک ثابت ہے۔

ساتواں طریقہ جن لوگوں کے لیے ادراک ثابت ہے، بعض نے ان کا ذکر صحابہ کرام میں کیا، جیسا کہ حافظ نے التہذیب : ۱/۱۳۵ میں ابراہیم بن ابی موسیٰ الاشعری کے حالات میں کہا :

"ذكره جماعة في الصحابة لكونه له رؤية"

لوگوں کی ایک جماعت نے اس کو اپنی عادت کے مطابق صحابہ میں ذکر کیا اس لیے کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ کی ظاہری حیات کو پایا۔

اور اسود بن مسعود العنبری کے حالات (۱/۳۴۲) میں کہا۔

"ذكره ابن الباوردي وجماعة من الصحابة لإدراكه"

باوردی نے بع جماعت اس کا ذکر بسبب ادراک کے ان لوگوں میں کیا جو صحابہ میں شامل ہے۔

علامہ حافظ السیوطی نے حسن المحاضرۃ (۱/۱۰۳) میں احمد بن حزم کے حالات میں کہا کہ :

---

* مخضرم وہ شخص ہے جس نے جاہلیت اور اسلام کے زمانوں کو پایا ہو اور ادراک کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پایا لیکن اسلام نہ لایا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے "الاصابۃ" میں اس
کی قسم میں شمار کیا اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبی کریم
وسلم کا زمانہ پایا اور اسلام قبول نہ کیا مگر آپ صلی اللہ علیہ
وصال شریف کے بعد۔ اور یہ لوگ ابن عبدالبر اور ایک گروہ
کے مطابق صحابہ ہیں۔

اسی لیے امام بیہقی نے اس کو "ردالصحابۃ فیمن عدل
من الصحابۃ" میں ذکر کیا۔

ہم کہتے ہیں کہ بعض دوسرے لوگوں نے کہا: صحابی نہیں
جب زمانہ پانے والے آدمی کی صحبت میں لوگوں کا اختلاف
یعنی بعض نے اس کو ثابت کیا اور بعض نے نفی۔ تو تمہارے
کہنا ضروری ہوگا کہ جس شخص کے لیے ادراک ہے اس کی
اختلاف ہے۔

جب یہ قاعدہ معلوم ہو گیا تو حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے
جماعت کو جن کی صحبت میں اختلاف ہے ان ثقات لوگوں میں ذکر کیا
حالات دریافت نہیں کئے جاتے یعنی وہ مقبول ہوتا ہے۔
حافظ ابن حجر نے "التلخیص الحبیر ١/٧٣" میں "لا وضوء لمن
یذکر اسم اللہ علیہ" (الحدیث) پر کلام کرتے ہوئے اسماء
بن زید بن عمرو پر کلام کے وقت کہا کہ

"اس کا حال صحابہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اگر اس کے لیے صحبت
ثابت ہو تو اس کی مثال ایسی ہے کہ حال دریافت نہیں کیا جا
یعنی مقبول ہوگا۔

اصل کلام

مالک الدار کے لیے ادراک ثابت ہے اور ہر وہ شخص جس کے
لیے ادراک ہو اس کی صحبت میں اختلاف ہے اور جس کی
میں ائمہ نے اختلاف کیا وہ ثقہ ہے۔ اور اس کا حال نہیں پوچھا جائیگا
سابقہ کلام سے نتیجہ یہ نکلا کہ مالک الدار ثقہ ہے اور اس کے حال
سوال نہیں کیا جائے گا اور وہ مقبول ہوگا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

چوتھا طریقہ

مالک بن عیاض جو "الدار" کے لقب سے مشہور
ہے اور ائمہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ان پر
ہے۔ ان کی روایت کو شیخ البانی جہالت کے دعویٰ سے رد کرتا
اور ان کی روایت قبول کرتا ہے جو مرتبہ میں ان سے کم ہیں۔ ہمارے پاس
بے شمار مثالیں ہیں جو بانگ دہل اس کے مسالک کے تناقض کا
کرتی ہیں اور ان سے اقوی دلائل کے ساتھ خبردار کرتی ہیں کہ اس
نے مذکورہ اشخاص میں کلام دکھایا، جبکہ وہ مالک الدار سے مرتبہ
میں کم ہیں اور تجھے مالک الدار کی حدیث قبول کرنا تو لازم ہوگا۔

(واللہ المستعان)

اب قاری کی خدمت میں دس مثالیں ہم پیش کرتے ہیں جو مذکورہ بیان
کی وضاحت کریں گی۔

١۔ جریر بن ابی مسلم کی حدیث کی اس نے الصحیحۃ ٢/٤٨٧ میں
تصحیح کیا ہے اس لیے کہ ثقات کی جمعیت نے اس سے روایت لی اور ابن
حبان نے اس کی توثیق کی۔

ہم کہتے ہیں کہ "التقریب صہ ٥٤٨" میں ہے کہ "مقبول" ہے۔

٢۔ یحییٰ بن العریان الهروی کی حدیث کو اس نے (الصحیحۃ

۱/۴۹) میں حسن کہا اور اس کی دلیل یہ پیش کی کہ خطیب بغدادی
(التاریخ ۱۳۰/۱۶۱) میں اس کے حالات میں ذکر کیا کہ یہ محدث
ہم کہتے ہیں: ہمیشہ ہم اس کے مسلک پر تعجب کرتے ہیں
تحدیث (حدثنا اور حدثنا) تعدیل کی عبارات سے نہیں اور نہ ہی اس
لازم آتا ہے کہ رجل محدث یا حافظ کی حدیث کی تصحیح یا تحسین کی جا
یہ امر ایسا واضح ہے کہ محتاج بیان نہیں۔

۳۔ موسیٰ بن عبداللہ بن اسحاق بن طلحہ القرشی کی حدیث کو اس نے
(الصحیحۃ ۲۹۵/۱) میں صحیح کہا جبکہ (التقریب ص ۵۵۲) میں ہے
"مقبول" ہے۔

۴۔ اس نے (الصحیحۃ ۵۱۷/۲) میں مالک بن الخیر الزبادی کی حدیث اس
لیے صحیح کہا کہ ثقات کی جمیعت نے اس سے روایت لی اور ابن حبان نے
کی توثیق کی۔

۵۔ عون بن محمد بن الحنفیہ کی حدیث کو اس نے (الصحیحۃ ۲۲۳/۲) میں
حسن کہا حالانکہ یہ رجل مثل سابق ہے۔

۶۔ عبداللہ بن یسار الاعرج المکی جو ابن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں
شیخ البانی نے ان کی حدیث کو (الصحیحۃ ۲۹۰/۲) میں جید کہا ہے
یہ بھی پہلے رجل کی مانند ہی ہے جبکہ التقریب (۳۳۰) میں ہے کہ
مقبول ہے۔

۷۔ محمد بن الاشعث کی حدیث کو بھی اس نے الصحیحۃ (۲/۱۳۳) میں جید
اس کا سبب ابن حبان کی توثیق اس سے جمیعت کا روایت کرنا اور اس
تابعی کبیر ہونا ہے (التقریب ص ۴۶۹) میں "مقبول" ہے۔

ابو سعید الغفاری کی حدیث کو بھی اس نے الصحیحۃ: ۲۹۷/۲ میں جید
کہا اور اس سے جہالت ذاتیہ اٹھانے کے بعد اس کا کہنا ہے۔
کہ کبیر تابعی ہے ایسے لوگوں کی حدیث کو حفاظ کی جماعت نے "حسن"
کہا ہے اور حافظ عراقی نے اس کے اسناد کو جید کہا اس بنا پر مجھے انشراح
ہوا اور میرا دل مطمئن ہوا۔

ہم کہتے ہیں بتائیں الغفاری اور مالک الدار میں کیا چیز فارق ہے؟
[illegible] بن عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کی حدیث کو اس نے (الصحیحۃ [illegible]
میں) قوی قرار دیا ہے جس کا سبب ابن ابی حاتم کا سکوت اتنا موثق اجنس
لوگوں کی اس سے روایت اور اس کا ابن حبان کی ثقات میں ہونے کا
[illegible] ہے۔

ہم کہتے ہیں: کہ ابن حبان نے اس کو تبع الاتباع (۱/۳۴۷) میں بیان
کیا لیکن اس کا طبقہ مالک الدار کی نسبت بہت ہی نیچے ہے۔ مالک الدار
مخضرم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد کو پایا لیکن بعد از
اسلام قبول کیا، ثقہ اور کبار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے
[illegible] رجل ہیں۔
لیکن چیز کی محبت انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے ہم ہوس و ہوا کی پیروی سے
اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

[illegible] ابن حوات کی حدیث کو (الصحیحۃ ۳۳۶/۲) میں اسی لیے "حسن"
[illegible] کہ جمعیت کی اس سے روایت ہے اور ابن حبان کی توثیق ہے
ہم کہتے ہیں (التقریب ص ۱۰۵۲) میں "مقبول من اهل الثامنة"
[illegible] درجے کا مقبول ہے۔ پھر کہاں اس کا مقام جو اهل الثانیہ

دوسرے درجے سے ہے، جو کہ مالک الدار ہیں۔

شیخ البانی کی عبارات میں غلطیوں کی نشاندہی

اب ان غلطیوں پر کلام کرنا باقی ہے جو البانی کی عبارت میں [...]
ہیں ہم محسوس کرتے ہیں ان پر سکوت اختیار کرنا اچھا نہیں۔ البانی کا قول [...]
"مالك الدار غير معروف العدالة و الضبط"
(مالک الدار عدالت وضبط میں معروف نہیں)

ہم کہتے ہیں: عدالت سے یہاں مقصود عدالتِ ظاہرہ ہے جو کہ [...]
ہے بلا شک وشبہ اس سے چار رجال نے روایت لی اور اس پر مزید [...]
صحابہ کے اماموں نے اس بیان امور میں اعتماد کیا جو کامل عدالت وضبط
کی شہادت دے رہے ہیں

شیخ البانی کا دوسرا قول:

"ابن ابی حاتم نے اس کو (الجرح والتعدیل: ٢١٣/١/٤) میں ذکر کیا
اور ابو صالح کے علاوہ اس سے کوئی راوی ذکر نہیں کیا۔ لہٰذا اس میں اس
کے مجہول ہونے کی خبر ہے اور اس کی مزید تائید یوں کہ خود ابن حاتم
نے وسعت حفظ و اطلاع کے باوجود اس میں توثیق نقل نہیں کی [...]
جہالت پر باقی رہا۔"

ہم کہتے ہیں:

یہ زبردست ... ہے ... جس شخص کے منصب کے
خلاف ... والا اور احادیث پر حکم لگانے والا ...
البانی کا اعتماد فقط ایک رازی کی کتاب پر ہے جس کو اس نے

[...] پیش کیا اور تم نے جان لیا کہ ان میں شدید قصور پڑا گیا ہے
[...] دیکھو اس رجل کو ابن حبان نے "الثقات" میں ابن کثیر نے البدایة
(١٠١/...) میں حافظ ذہبی نے (تاریخ الاسلام ٩٦/٣) میں حافظ نے
[...] ٣/٢/٣٨٦) میں امام خلیلی نے (الارشاد ٢١٣/١) میں اور امام
[...] نے (التحفة اللطيفة: ٤٤٥/٣) میں ذکر کیا اور اس کا ذکر
[...] التهذيب ٢١٧/٨، ٢٢٦/٧) میں بھی موجود ہے۔

[...] سے مالک الدار کی عدالت کا ثبوت ملتا ہے اور مزید یہ بھی ثابت
[...] سے علاوہ ایک جماعت نے اس سے روایت لی۔

[...] البانی: ابن ابی حاتم کا رجل سے سکوت کرنا اس کی جہالت کو
[...] لازم نہیں، جیسا کہ البانی نے تصریح کی اور اس سے بھی بڑھ کر شیخ حماد
[...] انصاری کا یہ قول ہے۔

"[...] من سكت عنه ابن أبي [...] في الجرح والتعديل [...] مجهول"

ہر وہ شخص جس سے ابن ابی حاتم جرح و تعدیل میں سکوت کریں وہ مجہول ہے۔

شیخ حماد نے اس کو قضیہ کلیہ کی صورت میں بیان کیا
[...] اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے

[...] اس کے مجموعہ مقالات میں سے مجلة الجامعة الإسلامية میں
[...] مفهوم الصحيح للتوسل" اور "تحفة القاري في الرد على الغماري"
[...] ان سے شائع ہوا اور قاری جو احادیث توسل کی تحقیق اس کتاب میں
[...] ہے یہ اس کے "تحفہ" کے لیے قاطع ہے (والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات)

ہم کہتے ہیں، کہ

ابن ابی حاتم نے راوی سے سکوت کیا کیونکہ انہوں نے اس میں جرح

نہ تعدیل، اور جرح وتعدیل کی مباحث پر کلام ختم کرتے ہوئے کہا: "

ہم نے بے شمار ایسے نام ذکر کر دیئے ہیں جو "الجرح والتعدیل" سے خالی

ہیں اور بلکہ صرف اس لیے دیئے ہیں کہ کتاب ان تمام اشخاص پر مشتمل

جن سے علم نقل کیا گیا اور ان کو ذکر کرنا ایسی امید پر ہے کہ شاید ان میں

تعدیل پائی گئی ہوتی اور ہم اس کو بعد میں ان سے لاحق کرنے والے ہیں

ان شاء اللہ تعالیٰ"

جرح وتعدیل کا نہ پایا جانا، جہالت کو مستلزم نہیں ہوتا کیونکہ

جرح ہے، جبکہ اسی کوئی تصریح نہیں کی گئی اور نہ ہی اس کی طرف اشارہ

بلکہ واقع اس کے قطعی طور پر خلاف ہے۔ کتنے ہی راوی ایسے ہیں، جن

ابن ابی حاتم نے سکوت کیا ہے لیکن دیگر ائمہ کی ان کے بارے میں جرح

موجود ہے کتب رجال ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہیں۔

مزید بیاں کہ ابو حاتم، جس کے قول پر ابن ابی حاتم جرح وتعدیل

میں اعتماد کرتے ہیں، انہوں نے کثیر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو

"مجہول" سے تعبیر کیا ہے اور حافظ نے "التہذیب" (۳/۳۵۷) میں اس

تصریح کی۔

پھر البانی نے "التوسل" (۱۳۰) میں حافظ ابن حجر کی اس سند کی

توضیح کی اور ایسے مضطرب کلام کے ساتھ توجیہ بیان کی جس سے

رد میں مشغول نہیں ہوا جائے گا کیونکہ یہ فضول ہے جس میں کوئی فائدہ

واللہ المستعان

فصل

ایک وہم کا ازالہ

اگر یہ کہا جائے کہ فرض کریں ہم نے تسلیم کیا کہ "مالک الدار" مخضرم

اور ثقہ ہے اور کبار صحابہ رضوان اللہ علیہم نے ان کو عامل بنایا تو کیا جواب ہوگا

ان دو حفاظ یعنی المنذری اور الہیثمی کا جنہوں نے "مالک الدار" کے بارے

میں کہا: "لا أعرفه" (میں اس کو نہیں پہچانتا)؟

ہم کہتے ہیں:

یہ دونوں اس کو نہیں پہچانتے لیکن ان کے علاوہ دیگر ائمہ اس کو

پہچانتے ہیں، پھر حکم کیا ہوگا؟

معرفت رکھنے والا، نہ پہچاننے والے پر حجت ہوتا ہے، انہوں نے

یہ تو نہیں کہا کہ "جو نہیں پہچانتا، وہ معرفت والے پر حجت ہے۔"

یہاں ایک اہم نکتہ ہے جو فائدہ سے خالی نہیں اور وہ یہ کہ دونوں حافظ

منذری اور ہیثمی نے فقط معرفت کی نفی کی ہے اور جہالت کو کسی نے

بھی بیان نہیں کیا جو کہ ان دونوں کی معرفت تامہ بالفن پر دلالت کرتا ہے۔

یہاں شیخ البانی نے بڑی بے تکی سے رجل کی جہالت کا دعوے کر

دیا، حالانکہ دونوں لفظوں میں بہت بڑا فرق معروف ہے۔

حافظ نے "اللسان" میں اسماعیل بن محمد الصفار کے حالات کے تحت کہا

(۱/۴۳۲)

"ابن حزم کو اس کی معرفت نہیں ہوئی اور اس نے "المحلی" میں کہا: کہ

یہ "مجہول" ہے ۔ ۔ ۔ حالانکہ ائمہ کی عادت ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو

ان الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں یعنی لا نعرفہ ، یا لا نعرف حالہ،
لہذا اس پر جہالت کا حکم کسی اَمر زائد کے علاوہ واقع نہیں ہوگا، سوا کسی
اطلاع پانے والے یا اٹکل سے حکم لگانے والے کے۔"

اب قاری کو چاہیے کہ دونوں اُمور میں فرق کو پہچانے، دیکھئے ایک
اصطلاح ہے اُہل فن کی اور ایک اغیار کی، دونوں میں فرق ملحوظ رکھنا
انتہائی ضروری ہے اور تھوڑی سی عدم توجہ سے آدمی کہیں سے کہیں جا پہنچتا
ہے جیسا کہ شیخ البانی نے "عدم معرفت" سے "الحکم بالجھالۃ" کی
طرف کتنی بے دردی سے عدول کیا، جو کہ اس کی کتب میں مشہور خطا ہے
اور (مصنف فرماتے ہیں) میں نے "العقد الصحیح لما اعترض علیہ
من احادیث المصابیح" از حافظ صلاح الدین علائی کے مقدمہ میں اس پر
تنبیہ کی۔؟

تیسری علت

تیسری علت یہ گمان کہ ابوصالح ذکوان السمان اور مالک الدار
کے درمیان انقطاع ہے۔

یہ ایک محض وہمی علت ہے جس کو صاحب کتاب "ھٰذہٖ مفاھیمنا
(۴۳-۴۴) نے ذکر کیا۔

یہ جو صاحب کتاب مذکور نے گمان کیا یہ ظن باطل ہے، جو حق بات سے
ذرا بھی مستغنی نہیں ہو سکتا، اور اس کے بطلان میں صرف اتنا ہی کافی ہے جو تم
نے دیکھ لیا کہ ابوصالح ذکوان السمان جناب مالک الدار کی طرح مدنی ہیں اور صحابہ
سے اس کی روایت واضح ہے اور وہ مدلس بھی نہیں اور سند پر اتصال کا حکم
لگانے کے لیے معاصرت کافی ہے جیسا کہ کتب اصول حدیث میں ضابطہ
موجود ہے اور یہاں اتنا ہی کافی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

چوتھی علت

چوتھی علت ان کا یہ کہنا ہے کہ اگر روایت صحیح بھی ہو تو حجت نہیں
کیونکہ اس کا دارومدار ایسے شخص پر ہے جس کا نام نہیں
... اگر اس کا نام سیف کی روایت میں بلال ہے تو اس کی کوئی حیثیت
... کیونکہ سیف کے ضعف پر ائمہ کا اتفاق ہے۔

... ہم کہتے ہیں:
... ٹھیک ہے، سیف سخت ضعیف ہے، لیکن تم انور علی صاحبھا
... والسلام کی طرف آنے والا یا ہے صحابی ہے یا تابعی، جہالت سے مضر
... ہے کیونکہ حجت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا اقرار و عمل ہے، کہ اسے
... اس عمل سے منع نہیں فرمایا بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو ثابت رکھا
... رو پڑے اور کہا:
... رب ما الوا الا ما عجزت عنہ "اے میرے پروردگار! میں رجوع کرتا
ہوں اس سے جس میں عاجز ہوں"

پانچویں علت

پانچویں علت یہ ہے کہ مالک الدار اس روایت کے نقل
کرنے میں منفرد ہے جبکہ یہ ایک عظیم واقعہ ہے۔"
... مجھول عندھم" کی دلالت اس بات پر ہے کہ اگر اس طرح
... جس طرح مالک الدار نے روایت کیا، شاید کہ یہ محض ظن ہی ہو۔
اس اعتراض کو صاحب کتاب "ھٰذہٖ مفاھیمنا" (ص ۶۲) نے
... وارد کیا۔
... ہم کہتے ہیں: کہ علم اصول میں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ خبر کو جھوٹا
... کہنے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں مندرجہ ذیل تین شرائط پائی جائیں۔
(۱) جب ایک شخص خبر میں منفرد ہو

رفع المنارة لتخريج

احاديث التوسل والزيارة

۲۔ ایسی خبر پر جس کی نقل کے لیے مختلف تقاضے اور دواعی ہوں

۲۔ خلق کثیر اس کے ساتھ اس واقعے کے وقت شریک ہو جس کا دعویٰ کرتا ہے۔

اگر دونوں شرطیں مالک الدار کی خبر میں نہیں پائی جاتیں یقیناً کہ اس خبر کی نقل پر لوگوں کے دواعی نہ تھے، تو غور و فکر سے کام لے۔

یہ امر گزر چکا کہ مالک الدار قطعی طور پر معروف ہے جس پر ائمہ کا ... ہے جیسا کہ ابو یعلی الخلیلی نے کہا۔

ہم آثار صحیحہ کے رد کرنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں جیسے یہ وہمیات کے سبب اور اہل بدعت اور اہل ہوا (ہوس) ... ان کی پیروی کی وجہ سے رد کر رہے ہیں۔

کتنی ہی ایسی احادیث ہیں جو "اصول دین" سے شمار ہوتی ہیں ... ان کے راوی منفرد ہیں جیسے یہ حدیث "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات" (عملوں کا دار و مدار نیتوں پر ہے) یہ بھی فرد ہے اور علم کی چوتھائی ہے جیسا کہ متعدد ائمہ نے کہا۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ جو ذکر کیا گیا یہ اثر صحیح ہے اور جو اس میں طعن کرے وہ صحیح نہیں

(وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَات)

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ الْعَلِیْم

اختتام: ۱۰ رجب المرجب ۱۴۱۹ھ بروز ...

محمد اکرام اللہ زاہد قادری رضوی
جامعہ غوثیہ رضویہ گوکھر شریف منڈی بہاؤ الدین